اسلام
کی
اخلاقی تعلیمات
عرفان حسن صدیقی

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

عرفان حسن صدیقی

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

طابع: ——— رانا اللہ داد خاں، مینیجنگ ڈائریکٹر

ناشر: ——— اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

مطبع: ——— میٹرو پرنٹرز، لاہور

اشاعت:

اوّل ——— مئی ۱۹۹۴ء ——— ۱۱۰۰

قیمت: =/۱۰۸ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
(علامہ اقبالؒ)

فہرست

باب نمبر (۳) بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی اخلاقی حالت

(ا) مجوسی فارس

(ب) عیسائی روم اور عیسائیت

(ج) ہندوستان کی اخلاقی حالت

(د) یہودی اور ان کے اخلاقی و تمدنی حالات

(ح) بعثت نبویؐ کے وقت عربوں کی اخلاقی حالت

باب نمبر (۴) اخلاق انبیاءؑ ، اخلاق نبویؐ اور اخلاق صحابہ کرامؓ

باب نمبر (۵) فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق

(ا) اخلاق کے مسئلے پر چند بنیادی حقائق

(ب) اسباب ضلالت و گمراہی

(i) باپ دادا کی اندھی تقلید و پیروی

(ii) بڑے لوگوں اور مذہبی پیشواؤں کی غلط پیروی

(iii) غرور و تکبر

(iv) دنیا کی خوشحالی ہی کو معیار خیر و شر اور حق و باطل جاننا

(v) خواہشات نفس اور قیاس و گمراہی کی پیروی کرنا

(vi) برائی کو خوبی سمجھنا اور باطل پر جمے رہنا۔

(vii) شفاعت کا مشرکانہ عقیدہ

(ج) تاریخ انسانی سے اچھے اور برے کرداروں کی مثالیں

(i) آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ

(ii) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم

(iii) قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام

(iv) قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام

(v) حضرت ابراہیم علیہ السلام

(vi) قوم لوط اور حضرت لوط علیہ السلام

(vii) حضرت یوسف علیہ السلام

(viii) اہل مدین، اصحاب الایکہ اور حضرت شعیب علیہ السلام

(ix) قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون لعین

(x) بنی اسرائیل

(xi) مختصر تاریخی واقعات

(xii) قریش مکہ کی اخلاقی حالت پر قرآن کا تبصرہ

(د) **فضائل اخلاق** (وہ پسندیدہ اخلاق جنہیں اسلام رائج کرنا چاہتا ہے)

(ح) **رذائل اخلاق** وہ ناپسندیدہ اخلاق جنہیں اسلام ختم کرنا چاہتا ہے)۔

FAZAL SALMAN TRUST FOR RESEARCH ON QURAN-E-HAKIM.

فضل سلمان ٹرسٹ کا بنیادی مقصد قرآن حکیم کی تعلیمات جدید زمانے کی ضروریات کے مطابق پیش کرنا ہے۔ ان شا اللہ تعالیٰ حتمی ہدف قرآن حکیم کا ایک ایسا اشاریہ (Subject wise Index) مرتب کرنا ہے تاکہ ایک ہی نظر میں معلوم ہو جائے کہ رب علیم و حکیم نے انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کی فلاح کے لئے کیا کیا احکامات و ہدایات قرآن حکیم میں کس کس جگہ پر دے رکھی ہیں اس سلسلے میں تقریباً ۱۵۰۰ موضوعات منتخب کئے گئے ہیں۔ ان موضوعات پر تحقیق مکمل کر لی گئی ہے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے جو تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کرتی ہیں۔

(۱) تفسیر موضح قرآن	شاہ عبدالقادرؒ
(۲) ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزادؒ
(۳) تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ
(۴) تفسیر بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) تفسیر تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۶) تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیعؒ
(۷) تفسیر بیان القرآن	مولانا محمد علی لاہوری
(۸) تفسیر تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب
(۹) تفسیر ضیاء القران	پیر کرم شاہ صاحب
(۱۰) تفسیر فی ظلال القران	سید قطب شہیدؒ
(۱۱) تفسیر مفہوم القران اور مطالب الفرقان	جناب غلام احمد پرویز

(۱۲) تفسیر نمونہ (زیر نگرانی) :- مکارم شیرازی صاحب

فوری منصوبے کے تحت مندرجہ ذیل کتب ایک ایک کر کے پیش کی جا رہی ہیں

(۱) دعا (۲) عدل (۳) اسلام کی اخلاقی تعلیمات (۴) اسلام کی معاشرتی تعلیمات

(۵) اسلام کی معاشی تعلیمات (۶) اسلام کی سیاسی تعلیمات (۷) قانون اسلام۔

پہلی دو کتب، دعا اور عدل فیروز سنز لیمٹڈ کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہیں اور اب اس سلسلے کی تیسری کتاب "اسلام کی اخلاقی تعلیمات" پیش خدمت ہے۔

فضل سلمان ٹرسٹ مرحوم و مغفور فضل الرحمٰن اور مرحوم و مغفور سلمان حسن صدیقی کے ایصال ثواب اور مرحومین کی یاد میں ان کے لواحقین نے قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں مرحوم فضل الرحمٰن اور مرحوم سلمان حسن صدیقی کو ضرور یاد رکھیں اور خدائے بزرگ و برتر کے حضور ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ عزوجل سے نہایت عجزو انکسار کے ساتھ دعا ہے کہ ان نیک مقاصد میں جو بانیان ٹرسٹ کے پیش نظر ہیں، اپنی توفیق و برکت سے بڑھوتی عطا فرمائے۔ آمین، یارب العالمین۔

طالبین دعا

تبسم علی

عرفان حسن صدیقی

فضل سلمان ٹرسٹ

III-A-74 ابو بکر بلاک

نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

اس کتاب سے استفادہ کرنے کا طریقہ

اس کتاب میں قرآن حکیم کی آیات کے حوالہ جات اس طرح دیئے گئے ہیں:
(۲:۲۰۰) یا (۱۷:۴۵) یا (۵۵:۱۰) جن کو اس طرح سمجھئے داہنی طرف کے ہندسے سے قرآن کی سورت کا تدریجی نمبر یعنی جس ترتیب سے وہ قرآن میں آئی ہے۔ پہلے حوالے میں سورہ البقرہ (۲) مراد ہے۔ دوسرے میں سورہ بنی اسرائیل (۱۷) مراد ہے اور تیسرے حوالے میں سورہ الرحمٰن (۵۵) مراد ہے بائیں طرف کا حوالہ سورہ کی آیت کا ہے یعنی ترتیباً سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۰۰، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۴۵ اور سورہ الرحمٰن کی آیت نمبر ۱۰۔ اگر حوالہ اس طرح ہو کہ (۱۶:۱۰ - ۱۵ - ۴۰) تو مراد ہو گی سورہ النحل (۱۶) کی آیات ۱۰، ۱۵ اور ۴۰۔ پچھلی کتب "دعا" اور "عدل" کا مطالعہ کرنے والے بعض اصحاب کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ صرف سورت کے تجدیدی نمبر کا حوالہ دینے کے بجائے سورت کا نام بھی دیا جائے لیکن یہ صرف کتاب کی ضخامت بڑھانے کے مترادف ہو گا۔ تدریجی نمبروں کے لحاظ سے حوالہ تلاش کرنا سب سے آسان ہوتا ہے۔

ان سینکڑوں حوالہ جات کو اگر عربی الفاظ یا اردو ترجمہ یا دونوں کے ساتھ نقل کیا جاتا تو کتاب کی ضخامت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اس لئے صرف حوالہ جات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ استفادہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے دوران قرآن مجید کا کوئی بھی باترجمہ نسخہ ساتھ رکھ لیں اور دیئے گئے حوالہ جات کو نکال کر پڑھتے جائیں ساتھ میں سیاق و سباق بھی ضرور ملاحظہ کریں۔ اس طرح ان شاءاللہ آپ میں بھی تحقیقی ذوق پیدا ہو گا اور آپ کو بھی قرآن حکیم کے مطالعہ کا سرور آئے گا۔ خدائے علیم و حکیم کے اس کلام پر آپ کی روح بھی وجد میں آئے گی اور رونگٹے بھی کھڑے ہو جائیں گے۔ جذبات عالیہ کا ایک

طوفان موج زن ہو گا جو کبھی آنسو لائے گا تو کبھی کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر میں سکینت لائے گی۔

ان شاءاللہ تعالیٰ جب یہ صورت حال پیدا ہوگی تو قرآن مجید آپ کے لئے محض ایصال ثواب کے لئے پڑھنے والی اور خوش نما گرد پوش میں کسی اونچی جگہ سجا رکھنے والی کتاب نہ رہے گی بلکہ آپ کا دل اس کو اپنی عملی زندگی کے ہر شعبے میں استعمال کرنے کو چاہے گا۔ یہاں تک کہ آپ کی عملی زندگی ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی اخلاق قرآنی کا نمونہ بن جائے گی اور آپ اس تحقیق جستجو میں لگ جائیں گے کہ خدائے حکیم و عزیز نے زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق کیا کیا احکام دے رکھے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مکی اور مدنی دور کا مطالعہ یہ ہی بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں اسلام کو تدریجاً نافذ کیا گیا۔ تدریجاً ہی احکام خداوندی وحی کیے گئے اور تدریجاً ہی نافذ کئے گئے۔ ہر حکم کو نافذ کرنے سے پہلے اس کی زمین تیار کی گئی جب وہ تیار ہو گئی تو حکم آیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم و رضا خداوندی کے مطابق رائج کیا۔ کسی آرڈیننس کے ذریعے نہ اسلامی احکام پہلے نافذ ہوئے ہیں اور نہ ہی اب نافذ ہو سکتے ہیں۔ منشا خداوندی میں پہلے تربیت افراد آتی ہے ہاں اس تربیت کردار کے لئے حکومتی ذرائع اور دیگر اجتماعی ذرائع ضرور استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن فرد کے تربیت کردار کے بغیر اسلام کا اوپر سے نفاذ منشائے خداوندی نہیں ہے۔

میری صمیم قلب سے دعا ہے کہ قرآنی مطالعے کے اثرات کی جو تصویر میں نے اوپر دکھائی ہے. ہر مسلمان اس کا زندہ جاوید پیکر بن جائے۔

آمین۔ ثم آمین۔ یارب العالمین

عرفان حسن صدیقی

باسمہ تعالیٰ

دیباچہ

قرآن حکیم ایک کتاب عمل ہے۔ وہ انسانیت کو نجات اور فلاح کی راہ بتاتی ہے۔ اس کی تعلیمات کا کچھ حصہ ایمانیات سے متعلق ہے۔ کچھ ان آیات یا نشانیوں سے عبارت ہے جن کو سمجھ کر انسان حق و باطل میں تمیز کرنا سیکھتا ہے۔ تیسرا حصہ تمام تر اخلاقیات سے متعلق ہے کہ جب وہ تعلیمات فرد کی کاوشوں اور کوششوں میں سما جائیں تو وہ فرد یا قوم جو ان تعلیمات کو بحیثیت مجموعی اپنا لے فلاح اور نجات کی ضمانت اللہ تعالیٰ سے پا لیتے ہیں۔

عرفان حسن صدیقی کی یہ تصنیف "اسلام کی اخلاقی تعلیمات" ایک عمدہ کوشش ہے کہ ان تینوں موضوعات پر اسلام کی بات قرآن کی زبانی قارئین تک پہنچائی جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ قاری کو ان مثالوں اور اقوال سے بھی متعارف کرایا جائے۔ جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متعلق ہم تک پہنچیں ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے احکام کے مطابق عمل کرنے کی بہترین مثال اور ماڈل ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے متعلق صحیح خبر مل جائے تو وہ قرآن کے احکام کو سمجھنے کے لئے بہترین ذریعہ تعلیم ہوتی ہے۔ صدیقی صاحب نے اسلام کی اخلاقی تعلیم کو نکھارنے کے لئے ایک بہت موزوں انتخاب احادیث بھی کیا ہے۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے صاحب تصنیف نے ایک قابل قدر حساسیت کا اظہار کیا ہے۔

ہمارے دور میں قرآن و سنت کی اصل تعلیم مختلف نظریات اور ناقابل اعتبار روایات کے انبار تلے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ اسی زاویہ نگاہ سے صاحب تصنیف کی کاوش اور بھی گراں قدر بن جاتی۔ قرآن تو خود ناطق ہے لیکن اس سے فائدہ اہل ایمان ہی مکمل طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ آج کا نوجوان قاری ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اخبار و فلم کی

بھرمار کی وجہ سے کچھ بکھر سا گیا ہے۔ وہ ہر خبر و فکر کو شدید تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہو چکا ہے۔ ہماری روایتی دینی تعلیم جو کہ افراط و تفریط سے مملو ہے نئے تنقیدی ذہن کو مطمئن نہیں کرتی اور مدرسین کی اکثریت اور خصوصاً ان مدرسین کی جو روایتی طریقہ تعلیم کو کسی حالت میں بھی ذرا بھی بدلنے کو تیار نہیں اور نہ پرانے طریقوں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین کی بات بے توجہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ کچھ اختلافی اقوال مستقل بے وجہ موضوع بحث بنے رہتے ہیں اور قرآن حکیم کی مکمل تعلیم عام نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

صاحب تصنیف کی کوشش ہے کہ قرآن حکیم کی بات سے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اس کی وضاحت (Elucidation) اپنے اصلی روپ میں قاری کے سامنے آ جائے تاکہ وہ جان لے کہ حق و باطل کے درمیان حد فاصل کیا جائے۔

اس کتاب کا ایک اور اچھا پہلو یہ ہے کہ عبارت صاف و سلیس ہے۔ عربی و فارسی مستعملات کی بھرمار نہیں۔ ایک عام طالب علم کے لئے اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کے رسول کا عمل کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ صاحب تصنیف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خالد اسحاق ایڈووکیٹ

کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام کی عمارت کو ایمان کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے چار ستونوں پر قائم کیا گیا ہے۔ سطحی نگاہ ڈالنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ اسلام کی اس عمارت میں محاسن اخلاق کو کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ معمولی سا غور و فکر ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ دوسرے اہم مقاصد کے علاوہ ان ارکان کا ایک اہم اور بنیادی مقصد انسان کے اخلاق کی تربیت و تکمیل بھی ہے۔ ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ جو بھی ہوں مگر ان کے بنیادی مقاصد میں اخلاقی تعلیم کا راز مضمر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اپنی زبان مبارک سے ان الفاظ میں واضح فرمایا: "میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔"

اسلام میں ایمان کے کمال کا معیار جس چیز کو ٹھہرایا گیا ہے وہ حسن اخلاق ہے۔ اسی سے باہم انسانوں میں درجے اور رتبے کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام ہی کا ارشاد ہے: "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"

جناب عرفان حسن صدیقی نے اپنی کتاب "اسلام کی اخلاقی تعلیمات" میں اسی حقیقت کو بہت وضاحت اور خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے زیر نظر کتاب میں اس بات کو اپنی گفتگو کا محور اور مرکزی نقطہ بنایا ہے کہ اسلام انسانی سیرت و کردار کی تعمیر ایمان کی بنیاد پر کرتا ہے کیونکہ کہ ان کا عملی زندگی میں ایک قابل اعتماد نظم و ترتیب اختیار کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ اس کے فکر و ذہن کی اساس مضبوط ہو۔ اسی کو قرآن ایمان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ انسان کے عقائد و اعمال کا ڈھانچہ جب تک ان بنیادوں پر استوار نہ ہو جو خالق حقیقی کو پسند ہے اس وقت تک وہ ان اخلاق حسنہ کا پیکر نہیں بن سکتا جن کا مطالبہ قرآن

اور حامل قرآن نے کیا ہے۔

میرے نقطہ نظر سے کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام تر بنیاد بالکل اسی طرح قرآن اور سیرت رسول پر ہے جیسے خود اسلامی اخلاق کی قرآن اور سیرت رسول پر ہے۔

مولف نے کتاب کے آخری حصے میں محاسن اخلاق اور رذائل اخلاق کو چار الگ الگ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اصولی، اعتقادی اور عباداتی ۲۔ معاشرتی ۳۔ معاشی۔ معاملاتی ۴۔ ذاتی وانفرادی

ان چار ابواب کی حیثیت بلاشبہ خلاصہ کی ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ پر مبنی نہ ہو گا کہ یہ چند صفحات اسلام کی مکمل اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ انسان اگر اصلاح نفس کا طلب گار ہو تو ضخیم اور بھاری بھر کم تحریریں اور کتابیں پڑھنے کے بجائے ان چار ابواب کا مطالعہ کرے۔ امید ہے کہ یہی کچھ اس کے لئے کافی ہو گا۔

یوں تو پوری کتاب کی اساس قرآن اور سیرت رسول پر ہے لیکن بطور خاص آخری چار ابواب کو مکمل طور پر قرآنی آیات سے وابستہ کیا گیا ہے۔ محاسن اور رذائل سے متعلق ہر اخلاق صفت کی بنیاد قرآن حکیم کی کوئی آیت ہے اور قوسین میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

مجھے توقع ہے کہ بطور خاص کتاب کے آخری چار ابواب نہ صرف تعمیر سیرت و کردار میں موثر ثابت ہوں گے بلکہ جو اہل علم اس موضوع پر علمی و تحقیقی کام کرنا چاہیں گے. ان کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بھی بنیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی کے واقعات پر مشتمل ایک حصہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ ان واقعات کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ اسلامی اخلاق سے آگاہی حاصل ہوتی ہے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی تحریک اور لگن بھی پیدا ہوتی ہے۔

(ظفر اسحاق انصاری) ڈائریکٹر جنرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

چند الفاظ

اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب معاشرے کی اخلاقی حالت کا ہمارے موجودہ مسلم معاشرے سے تقابل کر کے بتایئے کہ کون سا معاشرہ اخلاقی لحاظ سے بہتر حالت میں قرار پائے گا تو میری طرح آپ کا جواب بھی یہ ہی ہو گا اور ہونا چاہئے کہ عرب معاشرہ ہمارے معاشرے کی موجودہ اخلاقی حالت سے بہتر تھا۔

یہ بات طے کرنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ اس عرب معاشرے کی درستی اور اصلاح کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟ اس سوال کا جواب اس کتاب کے موضوع کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔

اس طریق کار کی نشان وہی مکی سورتوں میں بآسانی ہو جاتی ہے۔ بنیادی ایمانیات، خوف خدا، خوف آخرت اور اخلاقی تعلیمات ہی مکی دور کی تعلیمات ہیں کیونکہ تعمیر سیرت و کردار کے بعد ہی اسلام کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پھل پھول سکتا ہے۔

حق تعالیٰ کے حکم کردہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ اس طریق کار پر عمل کرتے ہوئے ہم نے تعلیمات اسلام میں سب سے پہلے اخلاق اور تعمیر سیرت و کردار پر قرآن، احادیث اور تاریخ اسلام پر مبنی اپنی تحقیقات اس کتاب میں پیش کی ہیں۔

اس کے بعد دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ اخلاقی تعلیمات انسان کے خالق و مربی حق تعالیٰ کی حکم کردہ ہیں جو انسان کی ضروریات، کمیوں اور خوبیوں کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ وہ سب انسانوں کا رب ہے۔ گزرا ہوا وقت ہو، یا آنے والا وقت یا موجودہ وقت ہو، حق تعالیٰ کی ہر وقت پر نظر ہے، اسی لئے یہ الٰہی قوانین و ضوابط کسی بھی قسم کی کمی اور صرف

نظر سے پاک ہیں جب کہ دوسری طرف انسان اپنے مفاد اور بھلے برے کا فیصلہ محض اپنی محدود ناقص عقل کی بنا پر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی پہلو اس کی عقل و فکر سے اوجھل رہ جاتا ہے۔ انسان بے چارہ تو مضر چیز کو بھی اپنے لئے مفید اور حقیقی مفید چیز کو مضر خیال کرتا ہے۔ (۲:۲۱۶) (۴۹:۷)

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے یہ آفاقی اصول و ضوابط اخلاق ہی مسلمانوں کی زبوں حالی کا خصوصاً اور دنیا کی اخلاقی حالت کا عموماً واحد علاج ہیں اور اس حقیقت کا معترف تاریخ انسانی کا ہر طالب علم ہے۔ اسلام کے ان الہامی اور آفاقی اصول و ضوابط اخلاق پر جو بھی عمل کرے گا، ان کے فوائد و برکات سے ضرور بہرہ مند ہو گا۔ اگر مغربی معاشرہ ان اصولوں پر عمل کر کے حیرت انگیز فوائد سے بہرہ مند ہو سکتا ہے تو ہم مسلمان ایک مکمل اسلامی نظام کے تحت، جہاں ان اخلاقی ضوابط کو اسلام کی سیاسی تعلیمات کے مطابق قائم حکومت کی قوت قاہرہ اور اسلام کے معاشی اور معاشرتی اصولوں پر عمل پیرا مسلم معاشرے کی موزوں آب و ہوا بھی میسر ہو گی، بہت بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ ان نتائج سے بدرجہ بہتر جو مغرب کے غیر موزوں ماحول میں یہ اخلاقی اصول دکھا چکے ہیں اور ابھی بھی دکھا رہے ہیں۔

یہ اصول و ضوابط اخلاق محض بیان تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ ان کو لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان پر اولین ایمان لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے ان اصولوں پر سب سے پہلے عمل کیا۔ ان آفاقی اخلاقی ضوابط نے جس زندگی میں بھی راہ پائی وہ بھلائی سے آراستہ ہو گی۔ جس معاشرے میں ان پر عمل کیا گیا وہ ارضی جنت کا نمونہ بن گیا۔ پھر یہ بات بھی ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے دور میں اسلام کے پھیلنے میں اسلامی سیرت و کردار کا صد فی صد حصہ تھا۔

آخر میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اگر ان اعلیٰ ترین اصولوں کے ہوتے ہوئے ہم مسلمان سب سے زیادہ ان سے دور ہیں تو اس کی سزا بھی ہمیں مل رہی ہے کہ عددی اور

مادی لحاظ سے دنیا کی تقریباً ایک تہائی قوت رکھتے ہوئے ہم مسلمان دنیا میں ذلیل ہیں، چاہے وہ کشمیر ہو، بوسینا ہو یا فلسطین ہو۔ ہر جگہ مسلمانوں کو ان کے جائز حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ اس افسوس ناک صورت حال کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔

ان اخلاقی اصول و ضوابط اور تعمیر سیرت و کردار کے اس خدائی نظام کو اپنا حتمی ہدف بنا کر اس کی ایک ایک صفت کو اپنے ذاتی اور اجتماعی کردار میں راسخ کرتے جایئے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ توفیق و برکت خداوندی شامل حال ہو جائے گی اور بہت جلد آپ اور آپ کا معاشرہ اسلامی اخلاق و کردار کا مکمل نمونہ بن جائے گا۔

طالب دعا

عرفان حسن صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

ابتدائیہ

(الف) اسلام کا نظریۂ حیات اور مقصدِ حیات

انسان اپنی ذات سے متعلق افراط پر اترتا ہے تو غرور و تکبّر اور سرکشی کی ہوا دماغ میں بھر کر کسی بھی طاقت کو اپنے سے بالاتر نہیں سمجھتا اور فساد فی الارض کا مجسمہ بن جاتا ہے یا پھر تفریط پر اترتا ہے تو اپنی اشرف المخلوقات حیثیت کو ذلیل کر کے درخت، پتھر، آگ، سورج، چاند، ستاروں غرض ہر شے کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔

اسلام نے ان دونوں تصورات کو باطل قرار دیا ہے۔ وہ انسان کا غرور و تکبر توڑنے کے لئے نہایت وضاحت سے بتاتا ہے کہ تمہارا آغاز اور انجام کتنا حقیر ہے اور تمہیں تمہارے دوسرے پل کا پتہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کے مندرجہ ذیل مقامات پر انسان کے ان دونوں غلط رویّوں کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ۱۰

(۱) "اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک جھگڑالو ہستی بن گیا" (اور انسان کی خودی کا طغیان اتنا بڑھ گیا کہ اللہ ہی کے مقابلے پر جھگڑنے کو اتر آیا۔)

(سورۃ النحل ۱۶:۴)

اسی سورۂ مبارکہ میں آگے جا کر فرمایا کہ!

(۲) ”اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا۔ اس حالت میں کہ تم جانتے نہ تھے۔ اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور سوچنے والا دل دیا تاکہ تم شکر گزار بندے بنو۔“

(سورۃ النحل ۱۶: ۷۸)

(۳) ” ... ہم نے تمہیں مٹی سے تخلیق کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بغیر شکل والی بھی (یہ ہم اس لئے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر یہ حقیقت واضح کریں۔ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک مقررہ وقت تک (ماؤں کے) رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر (بڑھاپا) کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے“

(سورۃ الحج ۲۲: ۵)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات قرآنی بھی ملاحظہ کریں جن میں انسان پر اس کی اصل حقیقت آشکار کی گئی ہے۔ (۸۶: ۵ تا ۷) (۳۶: ۷۷ - ۷۸) (۳۲: ۷ تا ۹) (۸۲: ۷) (۵۶: ۵۹ تا ۷۴) (۱۷: ۶۷ تا ۶۹)

اس تکبّر شکنی کے بعد قرآنِ حکیم انسان کو بتاتا ہے کہ تم بالکل ذلیل و خوار نہیں ہو جیسا کہ تم نے خود کو سمجھ رکھا ہے بلکہ اشرف المخلوقات ہو اور تمہیں تمام موجوداتِ کائنات پر فضیلت و شرف دیا گیا ہے اور تمام کائنات کو تمہارے لئے مسخر کیا گیا ہے، ہر کائناتی تخلیق کا مقصد تمہاری خدمت کرنا ہے۔

(۱) ”اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بے شک وہی غنی و حمید ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اُس نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے ... واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا منکرِ حق ہے۔“

(سورۃ الحج ۲۲: ۶۴ - ۶۵)

اور اس کے علاوہ (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۲ تا ۷۰) اور (نحل ۱۶: ۵ تا ۱۹) بھی ملاحظہ کریں۔

انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تمہاری اصل حیثیت اس کارخانہ کائنات میں خلیفۃ اللہ اور نائب خدا کی ہے۔

(۱) "پھر تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں" انہوں نے کہا "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اِس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا" فرمایا رب تعالیٰ نے "میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے"

(سورۃ البقرہ ۲: ۳۰)

(۲) "وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔"

(سورۃ الانعام ۶: ۱۶۵)

اور اِس منصبِ نیابت و خلافت کے تمام نکات کی قرآن میں بھرپور تشریح کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات قرآن ملاحظہ کریں۔ (۱۵: ۲۶ تا ۴۴) (۱۷: ۶۱ تا ۶۵) (۷: ۳ - ۱۲۹ - ۱۶۱ - ۱۶۲) (۳۸: ۲۶) (۳: ۳۶)

اور پھر نہایت واشگاف الفاظ میں انسانی تاریخ میں سے اقوامِ سابقہ کی مثال دے کر سمجھایا گیا کہ انسان کی دینوی زندگی کی فلاح کا دار و مدار صرف اس بات پر ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی کو تسلیم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے عمل کرے۔ ملاحظہ ہو آیات (۲۹: ۵۲) (۲: ۲۱۷) (۵: ۵)

پھر انسان کو آگاہ کر دیا گیا ہے کہ یہ دنیا برتنے کے لئے ہے لیکن بھلے اور برے۔

مناسب اور نامناسب کے امتیاز کے ساتھ اور انسان کو پاک و ناپاک کے حدود کی پابندی کرنی ہوگی۔ ملاحظہ ہوں (۲:۱۶۸ - ۱۷۲ - ۱۹۸) (۵:۸۷) (۷:۳۲ - ۱۵۷ - ۱۷۹) (۱۰:۵۹) (۱:۶۶) (۵۷:۲۷) کیونکہ اس عالمِ ناپائیدار میں باقی رہ جانے والی چیز صرف نیک عمل جو دل اور روح اور عمل میں رچ بس گیا ہو۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "(اور اے نبیؐ) انہیں حیاتِ دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پیداوار خوب گھنی ہو گئی. اور کل وہی پیداوار بھس بن کر رہ گئی جس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں. اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے. اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور اُنہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔" (سورۂ الکہف ۱۸:۴۵ - ۴۶) اور اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات قرآن بھی ملاحظہ کر لیں۔ (۳۱:۳۳) (۱۱:۱۱۶) (۶۳:۹ تا ۱۱) (۴۲:۲۰) (۱۷:۱۸ تا ۲۱) (۲:۲۰۰ - ۲۰۴) (۳۴:۳۷) (۵۷:۲۰) (۲۶:۱۲۸ تا ۱۳۱ - ۱۴۶ تا ۱۵۰) (۴:۷۷ - ۷۸) (۲۹:۵۷ - ۵۸) (۲۴:۱۱۴ - ۱۱۵)

پھر ساتھ ہی ساتھ انسان پر واضح کر دیا گیا کہ دنیا دار العمل ہے. سعی اور کوشش کی جگہ ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اور صرف دنیا میں کیے گئے اعمال پر انجام آخرت منحصر ہے۔ یہ نقطہ نہایت اہم اور وضاحت طلب ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہماری یہ دنیا عالم طبعی ہے عالم اخلاقی نہیں ہے۔ یعنی جن قوانین پر اس دنیا کا نظام چل رہا ہے وہ قوانینِ طبعی ہیں قوانینِ اخلاقی نہیں ہیں۔ اس لئے اس دنیا میں انسانی اعمال و افعال کے مکمل اخلاقی نتائج مرتب ہونا ناممکن ہے۔ اخلاقی نتائج نامکمل صورت میں صرف اسی حد تک مرتب ہوتے ہیں جس حد تک کائنات کے قوانینِ طبعی انہیں اجازت دیتے ہیں۔ مثلاً ایک قاتل کے فعل کا اخلاقی نتیجہ منحصر ہے کہ قوانینِ طبعی اس کا سراغ لگالیں. اس کے اوپر جرم ثابت ہونے اور اس پر اخلاقی سزا نافذ ہونے میں مددگار ہوں اگر وہ مددگار نہ ہوں تو کوئی اخلاقی نتیجہ سرے سے مرتب ہی نہیں ہو سکتا اگر سازگاری کر بھی

پس تو بھی مکمل اخلاقی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ کیا قاتل کا قتل کیا جانا مکمل اخلاقی نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں. مقتول کے گھر والوں کی رہتی زندگی تک مشکلات و تکالیف کا اندازہ کر کے آپ خود ہی اس کا جواب دے لیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ دنیا دارالجزاء نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے اس جزا و سزا کے لئے ایک اور عالم درکار ہے جس میں ہماری دنیا کے برعکس حکمرانی قوانین طبعی کی نہ ہو بلکہ اخلاقی قوانین حکمران ہوں اور قوانین طبعی محض قوانین اخلاقی کے خادم ہوں اور انسانوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کی گن کر نہیں بلکہ نیتوں کے حساب سے تول کر جزا و سزا ملے۔ یہ ہی عین عدل کا تقاضا تھا جس کو ربِ عادل نے پورا کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ دنیوی اعمال کا بدلہ تمہیں آخرت میں ملے گا۔ دنیا میں بھی ملے گا لیکن اگر دنیا ہی میں ہر ایک کو مل جائے تو پھر آزمائش و امتحان کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر برے کو اگر اس کی برائی کا بدلہ دنیا میں ہی ملنے لگے تو برائی کون کرے گا. شیطان کا تو پورا کارخانہ ہی ٹھپ ہو جائے۔ اس دنیوی آزمائش و امتحان میں عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے حق تعالیٰ عز و جل نے انسان کو صالح فطرت دی. کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی آیات کے ذریعے حق کو واضح کیا۔ اقوام غیر صالح کی تاریخ بیان کر کے برائی کے برے انجام کو واضح کر دیا اور سب سے بڑھ کر انبیائے کرام اور کتبِ الٰہی کے ذریعے حق کو باطل سے بالکل واضح کر دیا۔

”مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ (اے نبی ﷺ) لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو. اللہ بہرحال اسے جانتا ہے. زمین اور آسمانوں کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر پائے گا خواہ اُس نے بھلائی کی ہو یا برائی کی ہو. اس روز انسان یہ تمنا کرے گا کہ کاش یہ دن ابھی اس سے بہت دور ہوتا اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے۔“

(سورۂ آل عمران ۳: ۲۸ تا ۳۰)

اور اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآن میں بھی دنیا کے دار العمل اور آخرت کے دار الجزاء ہونے پر حکم صادر ہوا ہے۔ (۷۲:۱۷) (۳۸:۵۳ تا ۴۲) (۸۸:۲۸) (۱۱۰:۲ - ۲۸۱) (۷:۶ تا ۱۰) (۹۹:۷ - ۸) (۱۹۴:۳) (۹۷:۱۶) (۶۳:۹ تا ۱۱) (۳۲:۱۲ تا ۱۴)

اس کے علاوہ ایک اور اہم نقطہ واضح کیا گیا ہے کہ، ربِ کریم و وہاب سے صرف دنیا ہی کی بھلائی مانگ کر نہ رہ جاؤ بلکہ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں مانگو ضرور پاؤ گے تمہاری فطرت میں بخل ہے۔ لیکن حق تعالیٰ ہرگز بخل نہیں کرتا۔ (النساء ۴: ۱۳۴) دنیا کی زندگی اخروی زندگی کے مقابلے میں محض عارضی سامان ہے اس لئے محض دنیوی زندگی ہی پر قناعت نہ کر بیٹھو بلکہ اُخروی دائمی زندگی کی کامیابی و فلاح کے لئے جدوجہد کرو۔ (الرعد ۲۶:۱۳) اور یہ یاد رکھو کہ اللہ کے مقابلے میں کوئی نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ارشاد ربانی ہے کہ "حق تعالیٰ نے جو رحمت بندوں کے لئے کھول دی اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے روک دیا اسے کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔" (سورۂ فاطر ۳۵:۲) اس کے علاوہ فرمایا "اور اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دے تو اس کے علاوہ تمہیں اس نقصان سے کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ بھلائی سے بہرہ مند کر دے تو وہ قادر ہے وہ اپنے بندوں پر کامل اختیار رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔" (اور اس اختیار کو اپنے علم اور دانائی کے ساتھ ہی بروئے کار لاتا ہے) (سورۂ الانعام ۶:۱۷ - ۱۸) اس کے علاوہ (الشوریٰ ۹:۴۲) (الرعد ۲۶:۱۳) میں بھی یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔

اس کے بعد بنیادی تصورِ حیات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے نہ کوئی اس کے اعمال کی ذمہ داری میں شریک ہے اور نہ ہی اسے ان اعمال کے انجام سے بچا سکتا ہے۔

"ہر شخص جو کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے. کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا. پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے"

(الانعام ۶: ۱۶۴)

یہی حکم قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر ہوا ہے۔ (۱۰۵:۵) (۳۱:۳۳)
(۱۸:۳۵) (۱۷:۷) (۶۰:۳) (۱۶۰:۶) (۱۹:۸۲) (۸۶:۱۰) (۶:۷۰)
(۱۰۹:۴) (۳۰:۴۴ – ۴۵) (۴۱:۴۴) (۱۰:۳) (۳۰:۱۳) (۴۳:۸۶)
(۲۶:۵۳) (۴۸:۷۴) اور پھر ساتھ ہی اس اُخروی فلاح و کامیابی کا گر بھی بتادیا گیا کہ جس کے نائب و خلیفہ ہو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرو۔ فرمان الٰہی ہے۔

"وہ نہایت پرہیز گار جو پاکیزہ ہونے کے لئے اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہوتا جس کا وہ بدلہ دے رہا ہو بلکہ وہ تو صرف اپنے ربِ برتر کی رضاجوئی کے لئے یہ کام کرتا ہے اور اس کا رب ضرور (اُس سے) خوش ہو گا۔"

(اللیل ۹۲:۱۸ تا ۲۱)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات قرآنی بھی ملاحظ ہوں (۶:۱۶۱ تا ۱۶۳)
(۲۲:۱۱) (۱۳:۲۲) (۲:۲۰۷ – ۲۶۲ تا ۲۶۶ – ۲۷۲) (۹:۱۱۱) (۴۷:۲۸)
(۴۸:۲۹) (۳۰:۳۸ – ۳۹) (۷۶:۶ تا ۱۲) (۵۹:۸) (۶۱:۴) (۴:۷۴)
اِس کے ساتھ قرآن حکیم ہم پر یہ وضاحت بھی کرتا ہے کہ تمہاری زندگی کا حکم کردہ نصب العین کائنات کے طبعی حالات سے مکمل ہم آہنگ ہے یعنی اِس غیر محدود سلطنت کا مالک و منتظم ایک خدا ہے اور تمام موجودات اس کی مطیع، تابع اور اس کے آگے سربسجود ہے۔ تم گویا جب اطاعت خداوندی کرتے ہو تو اس کائنات کے نظام میں ایک موزوں پرزے کی طرح فٹ بیٹھ جاتے ہو۔

(۱) "درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (۶) دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے. بڑا بابرکت ہے اللہ. سارے جہانوں کا مالک اور پروردگار۔"

(الاعراف ۷:۵۴)

(۲) ''اللہ تعالیٰ حکومت کر رہا ہے. کوئی اس کے فیصلوں پر نظرثانی کرنے والا نہیں ہے''

(ابراہیم ۱۴:۴۱)

(۳) ''پس بالاو برتر ہے اللہ. بادشاہِ حقیقی. کوئی خدا اس کے سوا نہیں. مالک ہے عرشِ بزرگ کا۔''

(النور ۲۴:۱۱۶)

اس کے علاوہ مندرجہ آیاتِ قرآنی ملاحظہ کریں۔ (۹:۱۱۶) (۱۰:۳ - ۲۶) (۴۳:۳۵) (۵۱:۳۹) (۴۰:۱۲) (۱۲۳:۱۱) (۲۲:۳۱) (۱۳:۲ - ۱۵) (۵:۳۷) (۵۳:۴۲) (۲:۳۵) (۱۹:۳۹) (۵:۵۷) (۸۳:۳) (۴۸:۱۲ - ۴۹) (۴۴:۳۸ تا ۴۰) (۳۸:۳۷) (۲۲:۱۸ - ۷۲) (۳:۱۰۹) (۲:۲۱۰) (۳۰:۲۶ - ۲۷ - ۳۰) اس عالمگیر اور ناقابل تغیر کائنات کے تمام موجودات کی طرح انسان بھی اپنی فطرت کا پابند ہے اور فطرتاً اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔

''یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو. قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے. اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

(الروم ۳۰:۳۰)

انسان پر واضح کر دیا گیا ہے کہ اس فطری و طبیعی نصب العین کو عقل و شعور سے قبول کر کے جب تم اسے اپنے دنیوی نصب العین سے ہم آہنگ کرو گے تو پھر اس کائنات کے تمام کل پرزے اس مقصد کے حصول کے لئے تمہارا ساتھ دیں گے اور تم ان کے سالار اور امام بن جاؤ گے. لیکن شرط یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کی رضا کا تابع ہو جائے۔

''جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً وہ نیک ہو. اس نے فی الواقع ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا. اور سارے معاملات کا آخری فیصلہ اللہ

ہی کے ہاتھ ہے۔"

(لقمان ۳۱:۲۲)

اس کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات (۳:۱۸ - ۱۹) (۴:۱۲۵)

اس حقیقی نصب العین کی خوبی یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کو مقصود بالذات بنائے بغیر وہ انسان کو خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے کو امن و سکون اور اطمینان قلب بالتبع حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

(۱) "جو کوئی اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے. اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا مقام نہیں"

(البقرہ ۲:۱۱۲)

(۲) "ایسے ہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل ہوتا ہے، خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے. پھر جن لوگوں نے ایمان لایا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں اور ان کے لئے اچھا انجام ہے۔"

(الرعد ۱۳:۲۸ - ۲۹)

پھر اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کو دنیوی خوشحالی حاصل ہوتی ہے فرمان الٰہی ہے:-

(۱) "اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

(الاعراف ۷:۹۶)

(۲) "جو شخص بھی نیک عمل کرے گا. خواہ وہ مرد ہو یا عورت. اُسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کروائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین

اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

(النحل ۱۶:۹۶ - ۹۷)

(۳) "اپنے رب سے معافی مانگو. بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے. وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا. تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا. تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لئے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے۔"

(نوح ۷۱:۱۰ تا ۱۳)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مقامات قرآن پر بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا پرستوں کی اس غلط فہمی کو دور کیا ہے کہ خدا پرستی میں دنیوی نقصان ہے۔ (۷:۹۰) (۱۱:۳) (۱۰:۶۳ - ۶۴) (۱۶:۳۰) (۶۶:۵) (۲۸:۵۷ - ۷۷) (۴۳:۳۲) (۷۲:۱۶ - ۱۷)

پھر دنیوی خوش حالی کے ساتھ ساتھ حکومت و فرمانروائی بھی اہل ایمان کے قدموں پر آگرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(۱) "جو کوئی اللہ. اس کے رسول اور اہل ایمان کو رفیق بنائے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت (حزب اللہ) ہی غالب رہنے والی ہے۔"

(المائدہ ۵:۵۶)

(۲) "اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں کہ. انہیں اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا (اقتدار و فرمانروائی دے گا) جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے. ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا. بس وہ میری بندگی و عبادت کریں اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کریں۔"

(النور ۲۴:۵۵)

اس کے علاوہ آیات (۲۱:۱۰۵) (۷:۱۲۸) بھی ملاحظہ کریں۔

لیکن سب سے بڑھ کر یہ بات کہ اُخروی زندگی کی نجات جو انسان کا مطلوبِ حقیقی ہے وہ اس نصب العین کو اپنانے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا سمیت مل جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

(۱) ”تم اس جنت کے وارث اپنے ان اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔“

(الزخرف ۴۳:۷۲)

(۲) ”اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں“

(الفجر ۸۹:۲۷ تا ۳۰)

اس کے علاوہ (۳۹:۷۴) (۱۹:۶۳) (۷:۴۳) بھی ملاحظہ ہوں۔

اللہ جل شانہ، نے اوپر بیان کردہ نصب العین کے تحت اپنے متبعین اور غیر متبعین میں ایک خطِ امتیاز کھینچا ہے، یعنی جو اس نصب العین اور نظام حیات کا اتباع کریں وہ مسلم و مومن ہیں اور انکار کرنے والے کافر و فاسق ہیں۔ اسلام اپنے نصب العین کے مطابق نسل، قوم اور وطن کے امتیازات ختم کر کے اولادِ آدم میں صرف کفر و ایمان کا امتیاز قائم کرتا ہے اور پھر زندگی بسر کرنے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کے امتیازات و حدود قائم کرتا ہے جو ان کا احترام کرتا ہے وہ متقی اور پرہیز گار ہے اور اسلام کی اخلاقیات کا پیرو کار ہے اور جو نہیں کرتا وہ فاسق ہے اور پھر متبعین میں ادنیٰ و اعلیٰ کا معیار پرہیز گاری ہے دولت و ثروت، حسب و نسب، مراتبِ معاشرت اور رنگ و نسل نہیں ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:۔

(۱) ”ہر ایک کے درجے ان کے اعمال کے لحاظ سے ہیں۔“

(الاحقاف ۴۶:۱۹)

(۲) ”لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری قومیں اور

برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ "

(الحجرات ۴۹:۱۳)

اس کے علاوہ (۱۰:۶۲ تا ۶۵) (۱۱:۲۷ - ۲۸) (۲۲:۱۸) (۵۳:۳۲) (۴:۴۹) (۱۷:۷۰)

ان متقین اور فاسقین کا بلحاظ عقائد اور اعمال و انجام موازنہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

(۱) "کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں گے؟ کیا متقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں گے؟

(ص ۳۸:۲۷ - ۲۸)

(۲) "بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لئے جنتوں کی قیام گاہیں ہیں، ضیافت کے طور پر ان کے اعمال کے بدلے میں اور جنہوں نے فسق اختیار کیا ہے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب کبھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو اب اسی آگ کا مزا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ "

(السجدة ۳۲:ع۱۸ تا ۲۰)

اس کے علاوہ (سورۂ مائدہ ۵:۴۶ - ۴۷) بھی ملاحظہ کریں۔

(ب) اسلام انسانی سیرت کی تعمیر ایمان پر کرتا ہے

اسلام کے نظریہ حیات اور مقصدِ حیات کی اس مختصر وضاحت کے بعد یہ سوال ابھرتا

ہے کہ اسلام ان مقاصد و نظریات کے لئے انسان کی سیرت کی تعمیر کس طرح کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا اصول و ضوابط وضع کیے ہیں۔ کیونکہ انسان کا عملی زندگی میں ایک قابل اعتماد نظم و ترتیب اختیار کرنا اس بات پر منحصر ہے کہ اس کی ایک پاکیزہ سیرت ہو اور ایک ذہنی بنیاد ہو جس کو قرآن نے ایمان کا نام دیا ہے یعنی نفس میں کوئی بات بر بنائے تصدیق و یقین اس طرح جمالی جائے کہ کوئی دوسرا نظریہ راہ نہ پاسکے گویا ٹھوس اور مضبوط ایمان اور اعلیٰ پاکیزہ سیرت لازم و ملزوم ہیں۔

اسلام کی ایمانیات (ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب اور ایمان بالیوم الاخر مل کر) ایک ناقابل تحلیل کُل بناتے ہیں جن کو من حیث المجموع تسلیم کرنا ضروری ہے اور ان کو تسلیم کرنے سے انسان کی سیرت میں وسعتِ نظر، عزتِ نفس، انکسار و تخشع، رجائیت و اطمینانِ قلب، صبر و توکل، شجاعت، قناعت و استغناء، اور غلط توقعات کا ابطال پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اخلاق و عمل کی اصلاح و تنظیم ان خطوط پر ہوتی ہے جو خالقِ حقیقی کو پسند ہے۔ تعمیر سیرت کے یہی اصول و ضوابط اور نتائج اس کتاب کا مقصود بیان ہے۔

اخلاقی تعلیمات اسلام کے مفصّل بیان سے پہلے دو بنیادی حقائق یوں ہیں۔ اوّل اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش و امتحان کے لئے بھیجا ہے اور ایک وقت معیّن پر ہر انسان کو ان اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہترین عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی ہے۔"

(الملک ۶۷:۱ - ۲)

اور دوسری بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے مفاد اور بھلے برے کا فیصلہ محض اپنی عقل کی بنا پر نہیں کر سکتا۔ اگر انسان بزعم خود اخلاقی ضوابط وضع کرنے لگے تو انسانی

معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے کیونکہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات و مسائل کے ساتھ ہے اور انسان بسا اوقات نہایت مضربات کو اپنے لئے مفید خیال کرتا ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:۔

"ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

(البقرہ ۲:۲۱۶)

اس کے علاوہ (۴۹:۷) بھی ملاحظہ کر لیں۔

باب دوم

اخلاقی تعلیمات کے اصول و ضوابط اور چند اصولی باتیں

اخلاق کے معنی ہیں وہ اطوار و کردار جو متوازن ہوں اور اس تعریفِ اخلاق میں انسان کا مجموعی کیریکٹر اور سیرت آجاتی ہے۔ اب ہم اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو مندرجہ ذیل Sub-heads (ذیلی عنوانات) کے تحت الگ الگ بیان کرتے ہیں:۔

(ا) اصولی. اعتقادی اور عباداتی (ب) معاشرتی (ج) معاملاتی اور معاشی (د) ذاتی اور انفرادی

(ا) اصولی. اعتقادی اور عباداتی ضوابطِ اخلاق

(۱) انسان کی تمام نسل کے لئے عزت و شرف کا مقام رکھا گیا ہے لیکن انسان اس کو ٹھکرا کر منہ اٹھائے پتہ نہیں کدھر جانا چاہتا ہے۔ (۲۶:۸۱ - ۲۷)

(۲) انسان کے اپنے اعمال کا زنگ اور سیاہ کاریاں ہی انسان کو ضلالت میں مبتلا کرتے ہیں (۱۸:۸۳) (۸:۲۳ - ۲۴) (۴۷:۲۳ - ۲۴)

(۳) جو وقت گزر گیا اور انسان نے اس کا صحیح مصرف نہ کیا تو انسان نے خود ہی اپنا نقصان کر لیا. صحیح مصرف ایمان لانا اور عمل صالح کرنا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس حقیقت پر زمانے کی قسم کھائی ہے۔ (۱۰۳:۱ تا ۳)

(۴) احکامِ الٰہیہ کی پابندی کی بنیاد قرآنِ حکیم نے خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کو قرار دیا ہے۔ (۲:۱۹۷ - ۲۰۳ - ۲۰۶) (۴:۱۲۸ - ۱۳۵) (۵:۸ - ۴۲ - ۹۴ - ۹۶) خوفِ خدا اور عقیدۂ وجوبِ آخرت ہی انسان کے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت کو ایک جیسا کر سکتا ہے کیونکہ جب وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میرا خالق و رب مجھے دیکھ رہا ہے اور ایک روز مجھے ان دنیوی اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اس کے اخلاق و اعمال درست رہتے ہیں۔ یہی آخرت کی اخلاقی ضرورت ہے۔ (۴۰:۵۸ - ۵۹) (۱۰:۴)

(۵) تزکیۂ اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سے اہم ترین تھا۔ (۲:۱۲۹)

(۶) جس نے اللہ کا سہارا پکڑ لیا اس نے ایک مضبوط جائے گرفت تھام لی کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کی قدر دان ہستی ہے۔ (۲:۱۵۲ - ۱۵۸) (۳۱:۲۲)

(۷) اللہ تعالیٰ کی صفت علم و قدرت پر انسان کا ایمان و استحضار انسان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہونے دیتا اور انسان صالح اور کامل بن جاتا ہے۔ (۶:۵۹ - ۶۰)

(۸) "بدی کی راہ فراخ اور اس پر چلنے والے بہت ہیں اور نیکی کی راہ پر چلنے والے بہت تھوڑے ہیں" قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس کی قرآن نے بھی تائید کی ہے۔ (۹۰:۱۰ تا ۱۷)

(۹) انسان عدل و قسط کے شعور و ادراک سے عاری نہیں ہے انسان کی فطرت کا یہی پہلو اس بات کی بدیہی شہادت ہے کہ وہ نیک و بد کو یکساں نہیں سمجھتا اور نہ ہی ان دونوں کے ساتھ ایک معاملہ دیکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ چاہتا ہے کہ اس کا خالق ایک ایسا دن لائے جب نیک اور بد کے ساتھ ان کے دنیوی اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ (۸۳:۲ - ۳) (۳۰:۳۰)

(۱۰) اختلافِ مراتب ہر جگہ ہے اسی طرح اخلاق کے لحاظ سے بھی خالق حقیقی نے اہل ایمان اور انسانوں کو تین درجات میں تقسیم کیا ہے:۔

(i) "ظالم لنفسہٖ" (جو کچھ احکام و ہدایات کی تعمیل سے قاصر رہیں)

(ii) "مقتصد" (نیکی اور بدی کے بین بین لیکن اپنی کمی پر شرمندہ)

(iii) "سابق" (جنہوں نے نیکیوں میں کمال کا درجہ پالیا ہو) (۳۵:۳۱ - ۳۲)

(۱۰ الف) لیکن اللہ کی رضا چاہنے والے اور اللہ کے غضب میں گرفتار برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳:۱۶۲ - ۱۶۳)

(۱۱) انسان کو اپنی ناشکریوں سے کم ہی فائدہ ملتا ہے۔ (۳۹:۸)

(۱۲) جسے اللہ نے بدی سے بچالیا اس پر بڑا رحم ہوا اور یہ ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (۴۰:۹) اور اہل ایمان کے داوں میں اللہ رحم ڈال دیتا ہے۔ (۵۷:۲۷)

(۱۲) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا یہ ہی اصل الاصول ہے۔ (۵۵:۶۰ - ۶۱)

(۱۴) قوتِ ایمانی انسان کو آزمائشوں سے بخوبی نکال لے جاتی ہے۔ (۶۴:۱۱)

(۱۵) نماز انسان میں عمدہ اخلاقی خوبیاں پیدا کرتی ہے اور نماز ذی المعارج میں بیان کردہ اخلاقی فضائل کا مصداق بناتی ہے۔ (۷۰:۲۲ تا ۳۴) (۲۳:ع۷ ۶ تا ۸)

(۱۶) اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان انسان کو ظلم اور کسی نقصان سے بے خوف کر دیتا ہے۔ (۷۲:۱۳)

(۱۷) اسلام کی اصل روح "احسان" ہے یعنی کسی کام کو کمال درجہ خوبی و اخلاص کے ساتھ کرنا (۳۱:۲۲)

(۱۸) انسان کو بہترین اخلاقی فضائل اور صلاحیتوں کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے لیکن کم ہی لوگ ان فطری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (۳۲:۸ - ۹)

(۱۹) اخلاق سے عاری انسانیت کے لئے قرآن ایک حجت ہے۔ (۳۶:۶۹ - ۷۰)

(۲۰) دنیا دار الامتحان ہے دار الجزاء نہیں ہے۔ (۳۹:۵۲)

(۲۱) اقوام کا عزل و نصب اتفاقی نہیں ہے بلکہ اقوامِ عالم کے کردار و اخلاق اور اللہ تعالیٰ کی بےلاگ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ (۳۲:۴۴)

(۲۲) کفر و منافقت کی بنیاد کھوکھلی ہے اسی لئے وہ ہر موہوم خطرے سے دہل جاتے ہیں۔ (۱۳:۶۰) (۲۳:۴۷ - ۲۴) (۲۳:۸ - ۲۴) (۵۴:۶۳) (۷۵:۹ - ۷۶ - ۷۹)

(۲۳) اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں انسان کی اپنی بھلائی مضمر ہے۔ (۸۵:۷)

(۲۴) نیک و بد کا انجام ایک جیسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ (۲۶:۱۰ - ۲۷)

(۲۵) توحید ہی اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے۔ اللہ سے بڑا کوئی نہیں، یہ ہی اعتراف انسان کو اخلاق فاضلہ کے بلند درجات پر فائز و مرام کرتا ہے۔ (۱۷:۲۳ تا ۳۷)

(۲۶) دنیا کی بےوقعتی اور فانی اور وقتی بہار ہونے پر ایک تمثیلِ قرآن (۱۸:۴۵)

(۲۷) انسان کے اپنے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اخلاقی فضیلت ہی میں روحانی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ (۲۳:۶۲ - ۶۳)

(۲۸) دنیا میں ہر طرف پھیلا ہوا عذاب، انسان کی اپنی کرتوتوں کا صلہ ہے۔ (۳۰:۴۱ تا ۴۳)

(۲۹) مشہور معلمِ اخلاق حکیم لقمانؒ کی اخلاقی نصائح (۳۱:۱۳ تا ۱۹)

(۳۰) انسانی کو اس کی کوشش کا پھل ملتا ہے۔ (۵۳:۳۹ - ۴۰)

(۳۱) ایمان، نیک اعمال، خوفِ خدا، خوفِ آخرت، صبر، عبادت اور دیگر صالح اعمال موجب مغفرت و فلاح ہیں۔ (۲۳:۵۷ تا ۶۱) (۱۰۳:۱ تا ۳) (۷۰:۲۶ تا ۳۱) (۳۳:۳۵)

(۳۲) مصائب میں ثابت قدم رہنے والے بہت ہیں لیکن فراخی و خوش حالی پا کر محفوظ رہنے والے کم ہی ہوتے ہیں۔ (۳۴:۱۸)

(۳۳) آخرت میں نفوس کی درجہ بندی اخلاق کے اعتبار سے ہوگی۔ (۲۴:۲۶)

(۳۴) نفسِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے بھلائی و نیکی اور برائی و گمراہی کی واقفیت الہامی و فطری

طور پر ودیعت کر رکھی ہے۔ (۸:۹۱) (۳۹:۱۷) (۳۰:۳۰) (۱۷۴:۷)
(۹:۱۶) (۱:۹۸ - ۲ - ۴) (۱۲:۹۲ - ۱۳) (۱۶۴:۴ - ۱۶۵)
(۱۹:۵) (۲۱۳:۲ - ۲۵۳) (۱۹:۳) (۴۴:۵ تا ۵۰) (۹۳:۱۰)
(۱۳:۴۲ تا ۱۵) (۱۶:۴۵ تا ۱۸) (۱۰:۹۰) (۳:۷۶) اور پھر مزید اتمام
حجت کے لئے علم و حکمت اور ہدایت و تنبیہ کے لئے انبیائے کرام مبعوث
فرمائے۔ (۶۲:۷) (۲۲:۱۲ - ۶۸ - ۱۰۸) (۷۴:۲۱) (۱۴:۲۸)
(۴۳:۱۹) (۱۱۳:۴) (۵۰:۶ - ۵۷ - ۷۵)

(۳۵) جو اچھی بات کہے گا اس کے لئے خیر میں حصہ ہے اور جو بری اور غلط بات کہے گا اس کا اس کے شر میں حصہ ہے۔ (۸۵:۴)

(۳۶) "امت وسط" ہونے کے اخلاقی تقاضے اور ان کی یاد دہانی (۲۳۱:۲)

(۳۷) نیکی و بدی برابر کیونکر ہو سکتی ہے خواہ بدی کتنی ہی خوش نما اور فریفتہ کرنے والی ہو۔ (۱۰۰:۵)

(۳۸) انسان کے قلب و روح کی اصل زندگی اخلاق، سوز و گداز اور محبت میں مضمر ہے۔ (۱۳:۱۹ - ۱۴)

(۳۹) ضلالت و گمراہی سے بچنا انسان کے نفس کی خوبی نہیں، اس کے بزعم خود دعوے نہ کرو بلکہ یہ سراسر اللہ کا فضل و رحمت ہے کیونکہ انسان کا نفس تو اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ (۵۳:۱۲) (۴۹:۴) (۳۲:۵۳)

(۴۰) انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا، اس کو نفس امارہ (۵۳:۱۲) نفس لوامہ (۲:۷۵) اور نفس مطمئنہ (۲۷:۸۹ تا ۳۰) سے نوازا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ راہِ حق واضح کر دی گئی اور عقل و سمجھ عطا کی گئی۔ (۷:۹۱ تا ۱۰) (۲:۷۶ - ۳) (۸:۹۰ تا ۱۰) (۴:۹۵ تا ۶)

مزید وضاحت کے لئے اخلاقی اصول نمبر ۳۴ اور ۴۱ بھی ملاحظہ کریں۔

(۴۱) ہر نفس اپنی ذات میں نفس بالسوٗ ہے (یعنی برے کام کا تقاضا کرنے والا) لیکن

جب انسان خوف خدا و آخرت کے تحت اس کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے اور جب نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے برے کام کا تقاضا و خواہش ختم کر دی جائے تو وہ نفس مطمئن بن جاتا ہے۔ (۱۲:۵۳) (۲:۷۵) (۸۹:۲۷) اور نفسِ مطمئن کو شرح صدر عطا ہوتی ہے۔ (۸۹:۲۷ تا ۳۰) (۳۹:۲۲) (۶:۱۲۵)

(۴۲) حق کی لذت ہی ایسی ہے کہ طالب حق کو پہچاننے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ (۳:۱۹۳) (۵:۸۳)

(۴۳) احترامِ حیات رائج کرنے کے لئے قرآن خوف سزا و تعزیر کے بجائے اخلاقی تعلیم پر زور دیتا ہے۔ (۵:۳۲) (۲۵:۶۸) (۶:۱۵۱)

(۴۴) جہالت کی تین اقسام ہیں۔ (۲:۶۷)

(i) نفس کا علم سے خالی ہونا۔

(ii) ایک بات پر خلافِ حقیقت اعتقاد و ایمان رکھنا۔

(iii) ایسا کام کرنا جو حق کے خلاف ہو۔

(۴۵) ذاتِ رب کی قسم کہ دنیوی اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ (۱۵:۹۲ - ۹۳)

(۴۶) مکارمِ اخلاق کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہے۔ (۱۷:۳۸)

(۴۷) نظام اخلاق اسلامی میں توبہ کی اہمیت مسلمہ ہے سزا اسی قصور پر ہے جو باغیانہ جسارت کے ساتھ کیا جائے۔ جب انسان اپنے کیے پر شرمندہ اور اصلاح کے لئے تیار ہو تو بڑے سے بڑے مجرم کے لئے کسی مایوسی و ناامیدی کا موقع نہیں ہے۔ (۲:۳۷) (۴:۱۱۰)

(۴۸) وہ بھلائیاں اور اخلاقی فضائل جو قرآن انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے (۲:۸۳ تا ۸۵ - ۱۷۷)

(۴۹) اخلاقیاتِ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان عمل جس نیت کے ساتھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ویسا ہی اس کو اجر دیتا ہے۔ (۳:۱۴۵)

(۵۰) اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادۃ ماننے کے اخلاقی نتائج۔ (۱۱:۵ - ۶)

(۵۱) فضائل ورزائل اخلاقی کا باہمی تقابل۔ انسان فضائل و زائل میں سے جو راستہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اسے سہولت دے دیتا ہے۔ (۸۹:۱۵ تا ۳۰) (۹۲:۴ تا ۱۱)

(۵۲) انسان کی سعی و عمل جس طرح اخلاقی نوعیت میں مختلف ہیں اسی طرح نتائج کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔ (۹۲:۱ تا ۱۱)

(۵۳) قرآن کا معیارِ عزت و ذلت کیا ہے؟ (۵۸:۵ - ۲۰ - ۲۱) (۱۸:۳۴) (۶۸:۱۰) (۲۲:۸ - ۹) (۲۶:۱۰ - ۲۷ - ۶۲ تا ۶۵) (۳۷:۱۸۰) (۲:۲۰۶) (۶۳:۸) (۱۰:۶۵) (۴:۱۳۹) (۴۶:۱۹) (۱۱:۲۷ تا ۳۱) (۲۲:۱۸) (۷:۶۹ - ۷۴) (۳:۱۹۲) (۸۹:۱۶) (۳:۴۴) (۴۹:۱۳) (۵۳:۳۲) (۴:۷۹) (۱۷:۷۰)

(۵۴) اہل ایمان کو رُشد (یعنی صراطِ مستقیم) پانے کی صلاحیت دی گئی ہے۔ (۲:۱۸۶) (۲۱:۵۱) (۷۲:۲ - ۱۴ - ۲۱) (۱۸:۲۴ - ۶۶)

(۵۵) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ (۷۴:۳۸) (۵۲:۲۱)

(۵۶) انسانوں کے درمیان ان کی استعداد کے مطابق مراتب رکھے گئے ہیں۔ (۱۷:۵۵ - ۷۰) (۴۵:۱۶) (۷:۱۴۰) (۱۶:۷۱) (۴:۹۵)

(۵۷) مصیبت و آلام اور آزمائشیں انسان کی اپنی کرتوتوں کا صلہ ہیں۔ (۳:۱۶۴) (۴:۶۲ - ۷۸ - ۷۹) (۴۲:۳۰ - ۴۸) (۳۹:۵۱) (۵:۴۹) (۷:۱۰۰) (۱۶:۳۴) (۲۸:۴۷) (۳۰:۳۶ - ۴۱) (۶۴:۱۱) اور قانون و حکمتِ خداوندی کے تحت واقع ہوتے ہیں۔ (۹:۵۱) (۳:۱۶۵) (۱۰:۱۰۷) (۶:۴۲ - ۴۳) (۵۷:۲۲) (۳۳:۱۷) (۲۷:۶۲)

(۵۸) کسی کے کردار کے تعین سے پہلے اس کا پچھلا ریکارڈ دیکھو۔ (۱۰:۱۶)

(۵۹) کوئی انسان منحوس نہیں ہوتا۔ (۷:۱۳۰ - ۱۳۱) (۲۷:۴۷) (۳۶:۱۸ - ۱۹)

(۶۰) نفع و نقصان سراسر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (۱۷:۵۶ - ۶۷) (۳۶:۲۳) (۲۶:۸۳) (۲۲:۱۲ - ۱۳) (۱۰:۱۸) (۱۳:۱۶) (۳۹:۳۸) (۴۸:۱۱) (۲۵:۳) (۶:۱۷) (۱۰:۱۰۷) (۲۷:۶۲)

(۶۱) حیات الدنیا اور حیات الآخرت کا تقابل جو اخلاقیاتِ اسلامی کا بنیادی پتھر ہے۔ (۴۲:۲۰) (۱۰:۲۳) (۱۸:۷) (۲:۸۶) (۲۸:۷۹ تا ۸۱) (۷۹:۳۷ - ۳۸) (۸۷:۱۶ - ۱۷) (۱۴:۳) (۳:۱۳ - ۱۴) (۲۸:۶۱) (۲:۲۱۲) (۱۶:۹۵ - ۹۶ - ۱۰۷ تا ۱۰۹) (۴۰:۳۹) (۲۸:۶۰) (۱۸:۴۵ - ۴۶) (۱۳:۲۶) (۹:۳۸) (۴:۷۷) (۶:۳۱ - ۳۲) (۴۲:۳۶) (۴۳:۳۵) (۴۷:۳۶) (۵۷:۲۰) (۴:۷۴) (۲۱:۱۱۱) (۴۷:۳۵) (۴۳:۸۳) (۲۹:۶۴) (۵۷:۲۰) (۶:۷۰) (۷:۵۱) (۴۵:۳۵) (۳:۱۷۵ - ۱۷۶) (۱۶:۳۶) (۳۵:۳۴) (۵:۵۷ - ۵۸) (۸۹:۲۴) (۲۰:۵۷) (۴۵:۳۲) (۴۰:۲۱ - ۸۲) (۳۰:۴۲) (۱۹:۷۶) (۵۷:۲۰) قرآن حکیم میں دنیا پرستوں کے خیالات کے ابطال کے لئے دنیا اور آخرت کا تقابل کر کے جگہ جگہ دنیا کی بے مائگی واضح کی گئی ہے کیونکہ قرآن کے بیان کردہ اسباب ضلالت اور گمراہی میں سب سے بڑا سببِ گمراہی و ضلالت یہی ہے کہ انسان دنیا ہی کو اصل زندگی سمجھ کر صرف اس کو کمانے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور یہ غلط تصور دنیا انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔

(۶۲) انسان دکھ و تکلیف اور راحت و شادمانی ہر حال میں ایک آزمائش اور امتحان سے دوچار ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (۳۹:۴۹) (۳:۱۸۶)

(۶۳) اللہ تعالیٰ انسان کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے آسانی چاہتا ہے اور انسان کو اس کی حیثیت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ (۲:۱۷۸ - ۱۸۵ - ۲۲۰ - ۲۸۶)

(۲۸:۴) (۶۵:۷) (۶۲:۲۳) (۶:۵) (۷۸:۲۲) (۱۵۳:۶)
(۴۲:۷)

(۶۴) امانت میں خیانت چھپ نہیں سکتی، روز قیامت ظاہر ہو کر رہے گی۔
(۱۶۱:۳)

(۶۵) مصیبت و آزمائش میں انسان کا اقرارِ حال و حقیقت ہی توحید کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (۱۶:۵۳ تا ۵۶)

(۶۶) اخلاقیاتِ اسلام کا زریں اصول یہ ہے کہ جینا مرنا صرف اللہ کے لئے ہو۔
(۶:۱۶۳ - ۱۶۴)

(۶۷) اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں اہلِ ایمان بہترین اور کفار بدترین مخلوق ہیں۔
(۹۸:۶ - ۷)

(۶۸) ظلم کا بدلہ ظلم سے دینا اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ (۵:۲)

(۶۹) اخلاقِ فاضلہ پانے کی قرآنی ترکیب (Drill) ۔ یہ اقدامات کر لئے جائیں تو فلاح و کامیابی یقینی ہے اور دنیا و آخرت میں وراثت مل کر رہتی ہے۔ (۲۳:۱ تا ۱۱)

(۷۰) رفع ظلم و اختلاف کے لئے وحیِ الٰہیہ کی ضرورت مسلّم ہے۔ (۱۶:۶۱ تا ۶۵)

(۷۱) امام التفسیر ابن کثیرؒ نے مندرجہ آیات کو اخلاق فاضلہ کا جامع بیان و تلقین قرار دیا ہے اور ہر آیت کے بعد اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ یعنی غیر اخلاقی افعال شیطان کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ (۴۱:۳۴ تا ۳۶) (۷:۱۹۹ تا ۲۰۲) (۲۳:۹۶ - ۹۷)

(۷۲) انکارِ آخرت اعمال و اخلاق انسانی میں فساد پیدا کرتا ہے۔ (۹:۴۴ - ۴۵) (۷:۴۵) (۱۱:۱۹ تا ۲۱) (۷:۱۴۷) (۶:۱۱۴ - ۱۵۱) (۵۸:۲۲) (۲:۲۴) (۱۶:۲۲ تا ۲۹ - ۳۹ - ۶۰ - ۱۰۶ - ۱۰۷) (۱۷:۱۰) (۳۴:۸ - ۲۰ - ۲۱) (۲۳:۷۴) (۲۷:۴ - ۵ - ۶۶) (۳۹:۴۵)

(۷:۴۱) (۲۷:۵۳) (۷۶:۱ تا ۴)

(۷۳) دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے میدان عمل ہر ایک کے لئے کھول رکھا ہے۔ جو چاہے اور جیسا چاہے عمل کرے اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہا ہے۔ (۲۴:۱۵) (۳۷:۷۴) (۱۷:۱۸ تا ۲۰)

(۷۴) نیک و طیب عمل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھتا ہے۔ (۳۵:۱۰)

(۷۵) اعمالِ حُسنہ کا بدلہ ہی خیر اور بہتر ہے۔ (۲:۱۰۳ - ۱۴۹ - ۲۶۹) (۳:۱۹۷) (۲۸:۸۰) (۲۳:۷۲) (۱۹:۷۶) (۱۸:۴۶) (۵:۴۸) (۱۱:۸۶) (۴۳:۲۰)

(۷۶) ہماری بھلائی اور بہتری کس بات میں ہے ہم نہیں جان سکتے۔ اسی لئے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر چلنا چاہئے۔ وہی بہتر جانتے ہیں کہ ہماری بھلائی کس بات میں ہے۔ (۲:۲۱۶) (۴:۱۹)

(۷۷) انسان نہایت بے وقوفی کرتا ہے کہ اللہ کے بجائے غیر اللہ طاقتوں سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ (۵۹:۱۳)

(۷۸ الف) نیکی میں اصل اہمیت اس شعور کی ہے کہ اللہ ہماری کار گزاری دیکھ رہا ہے۔ (۲:۲۱۵ - ۲۲۰)

(۷۸) اللہ اور آخرت کی امید رکھنے والوں کو اسوۂ حسنہ اختیار کرنا چاہئے۔ (۶۰:۶)

(ب) معاشرتی اصول و ضوابط اخلاق

(۷۹) اس اصول اخلاق کو میں سب سے بنیادی اصولِ اخلاق سمجھتا ہوں اور اگر انسان صرف ایک یہ اصول ہی اپنا لے تو انسان کی خانگی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور تمدنی زندگی سے ہر قسم کا فساد ختم ہو سکتا ہے۔ وہ اصول یوں ہے کہ کسی بھی انسان کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہوئے صرف ایک بات سوچ لو کہ اگر تم اس شخص کی جگہ ہوتے تو تم کیا معاملہ و سلوک متوقع رکھتے، جو سلوک تم چاہتے وہی اس سے

کرو، کبھی بھی حقوق العباد کی پامالی نہ ہو گی۔ ارشاد رب یوں ہے۔

"لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے پس چاہیئے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔"

(النساء ۴:۹)

(۸۰) حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اصل میں تقوی اللہ ہے اور ان کی ادائیگی سے روکنے والی چیز جھوٹی شیخی اور انفتہ ہے۔ اخلاقِ انسانی کے کمال کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی برائی کے خیال کو دل سے نکال دے۔ (۲:۲۰۶)

(۸۱) برّ یعنی نیکی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے۔ (۲:۱۷۷)

(۸۲) انسانی مساوات کی ایک جامع تعلیم کہ اسلامی نظم جماعت میں کوئی شخص کسی کو کم تر اور رذیل نہ سمجھے اور اپنے نسب و خاندان اور مال و دولت پر فخر نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں ہرگز باعث تفاخر نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز طواف سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ "شکر ہے اللہ کا جس نے فخرِ جاہلیت اور اس کے تکبّر کو تم سے دور کیا اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی جو اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہیں اور دوسرے فاجر و شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہیں اور اس کے بعد آپ نے آیت (۴۹:۱۳) تلاوت فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ جن کی قرآن فہمی اور تدبر قرآن پر حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسولؐ کو بھی بڑا ناز تھا فرماتے ہیں۔ "دنیا پرستوں کے نزدیک دنیا کے مال و دولت میں عزت ہے لیکن اللہ کے نزدیک صرف تقویٰ ہے۔"

(۸۳) انسان کی قبیلوں اور قوموں میں تقسیم محض امتیاز و شناخت کے لئے ہے اصل معیار

عزت و شرف صرف اخلاق اور تقویٰ ہے۔ (۱۳:۴۹)

(۸۴) اقوام عالم کی اخلاقی برائیاں جو موجبِ عذاب بن گئیں۔ (۲۷:۵۴ تا ۲۹
(۱۴۶:۲۶ تا ۱۵۸ - ۱۶۶ - ۱۶۸۷ - ۱۷۶ تا ۱۸۳)

(۸۵) سب اہل ایمان بھائی بھائی ہیں اور بھائی قوتِ بازو ہوتا ہے۔ (۱۰۲:۳ - ۱۰۳) (۱۰:۵۹) (۴۷:۱۵) (۱۱:۹) (۵:۳۳) (۳۴:۲۸ - ۳۵) (۱۰:۴۹)

(۸۶) انسان عدل کے شعور و تصور اور اس کے وجوب کے شعور سے ہرگز عاری نہیں ہے۔ نیز وہ جانتا ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے لیکن انکارِ آخرت ہی عدل سے محبت کے اس شعور کو دبا دیتا ہے۔ (۲:۸۳ - ۳)

(۸۷) جب ایک شخص ایمان دار اور پاکیزہ سیرت رکھتا ہے تو ایسے فرد کی محبت و عزت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اور ہر ایک اس پر بھروسہ کرتا ہے۔ (۹۷:۱۶) (۶:۱۹) (۲۷:۱۴)

(۸۸) معاشرے کی برائیوں سے لاتعلق نہ ہو رہو، اپنے امکان اور صلاحیت کے مطابق اصلاح کی کوششیں کرتے رہو۔ کسی اخلاقی برائی کے نتائج صرف بالفعل ملوث افراد ہی پر نہیں ہوتے بلکہ خاموش اور راضی رہنے والوں پر بھی ہوتے ہیں۔ (۲۵.۸)

(۸۹) دنیا میں جو آج کمزوروں پر زور کرتے ہیں اور اپنے ساتھ معصیت اور بداخلاقی میں انہیں بھی گھسیٹتے پھرتے ہیں، قیامت کو اس برائی سے دست کش ہونا چاہیں گے۔ (۲۱:۱۴)

(۹۰) پڑھے لکھے شخص کی اخلاقی ذمہ داری کیا ہے؟ (۲۸۲:۲)

(۹۱) انسانوں کے بلحاظِ اخلاق مختلف اخلاقی درجات ہیں۔ (۱۹:۹ - ۲۰) (۷۵:۲۰) (۹۵:۴) (۲:۸ تا ۴) (۱۶۱:۳ - ۱۶۲) (۲:۱۰)

(۱۰:۵۷)

(۹۲) اسلامی معاشرے میں اخلاقی حقوق کا وسیع تصور (۱۷:۲۱ تا ۳۸)

(۹۳) اللہ تعالیٰ کسی انسان کی کسی قسم کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا۔ (۲:۱۹۹)

(۹۴) انسانی معاشرے کی اخلاقی حالت پر قرآن کا تبصرہ۔ (۸۹:۱۵ تا ۳۰)

(۹۵) مخلوق خدا سے حُسنِ سلوک کی بنیاد یہ ہے کہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں اور ایک ہی انسان کی اولاد ہیں۔ (۴:۳۵ - ۳۶)

(۹۶) حفاظتِ عصمت کا تقاضا مرد اور عورت کے لئے یکساں ہے۔ (۳۳:۳۵) (۲۴:۳۰ - ۳۱)

(۹۷) کسی کے ایمان پر فیصلہ کرنے کی جسارت نہ کرو، بلکہ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو اور وہ اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں، اس لئے اپنے اعمال کی فکر کرو۔ (۲:۱۳۴) یہ اصولِ اخلاق بھی بہت اہم ہے۔ ہمارے مسلم معاشروں میں فتنہ تکفیر اور فرقہ بندی بھی ایک نہایت پیچیدہ اور مذموم فتنہ ہے۔ ہر ایک شخص اپنے کو چھوڑ کر دوسروں کی ایمان کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ہر ایک کے کردار میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کیڑے نکالے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "خلافت و ملوکیت" سے امام ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ قابل توجہ ہے۔

ایک مرتبہ خوارج (وہ فرقہ جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہر گناہ گار کافر ہے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہو گا) اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان گناہ اور کفر کے فرق پر مناظرہ ہوا۔ خارجیوں کی ایک بڑی جماعت ان کے پاس آئی اور سوال کیا کہ مسجد کے دروازے پر دو جنازے ہیں۔ ایک ایسے شرابی کا ہے جو شراب پیتے پیتے مر گیا اور دوسرا ایک ایسی عورت کا ہے جو زنا سے حاملہ ہوئی اور شرم کے مارے خودکشی کر کے مر گئی۔ امام ابو حنیفہؒ نے سوال کیا کہ یہ دونوں کس ملت سے تھے؟ کیا یہودی تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا عیسائی تھے؟ کہا گیا نہیں۔ پوچھا مجوسی تھے؟ وہ بولے نہیں۔ امامؒ نے پوچھا

آخر کس ملت سے تھے؟ انہوں نے جواب دیا اس ملت سے جو کلمہ اسلام کی شہادت دیتی ہے۔ امام نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ، یہ (کلمۂ اسلام کی) شہادت ایمان کا ۱/۳ ہے ۱/۴ ہے یا ۱/۵؟ وہ بولے ایمان کا تہائی چوتھائی نہیں ہوتا۔ امامؒ نے پھر سوال کیا کہ آخر کلمۂ اسلام کی شہادت کو تم ایمان کا کتنا حصہ کہتے ہو؟ وہ بولے پورا ایمان۔ اس پر امامؒ نے فوراً کہا کہ جب تم خود انہیں مومن کہہ رہے ہو تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ خارجی کہنے لگے ہم یہ پوچھتے ہیں وہ دوزخی ہیں یا جنتی ہیں؟ امامؒ نے کہا کہ اچھا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بدتر گناہ گاروں کے متعلق کہا تھا "خدایا جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو آپ غفور و رحیم ہیں" (ابراہیم آیت ۳۶) اور جو اللہ تعالیٰ کے ایک اور نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے بھی زیادہ بڑے گناہ گاروں کے متعلق کہا تھا کہ "اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف فرما دیں تو آپ زبردست اور دانا ہیں" (المائدہ: ۱۱۸) اور جو اللہ کے تیسرے نبی نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "ان لوگوں کا حساب لینا تو میرے رب کا کام ہے، کاش تم سمجھو، اور میں مومنوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں" (الشعراء: ۱۱۳ - ۱۱۴) اس جواب کو سن کر ان خارجیوں کو اپنے خیالات کی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔

(خلافت و ملوکیت صفحات ۲۳۴ - ۲۳۵)

حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت نوحؑ علیہم السلام کا طرز عمل تو آپ نے پڑھ لیا ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کفار طائف کے بارے میں کچھ ایسا ہی تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلام پیش کی تو ان کے سرداروں نے لچے لفنگے آپؐ کے پیچھے ہشکار دیئے اور انہوں نے تاک تاک کر آپؐ کے ٹخنوں پر پتھر مارے۔ آپؐ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ اس حال میں مضافات طائف میں ایک باغ کے سائے میں آپؐ کا دل بھر آیا اور آپؐ نے ایک نہایت رقت آمیز دعا کی کہ "اے میرے رب! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی بھی سلوک کی پرواہ نہیں

ہے۔" اس مرحلے پر حضرت جبرائیل پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "اے محمدؐ! جو آپؐ نے پیش کیا اور جو جواب آپؐ کو ملا آپؐ کے رب نے سب دیکھ لیا۔ یہ پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے جو چاہے حکم دیجئے۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا تو پہاڑوں کا فرشتہ بولا حکم دیجئے تو یہ پہاڑ اٹھا کر مکہ و طائف کی آبادیوں کو ڈھانک دوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا نہیں نہیں بالکل نہیں۔ انشاء اللہ ان کی اولاد میں سے نیک لوگ پیدا ہوں گے۔ یہ نادان ہیں، سمجھتے نہیں، مجھے کوئی شکایت نہیں، مجھے معلوم ہو گیا کہ میرا رب میرے ساتھ ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ میرے لئے یہ ہی سہارا بہت ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ سب کچھ مفاد مشرکین کے بارے میں کہا تھا اور ہم ہیں کہ اچھے بھلے مسلمانوں کو کافر و فاسق بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جبکہ درست طرز عمل یہ ہو گا کہ ایسے گناہ گار مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جائے اور ان کی اصلاح کر کے انہیں گناہ گاری کی حالت سے نکال لیا جائے چہ جائے کہ تکفیر و ملامت کر کے ان میں ضد پیدا کی جائے۔

(ج) معاملاتی اور معاشی ضوابطِ اخلاق

(۹۸) حُبِ مال و دنیا کو لگام دینے کے لئے نماز و صبر سے مدد لیا کرو۔ (۲:۴۳ تا ۴۶ - ۱۷۷)

(۹۹) انسان کی مال و دولت نہیں بلکہ ایمانِ صالح اُسے اللہ سے قریب کرتا ہے۔ (۳۴:۳۷)

(۱۰۰) خواہ امیر ہو یا غریب حق و عدل کے ترازو میں ایک ہی وزن رکھتا ہے۔ (۴:۱۳۵) (۶:۵۳)

(۱۰۱) کسی کو معاشی فراخی اور خوش حالی حاصل ہو تو اسے شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ ایسے حالات میں ہمیشگی کا وعدہ کسی سے نہیں کیا گیا۔ (۶۸:۳۵ تا ۴۱)

(۱۰۲) اہل ایمان اور کفار کے کردار کا تنگی و فراخی میں موازنہ ان کے اخلاقی مراتب کا

فرق صاف ظاہر کر دیتا ہے۔ (۱۱:۹ تا ۱۹)

(۱۰۳) جو شخص اپنے اعمالِ خیر سے محض دنیوی منفعت چاہتا ہے اس کے اعمال کی جزا دنیا ہی میں بھگتا دی جاتی ہے اور کوئی کمی نہیں کی جاتی لیکن آخرت میں اس کے لئے صرف عذاب ہے۔ (۱۱:۱۵ - ۱۶)

(۱۰۴) دنیا کے مالِ کثیر کو قرآن نے شر نہیں خیر کہا ہے۔ (۲:۱۸۰) (۱۱:۸۴)

(۱۰۵) انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر غریب لوگ سب سے پہلے لبیک کہتے رہے ہیں اور امیر لوگ اولین مخالف ہوتے ہیں۔ (۲۶:۱۱۱ تا ۱۱۵) (۱۸:۲۸) (۶:۵۲) (۹:۷۹) (۲:۲۱۲) (۲۶:۳۴ - ۱۲۸ تا ۱۳۰ - ۱۴۶ تا ۱۵۰ - ۲۱۵) (۶:۱۲۴) (۱۱:۲۹ تا ۳۸) (۴۳:۲۹ تا ۳۲ - ۵۱ تا ۵۴) (۲۳:۶۴ تا ۶۶) (۱۰۴:۲ تا ۷) (۷۰:۱۷ - ۱۸) (۸۹:۱۷ - ۱۸) (۲۸:۷۶ تا ۷۸) (۹۲:۸) (۹۶:۷)

(د) ذاتی اور انفرادی ضوابطِ اخلاق

(۱۰۶) قولِ سدید (وہ قول جو سچا ہو، جس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہو، صواب ہو، جس میں خطاء کی رمق تک نہ ہو، ہزل یعنی مذاق اور دل لگی نہ ہو، نرم کلام ہو اور دلخراش نہ ہو) اختیار کرنے والوں کے کام اللہ درست کرے گا۔ ان کے گناہ معاف کر کے ان کی مغفرت کر دے گا اور وہ بڑی کامیابی اور مراد پانے والے ہوں گے۔ (۳۳:۷۰ - ۷۱)

(۱۰۷) اللہ کے احسانات و انعامات کو یاد رکھو اور آزمائشوں اور تکلیفوں کا چرچا نہ کرو حضرت یوسفؑ کا طرز عمل ہی دیکھ لو کہ صرف اللہ کے احسانات ہی کا ذکر کیا اور اپنی تکالیف کا ذکر تک نہ کیا۔ (۱۲:۹۰ - ۱۰۰)

(۱۰۸) اخلاق میں "اپنی اپنی کمائی" کا زریں اصول۔ (۲:۲۸۶)

(۱۰۹) قرآن کا فلسفۂ اخلاق پر انسان کے نفس سے استدلال (۹۱:۱ تا ۱۰)

(۱۱۰) نفس، انسان کو برائی ہی پر اکساتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہو۔ (۱۲:۵۳)

(۱۱۱) خدا ترسی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ وہ کسوٹی بہم پہنچائے گا جو برائیوں کو دور کر دے گی اور اللہ کا مغفرت و فضل حاصل ہو گا۔ (۸:۲۹)

باب سوم

بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی اخلاقی حالت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ قدسی کے وقت کی دنیا میں ذیل کی قومیں تھیں۔ مجوسی فارس، عیسائی روم، ہندو تہذیب، یہودی اور عرب۔ اگرچہ قرآن میں ہمیں صرف عیسائی، یہودی اور عربوں کے حالات ملتے ہیں لیکن ہم مختصراً مجوسی، فارسی اور ہندو تہذیب کے متعلق بھی دیگر تاریخی ذرائع سے کچھ معلومات بہم پہنچائیں گے۔

بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی اخلاقی حالت جب ہمارے سامنے ہو گی تو ہم اس اخلاقی انقلاب کی خوبیوں کو بہتر طور پر محسوس (Appreciate) کر سکیں گے جو تاریخِ انسانی کے تاریک ترین دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا، جس کے لئے آپ بجا طور پر محسنِ انسانیت کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپ کے برپا کردہ انقلاب نے نہ صرف اس تاریک دور کے انسان کو بدل ڈالا بلکہ ایسے زریں اخلاقی اصول دیئے اور فضائل اخلاق اور رزائل اخلاق اس طرح واضح کیے کہ انسانی تہذیب و تمدن کا ایک ایک گوشہ اس فطری انقلاب کے ذریعے معراجِ انسانیت پا گیا اور رہتی دنیا تک انسانیت جب بھی ان آفاقی اصولوں کو اپنائے گی گویا جنت الفردوس زمین پر اتر آئے گی اور جب بھی ان زرّیں اصولوں کو پس پشت ڈالے گی تو یہ دنیا اور اس کی تہذیب و تمدن فساد سے بھر جائے گی۔ آپ ان اخلاقی اصول و ضوابط، فضائل اخلاق اور رزائل اخلاق کو بار بار ملاحظہ کریں۔ آپ کا دل گواہی

دے گا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کا خصوصاً اور دنیا کی اخلاقی تباہی کا عموماً۔ وہی علاج ہے جو آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا اور جس کے ذریعے ۲۳ سال کے اندر اُجڈ قوم کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا کہ اگلے ۳۰ سال کے اندر وہ دنیا کی سب سے بڑی قوت بن گئی۔ اگرچہ بعد میں مسلمانوں کی سیاسی ہیئت میں چند ایسی بنیادی خرابیاں در آئیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے وہ اعلیٰ و عرفہ (Ideal) مقام برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ سیاسی تعلیماتِ قرآن پر عمل چھوڑ دیا گیا لیکن اس اعراض کا دوسرے شعبہ ہائے زندگی پر برا اثر پڑتے پڑتے بھی کئی صدیاں گزر گئیں اور یہ صرف ان آفاقی اصول و ضوابط اخلاق کی وجہ سے تھا جن کا معترف تاریخ انسانی کا ہر طالب علم ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہم مسلمان تو ان آفاقی اخلاقی ضوابط سے آزاد ہوتے گئے لیکن یورپ نے مسلمانوں کے یہ اصول و ضوابط اپنانے شروع کر دیئے اور ان آفاقی ضوابط نے ان کے معاشروں میں بھی وہی انقلابی معجزے پیدا کیے جو وہ خاص طور پر دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ میں دکھا چکے تھے۔ ان آفاقی اصول و ضوابط کا حال کسی بھی (Physical Law of Nature) طبیعی قانون جیسا ہی ہے، آگ میں جو ہاتھ ڈالے گا وہ جلے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی ہو یا یہودی۔ اسی طرح جو کوئی بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ان الہامی و آفاقی اخلاقی اصول و ضوابط پر عمل کرے گا اس کے فوائد و برکات کے نزول سے ضرور بہرہ مند ہو گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح پودہ موزوں آب و ہوا میں زیادہ پھلتا پھولتا ہے اسی طرح اگر ہم مسلمان ان اصول و ضوابط اخلاق پر عمل کریں گے جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، تو ہم ان کی برکات و فوائد سے زیادہ بہرہ مند ہوں گے۔ کیونکہ اسلام کے نظامِ حیات کے دیگر شعبوں (سیاسی، معاشی، معاشرتی وغیرہ) کے ساتھ جب ہم اسلامی اخلاق پر عامل ہوں گے تو انسانی تمدن و تہذیب کا پودہ زیادہ پھلے پھولے گا۔ اگر یہ آفاقی والہامی اصول اخلاقِ یورپ کی بے دین سوسائٹی میں حیرت انگیز فوائد پیدا کر سکتے ہیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہو گی کہ ہم مسلمان اپنے محسن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ اخلاقی اصولوں کو بھول جائیں اور دوسری قومیں ان پر عمل کر

کے ان کے فوائد سے اپنے اپنے معاشروں کو دنیوی جنت بنا ڈالیں۔ یہ بات کچھ وضاحت چاہتی ہے کہ یورپ اور مغربی دنیا کی مضر اور غیر موزوں حالات میں بھی اگر اسلام کے اخلاقی اصول و ضوابط اچھے نتائج دکھا سکتے ہیں (حالانکہ نہ معاشی فرامین اسلام رو بعمل تھے اور نہ ہی معاشرتی و سیاسی احکام اسلام کی اہم پیش منظر (Back ground) موجود تھی) تو ایک مکمل اسلامی نظام جس میں ان اخلاقی ضوابط کو اسلام کی سیاسی تعلیمات کے تحت قائم ہونے والی حکومت کی قوت قاہرہ بھی حاصل ہو گی اور اسلام کی معاشی، معاشرتی تعلیمات پر عامل اسلامی معاشرہ ان اخلاقی اصولوں پر عمل کرے گا تو بہترین نتائج ظاہر ہوں گے۔ ان نتائج سے بدرجہ بہتر جو یہ اخلاقی اصول مغرب جیسے غیر موزوں ماحول میں دکھا چکے ہیں اور اب بھی دکھا رہے ہیں۔ اخلاقی تعلیماتِ قرآن حقوق العباد کا مکمل احاطہ کرتی ہیں اور یہ بات ہمیں ماننی چاہئے کہ مغرب والے حقوق العباد کے ہم مسلمانوں سے زیادہ پابند ہیں۔

ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت

۶۱۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کا ظہور ہوا تو اہم طاقتیں دو ہی تھیں ایک فارس اور دوسری روم۔ فارس والوں کا مذہب مجوسیّت تھا اور ان کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ جب کہ روم کا مذہب عیسائیت تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تین براعظموں کو گھیرے ہوئے تھا۔ لیکن مذہبی اعتبار سے ہندو اور یہودی بھی قابل ذکر اقوام تھیں۔

(۱) مجوسِ فارس

فارس میں بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی عیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر جس کے خمیر سے کسی قوم کی تعمیر ہوتی ہے۔ بالکل فنا کر کے رکھ دیا تھا۔

باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو زوجیت میں لینا وہاں غیر معمولی بات نہ تھی۔

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے، جن کو سجدے کیے جاتے تھے اور کوئی ان کے خلاف لب کشائی کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ان کے جرائم پر انہیں سزا نہیں دی جاتی تھی اور رعایا ان امراء اور سلاطین کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔

۵۳۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی۔ ایرانیوں میں اس کی عدل پرستی ابھی تک مشہور ہے، مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں، افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل پر حاصل ہوا جو کشمکش اقتدار میں اس نے بے دریغ کیے تھے۔ مجوسی فارس کی اخلاقی حالت کے اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مجوسی فارس دنیا کو کسی قسم کی اخلاقی لیڈر شپ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، جبکہ ان کا اپنا معاشرہ سخت اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھا۔ خاص طور پر ان حالات میں جب انہیں کسی الہامی کتاب سے تعلق بھی حاصل نہ تھا۔ ان کے اخلاقی اصول کوئی نہ تھے بس "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا اصول چلتا تھا۔ بادشاہ، سلاطین، امراء اپنے اپنے دائرہ اختیار میں من پسند اخلاقیات رائج کرتے تھے اور ان کے اپنے تیار کردہ اصولوں پر خود ان کے عامل ہونے کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ اصول پسے ہوئے کمزور طبقات کے لئے تھے۔

(۲) عیسائی روم اور عیسائیت

عیسائی روم اور عیسائیت کے حالات بھی نہایت برے تھے۔ امراء اپنے ناجائز مصارف کا بار عوام پر ڈالتے تھے جس کے باعث وہ اپنی نہایت قلیل آمدنیوں سے بھی محروم کر دیئے جاتے تھے اور محصول کی عدم ادائیگی پر عوام اس قدر ظلم سہتی تھی کہ ان کے دلوں میں حکومت سے سخت نفرت اور حقارت پیدا ہو گئی تھی۔ امراء اور اعیان سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لئے ہر طرح کے جعل و فریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائز سمجھتے تھے۔ بقول گبن (مشہور تاریخ دان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت چھٹی صدی عیسوی کے خاتمے پر عیسائی روم تنزل و زوال کے پست ترین نقطے پر پہنچ چکا تھا۔ ہم خود اپنے بچپن میں روم میں ہونے والے کھیلوں کی داستانیں پڑھتے رہے ہیں جو اصل

میں بغاوت پر آمادہ عوام کا دھیان بٹانے کا ایک ذریعہ تھا۔

سلاطین اور حاملین مذہب کے اخلاق کا اثر عام رعایا پر ضرور پڑتا ہے لہٰذا بد اخلاقی، اسراف، ہوس پرستی جیسی عادات بد مسیحی معاشرہ میں سرایت کر گئی تھیں۔ لوگ ہر طرح کے ناجائز ذرائع سے دولت کماتے تھے اور کمالِ بے دردی سے اپنے مسرفانہ لہو و لعب اور عیاشیوں میں اڑا دیتے تھے۔

پوپوں اور مذہبی عہدہ داروں کی اخلاقی حالت بھی نہایت بری تھی اور انہوں نے نام نہاد ٹھیکیدارانِ مذہب کا روپ اختیار کر کے سلاطین اور امراء کی طرح عوام کے حقوق غصب کرنا شروع کر دیئے تھے اور ساتھ ساتھ وہ سلاطین و امراء کو غصبِ حقوق کے نام نہاد سرٹیفکیٹ بھی دیتے تھے اور جواباً انہیں "خدائی" کے نام نہاد اختیارات دے دیئے گئے تھے۔ وہ کھلم کھلا اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے عیسائی اور یہودی پاپائیت پر مشترکہ تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا تھا۔"

(۳۱:۹)

قرآن حکیم نے تاریخ عیسائیت پر بہت (Detailed) وضاحت سے تبصرہ کیا ہے اور قرآن حکیم کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی مذمت کم کی گئی ہے اور یہودیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کو بہتر کہا گیا ہے اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عیسائی بھی یہودیوں کے مقابلے میں اسلام کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لئے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا ہم نصاریٰ ہیں (یعنی عیسائی)۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدّنیا فقیر و درویش پائے جاتے ہیں اور ان میں غرورِ نفس نہیں ہے......"

(المائدہ ۵: ۸۲ تا ۸۵)

اس کے علاوہ (القصص ۲۸: ۵۲ تا ۵۵) اور (آل عمران ۳: ۱۱۳ تا ۱۱۵) بھی ملاحظہ ہو۔ ان آیات میں بھی عیسائی علماء اور عوام کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ روم (۳۰: ۲ - ۳) سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کس طرح عیسائی روم پر مجوسی ایران کی فتح پر یہود اور مشرکین مکہ خوش تھے اور مسلمان دل آزردہ تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں خوش خبری دیتا ہے کہ رومی عیسائی دوبارہ فتح پائیں گے اور جلد ہی سال بدر ۶۲۴ء میں مسلمانوں کو دو خوشیاں نصیب ہوئیں ایک جنگ بدر میں فتح کی اور دوسری فارس کے مجوسیوں پر عیسائی رومیوں کی فتح۔ اِس کے علاوہ حبش کے عیسائی حکمران نے جس طرح ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور قریش جن کے ساتھ ان کے تاریخی اور تجارتی تعلقات تھے کے مطالبے کو ٹھکرا دیا تھا، اس کی وجہ سے مسلمان عیسائیوں کے لئے ایک نہایت نرم گوشہ رکھتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک نئے نبی کی آمد سے پہلے اس سے سابقہ نبی کو ماننے والے اصولاً مسلمان ہی کی تعریف میں آتے ہیں۔ جب تک انہیں نئے نبی کی دعوت نہ پہنچے اور وہ اس کا انکار نہ کریں۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو چکے تھے۔

لیکن اس نرم گوشے کے باوجود قرآن حکیم نے عیسائیت کی برائیوں کو آشکار کیا ہے کیونکہ اصل مقصد اصلاحِ انسانیت تھا جس کے لئے حاضر برائیوں کا قلع قمع کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے اور مداہنت و منافقت کی توقع اسلام کے داعی سے نہیں کی جا سکتی کہ عیسائیت کی خدمات اور نرم گوشے کی وجہ سے یہودیت کی طرح عیسائیت کو بےنقاب نہ کریں گے۔

عیسائیوں نے رہبانیت (مسلکِ خوف زدگان یا مسلک خوف زدگی) خود ایجاد کی۔ ان پر رہبانیت ہرگز فرض نہ کی گئی تھی۔ یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے خود ہی شروع کی تھی اور اس پابندی کے جو حقوق تھے انہوں نے وہ بھی ادا نہیں کئے۔ (۵۷: ۲۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دو سال تک عیسائی کلیسا رہبانیّت سے

بالکل ناآشنا تھی لیکن رہبانیت کے جراثیم ان میں پائے ضرور جاتے تھے۔ ترک و تجرید کو اخلاقی آئیڈیل قرار دینا اور درویشانہ زندگی کو شادی بیاہ اور دنیوی کاروبار کے مقابلے میں اعلیٰ و افضل سمجھنا ہی رہبانیت کی بنیاد ہے۔ یہ دونوں چیزیں عیسائیت میں حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد داخل ہو گئیں تھیں اور تیسری صدی تک پہنچتے پہنچتے انہوں نے ایک فتنے کی صورت اختیار کر لی اور رہبانیت ایک وبا کی طرح عیسائیت میں پھیل گئی۔ رہبانیّت کا آغاز و دخول عیسائیت میں مصر سے ہوا اس فتنہ کا بانی St. Anthony تھا جو ۲۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۵۰ء میں فوت ہوا۔ رہبانیّت کے بنیادی اصول اسی کی تحریروں اور ہدایات سے ماخوذ ہیں، لیکن بعد میں سینٹ اگسٹائن متوفی ۴۳۰ء، سینٹ اتھاناسیوس متوفّی ۳۷۳ء. سینٹ باسل (BASIL) متوفّی ۴۳۰ء اور گریگوری اعظم متوفّی ۶۰۹ء جیسے لوگوں کے اثر سے رہبانیّت کے بہت سے قواعد چرچ کے نظام میں باقاعدہ داخل کر دیئے گئے۔

عیسائیت میں داخل ہونے والی اس راہبانہ بدعت کی چند خصوصیات تھیں:۔

(الف) سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو تکلیف دینا اور اس معاملے میں ہر راہب دوسرے راہب پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔

(ب) ہر وقت گندے رہتے تھے اور صفائی سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ نہانا اور جسم کی صفائی ان کے نزدیک خدا پرستی کے خلاف تھا۔ جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست سمجھتے تھے۔

(ج) رہبانیت نے ازدواجی رشتے کو بالکل ختم کر دیا تھا اور نکاح کے رشتے کو کاٹ پھینکنے میں سخت بے دردی سے کام لیا تھا۔ ان کے نزدیک لذت اور گناہ ہم معنیٰ تھے۔ مسرت ان کے نزدیک خدا فراموشی تھی۔ سینٹ باسل تو ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا تھا۔ انہی تصورات کی بنا پر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے نزدیک بالکل نجس تھا۔ راہب کے لئے ضروری تھا کہ وہ شادی کرنا تو درکنار عورت کی شکل بھی نہ دیکھے اور اگر شادی شدہ ہو تو وہ بیوی کو چھوڑ جائے۔ عورتوں کے دل میں یہ بات بٹھائی جاتی تھی کہ وہ آسمانی

بادشاہت چاہتی ہیں تو ہمیشہ کنواری رہیں اور اگر شادی شدہ ہیں تو اپنے شوہروں سے الگ ہو جائیں۔ سینٹ جیروم کا کہنا تھا کہ، جو عورت مسیح کی خاطر کنواری رہتی ہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس کنواری کی ماں کو مسیح یعنی خدا کی ساس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ایک اور موقع پر سینٹ جیروم نے کہا کہ، عفت کی کلہاڑی سے ازدواجی تعلق کو کاٹ ڈالو۔ اول اول تو کلیسا کا نظام کسی نہ کسی طرح رہبانیت کے ان خیالات کی مزاحمت کرتا رہا لیکن سینٹ جیروم، سینٹ ایمبرز اور سینٹ آگسٹائن جیسے عیسائیت کے علمائے کرام کے زیر اثر آہستہ آہستہ رہبانیّت پوری نظام کلیسا میں رائج ہو گئی اور عام حکم دے دیا گیا کہ کلیسا کا جو پادری شادی کرے یا شادی شدہ ہوتے ہوئے ازدواجی تعلقات رکھے گا اسے معزول کر دیا جائے۔

(د) رہبانیت نے ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد تک کے رشتوں کو نہایت بے دردی سے کاٹ دیا۔ ان کے نزدیک یہ ضروری تھا کہ انسان تمام انسانی روابط کو بے رحمی سے کاٹ ڈالے، کیونکہ اس معاملے میں رہبانیّت نے بے رحمی ہی کو تقویٰ قرار دیا تھا۔

(ہ) اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بے رحمی، سنگ دلی اور قساوت برتنے کی جو مشق یہ دن رات کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے انسانی جذبات مر جاتے تھے۔ جس کے نتیجے میں جس کسی سے ان کے مذہبی اختلافات ہوتے تھے، اس پر ظلم و جبر کی انتہا کر دیتے تھے۔ اسی لئے چوتھی صدی تک آتے آتے مسیحیّت میں ۸۰ اور ۹۰ فرقے بن چکے تھے اور ہر فرقہ دوسرے سے نہایت متشدّدانہ نفرت کرتا تھا اور نفرت کی آگ بھڑکانے والے یہ راہب ہی تھے اور اس سلسلے میں ان کی پسندیدہ سزا زندہ جلا دینا تھا۔ روم میں ۳۶۶ء برلیس کے مرنے پر پاپائی کے انتخاب کے لئے دو گروہوں نے اپنے الگ الگ امیدوار کھڑے کئے تھے۔ دونوں گروہوں میں سخت خون ریزی ہوئی، جس کے نتیجے میں ایک ہی دن میں

چرچ سے ۱۳۰۷ جلی ہوئی لاشیں نکالی گئیں۔

(و) راہبوں نے ترک و تجرید اور فقر و درویشی کے لبادے میں دولت دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہیں کی۔ پانچویں صدی کے آغاز میں یہ حالت ہو چکی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تھی تو اس کی ٹھاٹھ باٹھ قیصرِ روم سے کم نہ ہوتی تھی۔ عوام کو یہ بات باور کرائی گئی تھی کہ ان سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذرانہ چڑھانے یا کسی خانقاہ اور چرچ کو بھینٹ کرنے ہی سے نجات ہو گی۔ اس طرح وہی دنیا راہبوں کے قدموں پر آ گری جس کا فرار ہی رہبانیت کا مقصدِ اول اور طرۂ امتیاز قرار دیا گیا تھا۔

(ح) عفت کے معاملے میں فطرت سے لڑ کر رہبانیت نے بارہا شکست کھائی۔ دسویں صدی کا ایک بشپ لکھتا ہے کہ اگر کہیں چرچ میں مذہبی خدمات دینے والوں پر بدچلنی کی سزا کا نفاذ کر دیا جائے تو بچوں کے سوا اور کوئی نہ بچے اور اگر حرامی بچوں کو مذہبی خدمات سے الگ کر دینے کا طریقہ رائج کر دیا جائے تو شاید ہی چرچ کی خدمت کے لئے کوئی بچے جو حرامی الاولاد نہ ہو۔ راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کا چکلہ بن گئی تھیں اور ان کی چار دیواریوں میں روز نوزائیدہ حرامی بچوں کا قتل ہوتا تھا۔ عیسائی معاشرے میں یہ عام رواج تھا کہ حرامی الولد بچوں کو کلیسا کی خدمات کے لئے وقف کر دیا جاتا تھا۔ پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرمات کے ساتھ ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع جنسیات پھیل گئی تھیں اور کلیسا میں اعترافِ گناہ (Confession) کی رسم بدکاری کا ذریعہ بن گئی تھی۔

ان سب باتوں کو پیشِ نظر رکھیں اور پھر قرآن کے درج ذیل ارشاد پر دوبارہ غور کریں۔

"ہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے. اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن

مریم کو مبعوث کیا اور انہیں انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا۔ ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا۔ مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے یہ بدعت خود نکالی، اور پھر اس پابندی کا حق ادا کرنے میں بھی ناکام رہے، ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کا اجر ہم نے انہیں عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ ''

(الحدید ۵۷:۲۷)

عیسائیوں نے دینِ حق کی شکل اس قدر بگاڑ دی اور ان کی اخلاقیات کا معیار اس قدر گر گیا کہ زنا جیسے بھیانک معاشرتی جرم کو بھی انہوں نے محض ایک ایسا جرم قرار دے ڈالا جس سے مجرم مرد پر محض مالی تاوان واجب آتا ہے۔ (کتاب خروج باب ۲۲ - آیت ۱۶ - ۱۷) انہوں نے یہ قرار دے ڈالا کہ زنا اگر غیر شادی شدہ مرد غیر شادی شدہ عورت سے کرے تو یہ گناہ تو ہے لیکن مستلزم سزا نہیں ہے اور اگر اس جرم کا کوئی فریق شادی شدہ ہو تو پھر یہ جرم ہے مگر اس کو جرم بنانے والی چیز ''عہد شکنی'' ہے نہ کہ محض فعل زنا اور پھر اس جرم کی کوئی سزا اس کے علاوہ نہیں کہ زانی شوہر کی بیوی اپنے شوہر کے خلاف بے وفائی کا دعویٰ کر کے تفریق کی ڈگری حاصل کرے یا زانیہ بیوی کا شوہر ایک طرف اپنی بیوی کے خلاف تفریق کی ڈگری حاصل کرے اور دوسری طرف اس شخص سے تاوان لینے کا حق دار قرار پائے جس نے اس کی بیوی کو خراب کیا۔ عیسائی خیالات نے گویا زنا کو جرم بہرحال قرار نہیں دیا عیب، بداخلاقی یا گناہ ضرور قرار دیا اور یہ قرار دیا کہ جرم اگر کوئی چیز بنا سکتی ہے تو وہ جبر ہے یعنی جب فریق ثانی کی مرضی کے خلاف زبردستی کی جائے۔ اگر دونوں فریق راضی ہوں تو اس کو جرم قرار نہیں دیا جاتا۔ زنا جیسے معاشرتی و اخلاقی جرم کے بارے میں نرم رویئے نے تمام عیسائی دنیا میں فحاشی کا ایک بازار گرم کر دیا ہے اور قرآن حکیم نے اس افسوس ناک صورت حال کو واضح کرتے ہوئے زنا کو ایک بھیانک معاشرتی و اخلاقی برائی قرار دیتے ہوئے، کنوارے یا شادی شدہ یا رضامندی یا غیر رضامندی و جبر کی حدود کے بغیر اس

کو جرم قرار دیا ہے اور اس کے لئے سخت ترین سزائیں مقرر کی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق کے ہر نبی کی طرح تین ہی نکات تھے۔ اول اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کے لئے ہے جس پر اخلاق و تمدن کا پورا نظام قائم ہو گا. دوم اللہ کے اقتدار اعلیٰ کے نمائندہ کی حیثیت سے اللہ کے رسول کی اطاعت کی جائے گی اور ثالثاً انسان کو حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کی پابندیوں میں جکڑنے والا قانون و ضابطہ صرف اللہ ہی کا ہو گا۔ دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ ہوں گے۔ (۳:۵۱ - ۶۴)

عیسائیوں کے خلاف مباہلہ کا چیلنج جس کو عیسائی علماء نے قبول نہ کیا کیونکہ مسیحیت کے پیشوا اور پادری جن کے تقدّس کا سکہ دور دور تک رواں تھا. دراصل اپنے عقائد کا اتباع کر رہے تھے. جن کی صداقت پر انہیں خود اعتماد نہ تھا اس لئے مباہلے سے کنی کترا گئے۔ (۳:۶۳)

عیسائی عقائد و اعمال پر قرآن حکیم کا تبصرہ

ہماری تحقیقات کے مطابق قرآن حکیم میں عیسائیوں اور ان کے نظریات کے متعلق مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے گئے ہیں۔

(۱) عیسائیوں نے اپنے علماء کو خدا بنا رکھا ہے جو ان کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور وہ عذابِ الٰہی کے سزاوار ہو چکے ہیں۔ (۹:۳۰ - ۳۱ - ۳۴)

(۲) وہ حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ چھوڑ کر عیسائیت ہی کو راہ نجات قرار دیتے تھے۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ مشرک نہ تھے اور عیسائیت کے عقائد سراسر مشرکانہ ہیں۔ (۲:۱۳۵) اور حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی کیونکہ یہ عقائد ان کے بعد کی پیداوار ہیں۔ (۳:۶۵ تا ۶۷)

(۳) نجران کی عیسائی مملکت کا وفد ۹ ھج میں مدینہ آیا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کی ہدایت کے لئے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان کی

گمراہیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ راہِ حق ان پر واضح فرمائی گئی (۳:۳۳ تا ۶۸)

(۴) عیسائیوں کے جہلا کے توہمات، فقیہوں کی قانونی موشگافیوں، رہبانیت پسندوں کے تشددات اور اصل شریعتِ الٰہی میں بے جا قیود کو منسوخ کرنے اور حلال و حرام کی الٰہی قیود کو جاری کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ مبعوث کیے گئے تھے۔ (۳:۵۰)

(۵) بنی اسرائیل کی کتمان حق سرگرمیوں کے خلاف حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ دیا ان کے اعلیٰ کردار پر قرآن حکیم کی توصیف۔ (۳:۵۲ - ۵۳)

(۶) عیسائی علمِ کتاب رکھتے ہوئے جان بوجھ کر کج بحثی کرتے ہیں۔ (۴۳:۶۵) (۳:۶۱ - ۶۶)

(۷) عیسائی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اہل ایمان کو راہ ہدایت سے ہٹا دیں، اللہ کی آیات پر شاہد ہوتے ہوئے جھٹلا دیتے ہیں اور حق کو چھپانے کے ساتھ جان بوجھ کر باطل کا ملمع چڑھا کر حق کو متشبہ بناتے ہیں۔ (۳:۶۹ تا ۷۱)

(۸) عیسائی اللہ کی طرف غیر حق اور باطل باتیں منسوب کرتے اور اپنے دین میں غلو کرتے تھے۔ (۴:۱۷۱)

(۹) عیسائیوں کا فاسد عقیدۂ تثلیث اور ابنیت عیسیٰؑ جس کی قرآن تردید کرتا ہے کیونکہ یہ دو وجوہات سے ان کی تمام گمراہیوں کی وجہ تھی۔ ایک تو وہ ان عقائید کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے کی اولاد اور پیرو کار ہیں، ہم سے ہمارے دنیوی اعمال کا مواخذہ نہیں ہو گا اور دوسری طرف یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے گناہوں کے کفارے کے طور پر حضرت عیسیٰؑ صلیب چڑھ کر ہماری بخشش کا سامان کر گئے ہیں۔ قرآن ان دونوں فاسد عقائد کی سخت تردید کرتا ہے۔ (۴:۱۷۱ - ۱۷۲) (۱۹:۳۵ - ۸۸ تا ۹۲) (۹:۳۰ - ۳۱) (۵:۷۲ - ۷۳ - ۷۵) (۶:۱۰۲) اور یہ حرکت کھلم کھلا احسان فراموشی کے مترادف

ہے۔ (۴۳:۱۵) اور ظلم ہے۔ (۴۳:۶۵)

(۱۰) عیسائی شک کی بیماری میں مبتلا ہیں انہیں اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ (۴:۱۵۷)

(۱۱) (نصاریٰ) عیسائیوں نے پختہ عہد کے بعد خلاف ورزی کی ہے اور جو سبق انہیں دیا گیا تھا اسے بھلائے بیٹھے ہیں چنانچہ سزا کے طور پر قیامت تک ان میں دشمنی اور بغض و عناد کا بیج بو دیا گیا ہے۔ (۵:۱۴) (۵:۷۷)

(۱۲) عیسائی جس طرح خود گمراہ ہیں اسی طرح چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی گمراہ کر دیں۔ لیکن اس طرح وہ خود ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (۳:۶۹)

(۱۳) عیسائی اپنے باطل خیالوں میں غرق اور خوفِ آخرت سے بے پرواہ کھیل کود میں مست ہیں۔ (۴۳:۸۳)

(۱۴) عیسائیوں کا زعمِ باطل کہ جنت میں صرف عیسائی جائیں گے۔ (۲:۱۱۱)

(۱۵) عیسائیوں کا زعمِ باطل کہ ان کے علاوہ کسی مذہبی گروہ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ (۲:۱۱۳ - ۱۳۵)

(۳) ہندوستان کی اخلاقی حالت

ہندوستان میں اخلاقی حالت بھی باقی دنیا سے الگ نہ تھی۔ معاشرتی ناانصافی کا دور دورہ تھا اور معاشرے کو مختلف حصوں میں بانٹ کر غلامی کی بدترین صورت رائج تھی۔ ہندوستان میں رائج ناانصافی کچھ یوں تھی۔

(۱) مندروں کے محافظین بداخلاقی کا سرچشمہ تھے جو مذہب کے نام پر خوب معاشی لوٹ مار کرتے تھے۔

(۲) ذات پات کی ایسی گھناؤنی تفریق شروع کر دی گئی تھی جو کسی بھی طرح بنی اسرائیل سے فرعونِ لعین اور قبطیوں کے سلوک سے کم نہ تھی۔ علانیہ بعض ذاتوں کی برتری تسلیم کی جاتی تھی, مثلاً برہمن کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہ دی جا

سکتی تھی۔ کسی اونچی ذات کے ہندو کا کسی نیچی ذات کی عورت سے زنا قطعاً ناقابلِ سزا تھا۔ بودھ راہبہ کی عصمت دری کی سزا بھی معمولی تھی۔ اگر چھوٹی ذات کا ہندو اونچی ذات کے ہندو کو چھو لے تو اس کی سزا موت تھی۔ اگر نیچی ذات کا ہندو اونچی ذات کے ہندو کو گالی دے یا مارے تو اس کی زبان کاٹ لی جاتی تھی یا اس کے اعضاء قلم کر دیئے جاتے تھے۔ ظلم کی یہ انتہا تھی کہ اگر نیچی ذات کا ہندو اونچی ذات کے ہندو کی بات بھی سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈلوا دیا جاتا تھا۔

(۳) عورت بے چاری کو کسی قسم کے حقوق حاصل نہ تھے اور انہیں محکومیت اور غلامی کا درجہ دے ڈالا گیا تھا۔

(۴) راجاؤں کے محلوں میں شراب نوشی اور زنا کاری عام تھی اور ان کو مذہبی تحفظ دینے کے لئے مندروں کے محافظ براہمن ہر وقت حاضر رہتے تھے۔

(۵) شاہراہوں پر غنڈہ اور جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا جن کے ہاتھوں کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔

(۶) عیسائیوں کی رہبانیّت جیسی بیماری ہندوؤں میں بھی تھی اور خدا اور رام کی تلاش آبادیوں اور بازاروں کے بجائے جنگلوں اور بیابانوں میں کی جاتی تھی۔

(۷) اوہام، فاسد خیالات اور بھوتوں پریوں پر ہی ان کا مذہب چلتا تھا۔ آسمان سے زمین تک ہر چیز کو انہوں نے خدا بنا رکھا تھا اور ہر کام کے لئے انہوں نے الگ الگ بت بنا رکھے تھے۔ عورتوں اور مردوں کے عضائے تناسل تک کی پوجا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کے سامنے سجدہ کر ڈالنا ان کے مذہب کا ایک حصہ تھا۔

(۸) عورت کو جوئے میں ہار جاتے تھے اور ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ عورت کو شوہر کے مرنے پر ستی (مرنے والے شوہر کی چتا میں زندہ جل جانا) ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا اور عورتیں بھی زندہ جل جانے کو ترجیح دیتی تھیں کیونکہ

بیوہ عورت کا مقام ان کے معاشرے میں نہایت ذلیل تھا۔ مذہبی تہواروں میں شراب نوشی کر کے ماں، بہن اور بیٹی تک کی تمیز کھو دیتے تھے۔

(۹) شودروں کے نام سے ایک قوم کی قوم ایسی ذلت میں مبتلا کر دی گئی تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق غرض ہر معاشرتی حق سے محروم تھی۔ اگر وید کی آواز ان کے کان میں پڑ جائے تو سیسہ پگلا کر ان کے کانوں میں ڈال دیا جاتا تھا۔

(۱۰) قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہ تھی بلکہ ذات پات پر تھی۔

(۱۱) زنا جیسی بھیانک معاشرتی برائی ان کے معاشرے میں عام رائج تھی اور صرف زنا بزن غیر ہی کو جرم سمجھتے تھے (وہ بھی اگر دونوں فریق ایک ہی ذات پات کے ہوں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور اگر ایک فریق اونچی ذات کا ہو تو اس کے لئے کوئی سزا نہ تھی بلکہ نیچی ذات والے کو قتل کر دیتے تھے) اور اس کی بنیاد یہ نہ تھی کہ انہوں نے جرم زنا کا ارتکاب کیا ہے بلکہ یہ تھی کہ ان دونوں نے مل کر ایک شخص کو اس خطرے میں مبتلا کیا کہ وہ ایک ایسے بچے کو پالے جو اس کا نہیں ہے۔ گویا زنا نہیں بلکہ اختلاطِ نسب کا خطرہ اور ایک بچے کا دوسرے کے خرچ پر پلنا اور اس کا غیر مستحق وارث بن جانا جرم تھا۔ (ملاحظہ ہو منو کی دھرم شاستر. ادھیائے۔ ۸۔ اشلوک ۳۶۵۔ ۳۶۶)

(۱۲) کوئی کسی قسم کا قانون نہ تھا۔ دھرم شاستروں میں جو کچھ لکھا تھا اس کی تشریح توضیح برہمن محافظان مندر کرتے تھے اور یہودی اور عیسائی علماء کی طرح رقم خرچ کر کے کوئی بھی فیصلہ لیا جا سکتا تھا۔

غرض ہندو بھی اقوامِ وقت کی کسی راہ نمائی کے قابل نہ تھے۔ وہ خود گھمبیر بداخلاقیوں میں دھنسے ہوئے تھے. ان کی اپنی کشتی اس کے منجدھارے میں غرق ہو رہی تھی۔

(۴) یہودی اور ان کی اخلاقی و تمدنی حالات

اصل دین جو تمام انبیاء اور خصوصاً حضرت موسیٰؑ لائے تھے وہ اسلام ہی تھا۔ انبیاء میں کوئی بھی یہودی نہ تھا اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ مذہب اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سامریہ اور اسیریا نامی دوسری شاخوں کی تباہی کے بعد بن یامین کی نسل کے اوپر یہوداہ کی نسل کے غلبے سے "یہود" نسل کہلانے لگی۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات و نظریات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا عنصر اس میں شامل ہے اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے متعدد جگہ پر ان کو "الذین ھادوا" کہہ کر خطاب کیا ہے یعنی "اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو" ان میں سب کے سب اسرائیلی نہ تھے بلکہ وہ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں "اے بنی اسرائیل" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو مخاطب کیا ہے وہاں "الذین ھادوا" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

یہ بات تو ساری دنیا جانتی ہے کہ یہودی اپنے آپ کو خدا کی برگزیدہ مخلوق (Chosen People) کہتے ہیں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ خدا کے ساتھ ان کا ایک خاص رشتہ ہے جو کسی دوسرے انسانی گروہ کا نہیں ہے۔

مدینہ منورہ اور حجاز کے یہودیوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنی بھی نہایت ضروری ہے تاکہ قرآن حکیم میں ان کے متعلق ہونے والے ارشادات کا مکمل پیش منظر سامنے آجائے۔

حجاز کے یہودیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے آخری عہد میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ اس طرح یہ یہودی اس بات کے مدعی تھے کہ ۱۲ سو سال قبل مسیح

سے یہاں آباد ہیں، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے اور اغلب یہ ہے کہ اہلِ عرب پر اپنے قدیم الاصل اور عالی نسب ہونے کی دھونس جمانے کے لئے انہوں نے فسانہ تراشا تھا۔ دوسری یہودی مہاجرت یہودیوں کی اپنی روایات کے مطابق ۵۷۷ قبل مسیح میں ہوئی جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کر کے یہودیوں کو دنیا بھر میں تتر بتر کر دیا۔ عرب کے یہودی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے چند اور قبائل اس وقت وادی القرٰی، تیماء اور یثرب میں آباد ہوئے لیکن اس کا بھی کوئی تاریخی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ بعید نہیں کہ اپنی قدامت ثابت کرنے کے لئے انہوں نے یہ کہانی بنائی ہو۔

جو بات تاریخ یہود سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے ۷۰ء عیسوی میں رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور پھر ۱۳۲ء عیسوی میں انہیں اس سرزمین سے باہر نکال دیا۔ اس زمانے میں بہت سے یہودی قبائل حجاز میں آکر آباد ہوئے کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں متصل ہی واقعہ تھا۔ یہاں پر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز علاقے دیکھے وہاں پر آباد ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنی روایاتی جوڑ توڑ اور سود خواری کے ذریعہ ان پر قبضہ جمالیا۔ ایلہ، مقنا، تبوک، تیماء، وادی القرٰی، فدک اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا اور بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی بہدل، اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں یثرب پر قابض ہوئے۔ یثرب میں آباد ہونے والے قبائل میں بنی نضیر اور بنی قریظہ زیادہ ممتاز تھے کیونکہ وہ کاہنوں (Priests--cohens) کے طبقہ سے تھے اور انہیں یہودیوں میں عالی نسب مانا جاتا تھا اور انہیں اپنی ملت میں مذہبی ریاست حاصل تھی۔ یہ قبائل یثرب میں آکر آباد ہوئے تو وہاں رہنے والے عرب قبائل کو انہوں نے دبا لیا اور عملاً اس سرسبز و شاداب مقام کے مالک بن بیٹھے۔ تقریباً تین صدی کے بعد ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء میں یمن کے اس عظیم سیلاب کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورہ سبا کے دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ اس کی وجہ سے قوم سبا کے مختلف قبیلے یمن سے نکل کر عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل جانے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سے غسانی شام میں، لخمی حیرہ عراق میں، خزاعہ جدہ و مکہ کے درمیان اور اوس و خزرج یثرب میں جاکر آباد ہوئے۔ یثرب میں کیونکہ یہودی چھائے ہوئے تھے

اس لئے انہوں نے اول اول اوس و خزرج کی دال نہ گلنے دی اور یہ دونوں قبائل چار و ناچار بنجر زمینوں پر بس گئے جہاں انہیں قوت لایموت بھی مشکل سے حاصل ہوتا تھا۔ آخر کار انہوں نے شام سے غسانیوں کو اپنی مدد کے لئے بلاکر یہودیوں کا زور توڑا اور یثرب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ شہر سے باہر جاکر بسنے پر مجبور ہوئے تیسرے قبیلے بنی قینقاع کی چونکہ بنی نضیر اور بنی قریظہ سے بنتی نہیں تھی اس لئے وہ خزرج قبیلے کی پناہ میں شہر یثرب ہی میں رہے اور ان کے مقابلے میں بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اوس قبیلے کی پناہ لے لی تاکہ اطراف مدینہ میں بھی چین و امن سے رہ سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ (یثرب) آمد سے پہلے، آغاز ہجرت تک، حجاز میں عموماً اور یثرب میں خصوصاً یہودیوں کی پوزیشن کے نمایاں خدوخال یہ تھے:۔

— زبان، لباس، تہذیب و تمدن غرض ہر لحاظ سے انہوں نے مکمل طور پر عربیت کا رنگ اختیار کر لیا تھا، حتیٰ کہ ان کی غالب اکثریت کے نام تک عربی ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۲ قبیلوں میں سے جو حجاز میں آباد تھے صرف زعوراء کا نام عبرانی تھا باقی سب کے نام عربی تھے۔ ان کے چند گنے چنے علماء کے سوا کوئی عالم عبرانی تک نہ جانتا تھا۔ ان کے عربوں میں شادی بیاہ کے تعلقات تک ہو گئے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے یہودی شعراء کے کلام کے خیالات. زبان اور مضامین میں شعرائے عرب والا رنگ ہی نمایاں تھا۔ درحقیقت ان میں اور عربوں میں دین ہی کا فرق رہ گیا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے شدت کے ساتھ اپنی یہودی عصبیت برقرار رکھی تھی۔ یہ ظاہری عربیت انہوں نے اس لئے رکھی تھی کہ اس کے بغیر وہ عرب میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

— ان کے اندر اسرائیلیت کا شدید تعصب پایا جاتا تھا اور اہل عرب کو وہ اُمّی (Gentiles) کہتے تھے۔ جس کے معنی صرف ان پڑھ کے نہیں بلکہ جاہل اور وحشی کے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ امیوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو اسرائیلیوں کو حاصل ہیں

اور ان اُمیّوں کا مال ہر جائز اور ناجائز طریقے سے کھانا اسرائیلوں کے لئے حلال و طیب ہے۔ سردارانِ عرب کے سوا عام عربوں کو وہ اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ انہیں یہودی مذہب میں داخل ہونے دیں اور برابر کا درجہ دیں۔ روایاتِ عرب میں کسی عرب قبیلے یا کسی بڑے خاندان کے یہودیت اختیار کرنے کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض انفرادی افراد کا ذکر ضرور ملتا ہے جو یہودی ہو گئے تھے ویسے بھی یہودیوں کو تبلیغ دین سے زیادہ اپنے کاروبارِ سود سے زیادہ دلچسپی تھی اس لئے حجاز و یثرب میں یہودیت بحیثیت مذہب بالکل نہیں پھیلی بلکہ محض چند اسرائیلی قبیلوں کا سرمایہ فخر و ناز رہی البتہ یہودی علماء نے تعویذ گنڈوں اور فال گیری اور جادوگری کا کاروبار خوب چمکا رکھا تھا جس کی وجہ سے عربوں پر ان کے "علم" اور "عمل" کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

معاشی حیثیت سے بھی ان کی پوزیشن عرب قبائل کی بہ نسبت زیادہ مضبوط تھی. چونکہ وہ فلسطین و شام کے زیادہ متمدّن علاقے سے آئے تھے اس لئے بہت سے ایسے فنون جانتے تھے جو عربوں میں رائج نہ تھے اور باہر کی دنیا سے بھی ان کے کاروباری تعلقات تھے. اس لئے یثرب اور بالائی حجاز میں غلے کی درآمد اور یہاں سے چھوہاروں کی برآمد ان کے ہاتھ میں تھی۔ مرغ بانی اور ماہی گیری پر بھی ان ہی کا قبضہ تھا. پارچہ بافی کا کام بھی ان کے ہاں ہوتا تھا جگہ جگہ شراب خانے ان کی ہی ملکیت تھے۔ جہاں شامی شراب فروخت ہوتی تھی۔ بنی قینقاع زیادہ تر سنار. لوہار اور ظروف سازی کا پیشہ کرتے تھے اور بے تحاشہ منافع کماتے تھے لیکن ان کا سب سے بڑا کاروبار سود خواری تھا جس کے جال میں انہوں نے گرد و پیش کی عرب آبادیوں کو پھانس رکھا تھا. اور خاص طور پر عرب شیوخ اور سردار. جنہیں سود پر قرض لے کر ٹھاٹھ جمانے اور شیخی بگھارنے کی بیماری لگی ہوئی تھی. ان کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہودی بھاری شرح پر قرضے دیتے اور پھر سود در سود کا چکر چلاتے جس کی گرفت میں آجانے کے بعد مشکل ہی سے کوئی نکلتا تھا۔ اس طرح انہوں نے

عربوں کو معاشی طور پر کھوکھلا کر دیا تھا. جس کی وجہ سے بالعموم ان کے خلاف عربوں میں شدید نفرت پائی جاتی تھی۔

صدیوں سے انہوں نے اپنی سلامتی اور اپنے قبیح مفادات کی ترقی کے لئے عرب قبائل میں پھوٹ ڈال کر اپنا الو سیدھا کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی، کیونکہ ان کے تجارتی اور مالی مفادات کا تقاضا یہ تھا کہ عربوں میں کسی کے دوست بن کر وہ کسی سے نہ بگاڑیں اور نہ ہی ان کی باہمی لڑائیوں میں شرکت کریں، لیکن دوسری طرف یہ بھی ان کے مفاد میں تھا کہ عربوں کو باہم متحد نہ ہونے دیں اور ان میں پھوٹ ڈالے رکھیں اور انہیں آپس میں لڑائے رکھیں تاکہ ایک طرف ان لڑائیوں کے لئے ان کے قرضے لئے جاتے رہیں اور دوسری طرف عربوں کی پھوٹ کی وجہ سے ان کی بڑی بڑی جائدادیں، باغات اور سرسبز زمینیں بھی محفوظ رہیں گی جو انہوں نے ناجائز منافع خوری اور سود خواری سے پیدا کی تھیں۔ یثرب میں بنی قریظہ اور بنی نضیر/اوس کے حلیف تھے اور بنی قینقاع خزرج کا حلیف تھا۔ ہجرت سے تھوڑے عرصے پہلے اوس اور خزرج کے درمیان جو لڑائی بعاث کے مقام پر ہوئی تھی اس کی آگ اگرچہ ان یہودیوں کی لگائی ہوئی تھی لیکن پھر بھی انہیں اپنے اپنے حلیف کے ساتھ مل کر فریق مخالف سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ یہودیوں کے اس جاری جنگ و جدل کے ساتھ معاشی مفادات بھی منسلک تھے۔ ایک تو ان کے ہتھیار بکتے تھے اور بعد میں وہ خود ساختہ صلح کروانے کا رول اپنا کر دونوں فریقین کو بلیک میل کرتے تھے اور خون بہا اور تاوان کی رقموں میں سے اپنا حصہ پہلے الگ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے بھی ان کے اس کردار کا ذکر کیا ہے۔ (۲:۸۳تا۸۵) (۵:۴۴)

اہل یہود کے کردار و عمل پر قرآن مجید کا تبصرہ

(۱) حاملین کتاب اللہ (تورات) ہونے کی وجہ سے یہودیوں سے خیر کی توقع تھی اور پھر ان کے اندر ہر قوم سے زیادہ انبیاء مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے قرآن حکیم میں

انہیں شرم دلائی گئی ہے کہ اپنے پیش نظر (Back Ground) کے ساتھ کیا تم بھی دعوتِ قرآن کے اولین منکر بنتے ہو۔ (۲:۴۰ تا ۴۴) انہیں شرم دلائی گئی ہے کہ تم کو سارے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت دے رکھی تھی۔ (۲:۴۷) اور حاملین تورات بنایا تھا لیکن تم بھی کتمان حق سرگرمیاں کرتے ہو (۲:۴۷) قرآن حکیم میں جگہ جگہ وہ احسانات یاد کروائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کر رکھے تھے۔ (۲:۴۷ تا ۹۹) لیکن ان کے دل پتھروں کی مانند بلکہ اس سے بھی سخت ہو گئے تھے اور حق کی آواز ان پر کوئی اثر نہ کرتی تھی۔ (۲:۷۴) یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے سزاوار ٹھہرے۔ (۵:۷۸ تا ۸۱) انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا کیونکہ وہ حد سے گزرنے والے اور سخت نافرمان تھے۔ (۲:۸۷) (۳:۲۱) اس سب کے باوجود یہودیوں کو اپنے محبوبِ خدا اور خاص کنبۂ خدا میں سے ہونے پر غرور تھا اور یہ کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم جو چاہئے کریں ہم پر مواخذہ نہیں ہے۔ (۲:۸۰ - ۸۸ - ۹۴ - ۹۵ - ۱۱۱) (۳:۲۴) (۵:۱۸) (۶۲:۶) یہود کو زعم تھا کہ نبوت و رسالت ان کے گھر کی چیز ہے. کسی دوسری قوم میں رسالت و نبوت نہیں ہے۔ (۶۲:۴) (۲:۹۰) (۳:۷۳ - ۷۴).

(۲) ان کے عالم خدا کے احکام کو اپنی منشا اور دولت مندوں اور صاحب اقتدار طبقوں کی خواہشات کے مطابق بدل ڈالتے تھے اور اپنے احکام کو احکامِ الٰہی کہتے تھے. (۳:۷۷) (۲:۷۹) (۵:۱۳) اور دوسری طرف ان کے ان پڑھ عوام اپنی بناوٹی باتوں میں مست رہتے تھے۔ (۹:۷۸)

(۳) احکام خدا میں سے جو آسان اور مرضی کے مطابق ہوتا تھا اسے قبول کرتے اور جو طبع نازک پر گراں گزرتا اسے رد کرتے تھے۔ (۲:۸۵ - ۸۷ - ۱۰۰ - ۱۰۱) قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور فتنہ فساد کی آگ کو بھڑکاتے تھے اور پھر صلح میں دلال بن کر مالی فوائد حاصل کرتے تھے۔ (۲:۸۴ تا ۸۶)

تمام سابقہ اقوام میں سے یہود کے طرز عمل پر قرآن حکیم میں سب سے زیادہ بیان

ہوا ہے اور قرآن نے اس مغضوب/معذوب قوم کی تمام خرابیوں کو آشکار کیا ہے تاکہ مسلمان ان خرابیوں سے بچیں۔

(۴) یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ حکیم کو حق اور من جانب اللہ پہچان لیا تھا، لیکن جان بوجھ کر اس سے انکار کیا۔ (۲:۸۹)

(۵) یہودیوں کے غیض و غضب کی اصل وجہ یہ بات تھی کہ نبوت ہمارے درمیان سے بنی اسماعیل میں کیوں منتقل ہو گئی ہے۔ (۲:۹۰ - ۹۱) (۴:۵۴)

(۶) یہودی جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ (۳:۹۴)

(۷) یہودی بزعم خود راہ حق کے علمبردار تھے، لیکن ان کا رویہ یہ تھا کہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور راہ راست کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے۔ (۳:۹۹)

(۸) یہودی مسلمانوں کی خرابی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اہل ایمان کا نقصان انہیں محبوب تر تھا۔ یہودیوں کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا تھا اور جو کچھ سینوں میں چھپائے ہوئے تھے وہ شدید تر تھا۔ وہ مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اپنے غصے میں خود ہی جل جل جاتے ہیں۔ (۳:۱۱۸ - ۱۱۹)

(۹) یہودی نہایت درجہ احسان فراموش قوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پے در پے احسانات کے باوجود وہ احکامِ الٰہی کی پابندیوں سے آزاد رہنا پسند کرتے تھے۔ تاریخ بنی اسرائیل کا وہ واقع قابل ذکر ہے جب انہوں نے اپنے ہی وطن فلسطین میں داخل ہونے سے بوجہ خطرات انکار کیا اور جہاد سے جی چراتے ہوئے حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے "تم اور تمہارا خدا خود ہی لڑو ہم خطرات میں نہیں کودیں گے۔" (۵:۲۰ تا ۲۵)

(۱۰) یہودی جھوٹ کے لئے کان لگاتے ہیں گن سن لیتے پھرتے ہیں اور اللہ کی کتاب (تورات) کے الفاظ کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں۔ (۵:۴۱)

(۱۱) یہودی جھوٹ سنتے اور حرام کھاتے ہیں۔ (۵:۴۲)

(۱۲) یہودی مالی معاوضہ لے کر احکام کتاب اللہ (تورات) میں تحریف کرتے تھے۔ (۴۱:۲) (۵:۴۴) اور کتاب اللہ میں اس تحریف کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر (۶۱:۲ - ۸۹) (۵:۴۴)، ظالم (۵۷:۲ - ۵۹ - ۹۲ - ۹۵) (۵:۴۵) اور فاسق (۵۹:۲ - ۹۹) (۵:۴۷) قرار دیا ہے۔

(۱۳) یہودیوں کی ان حرکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیتے رہیں گے۔ (۱۶۷:۷)

(۱۴) یہودیوں نے حضرت ہارون علیہ السلام پر گوسالہ پرستی کا الزام لگایا۔ (گمراہ لوگوں کی یہ خصلت ہے کہ اپنی گمراہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ صاف ستھری شخصیات پر بھی کیچڑ اچھالتے ہیں تاکہ خود ان کے کردار کی کالک چھپی رہے۔ یہ بات ہر کوئی روزمرہ زندگی میں دیکھ سکتا ہے کہ ہمارے اپنے معاشرے میں جو شخص جس قدر خود بےایمان ہوتا ہے اتنا ہی اس قبیح مہم میں ملوث ہوتا ہے کہ معاشرے میں ہر کسی کو بےایمان باور کرائے۔ کسی بھی رشوت خور کو دیکھ لیں وہ رشوت ستانی کے خلاف نہیں بولے گا بلکہ ہر وقت یہ ہی کہتا نظر آئے گا کہ رشوت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ کہ ہر کوئی راشی ہے۔ شاید اپنے ضمیر کی خلش کو مٹانے کے لئے وہ اس پراپیگنڈہ میں ملوث ہوتا ہے کہ رشوت ستانی ہر طرف پھیل چکی ہے۔ قرآنِ حکیم نے یہودیوں کی یہ خصلت بیان کی ہے کہ اپنی اخلاقی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہودی ہر نیک اور صاف ستھرے فرد پر کیچڑ اچھالتے تھے۔) لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس الزام کی برأت فرمائی۔ (۱۵۰:۷)

(۱۵) یہودی بےحقیقت باتیں اپنی زبانوں سے نکالتے تھے اور انہوں نے علماء اور درویشوں کو خدا بنا رکھا تھا اور ان کے بتائے ہوئے تحریف شدہ احکام پر عمل کرتے تھے۔ (۳۰:۹ - ۳۱)

(۱۶) یہودیوں کے علماء عوام کا مال باطل طریقوں سے کھاتے تھے اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے تھے وہ ایک دردناک عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ (۹:۳۴)

(۱۷) یہودی اللہ اور اس کے رسولوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایسے فاسقوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرتا ہے۔ (۵۹:۴ - ۵)

(۱۸) یہودیوں کو اللہ نے تورات کا حامل بنایا لیکن انہوں نے اس گدھے کی حیثیت اپنالی جس پر کتابیں لدی ہوں اور ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (۵:۶۲)

(۱۹) یہودی یہ گھمنڈ رکھتے ہیں کہ باقی لوگوں سے الگ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہوتی تو یہودیوں کو موت کی تمنا کرنی چاہئے لیکن یہودی اس قدر بزدل ہیں کہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے وہ ایسی تمنا بالکل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو خوب پہچانتا ہے۔ (۲:۹۴ - ۹۶) (۳:۲۴) (۵:۱۸) (۲:۸۰ - ۱۱۱) (۶۲:۶ تا ۸)

(۲۰) مال و دولتِ دنیا کے حرص و طمع (۴:۵۳) کی وجہ سے یہودیوں میں ہر اخلاقی برائی پیدا ہو گئی تھی اور وہ کسی بھی اصلاحی کام کے لئے اپنی جسم و جان اور راحت و آرام کو قربان نہ کرتے تھے۔ (۲:۹۶)

(۲۱) ان غیر اخلاقی حرکات سے یہودیوں کے علماء انہیں منع بھی نہ کرتے تھے. بلکہ وہ خود احکام الٰہی میں تحریفات میں لگے رہتے تھے۔ (۵:۶۲ - ۶۳) (۴:۱۵۹ - ۱۶۰) (۴:۵۱ - ۵۲)

(۲۲) اوہام و خرافات، تعویذ گنڈا، جادو و سحر اور عملیات پر فریفتہ تھے اور ان غیر اخلاقی حرکات پر حضرت سلیمانؑ کی دلیل لاتے تھے۔ (یہ اس امر کی ایک مثال ہے کہ گمراہ قومیں اپنے صالح افراد کو بھی ضرور ان گمراہیوں میں ناجائز طور پر ملوث کرتے ہیں جن میں وہ خود ملوث ہوتے ہیں۔) قرآن اس الزام کی تردید کرتا ہے۔ (۲:۱۰۲)

(۲۳) عیسائیوں کی نقل کرتے ہوئے حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا چہیتا بیٹا قرار دیتے تھے۔ (۹:۳۰) (۵:۱۸)

(۲۴) نہایت بخیل و کنجوس قوم تھی اور دولت و ثروت کے غرور میں کہتے تھے کہ کیا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ وہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ (۵:۶۴) (۳:۱۸۱)

(۲۵) قرآن کی دعوت حق کے جواب میں کہتے تھے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں اس پر کسی دعوت کا اثر نہ ہو گا۔ (۲:۸۸) جب کوئی گروہ کسی بھی اصلاحی دعوت کو سننے کے لئے تیار ہی نہ ہو گا تو ان کے احوال میں بہتری کس طرح ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو ایک مشہور یہودی عالم تھے ان کے واقعہ قبول اسلام سے یہودیوں کا اخلاقی معیار خوب واضح ہو جاتا ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمانے لگے کہ آپؐ یہودِ مدینہ کے سرکردہ علماء کو بلائیں اور میں اوٹ میں ہو جاؤں گا۔ آپ ان سے میرے بارے میں پوچھیے گا۔ یہودی علماء بلائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا عبداللہ بن سلامؓ کو کیسا جانتے ہو انہوں نے کہا ہمارے نیک بزرگوں کی نیک اولاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اگر وہ میری نبوت و دعوت پر ایمان لے آئیں تو یہودی کہنے لگے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر ہو گیا تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ لے چکے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ باہر نکل آئے اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود والٰہ نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔ تمام علماء یہود یک زبان ہو کر بول اٹھے "یہ تو ہمارے بدمعاشوں کی بدمعاش اولاد ہے۔" یہ کردار تھا اس قوم کا جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم رہی لیکن پے در پے گمراہ کن سرگرمیوں پر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مغضوب ترین قوم قرار دیا اور ان پر ڈالی جانے والی لعنت قیامت تک قائم رہے گی۔ اس وقت بھی دیکھ لیجئے کہ قریبی تاریخ

میں یہودی جرمنی میں گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے۔ امریکہ میں اگرچہ وہ معاشی طور پر بہت مضبوط ہوگئے ہیں لیکن حالات بتاتے ہیں کہ ایک دن امریکہ میں بھی ان کا جرمنی والا حال ہو گا۔ امریکہ میں آنے جانے والے لوگ آپ کو بتائیں گے کہ امریکہ میں کسی کو گالی دینا ہو تو اسے یہودی کہا جاتا ہے اور عوام ان سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

(۲۶) لین دین کے سلسلہ میں یہودی نہایت بد معاملہ اور بد دیانت تھے۔ (۳:۷۵ تا ۷۷) یہودی ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک دینار کے معاملے میں بھی تم ان پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کریں گے جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ کیونکہ ان کی نام نہاد مذہبی تعلیم تک یہ تھی کہ ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکامات ایسے ہی تھے کہ غیر یہودیوں کا مال کھاجاؤ کوئی بُری بات نہیں ہے۔ بائبل قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان تفریق کرتی ہے (استثناء ۱:۵ - ۳ - ۲۳:۲۰) "تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر غیر اسرائیلی کا بیل کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو تاوان دے لیکن اسرائیلی کا بیل اگر زخمی کرے تو کوئی تاوان نہیں ہو گا۔ یہ حکم بھی ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی چیز پڑی ملے تو وہ دیکھے کہ قریبی بستی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہے تو اعلان کرے اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے۔ ربّی اشمائیل کہتا ہے کہ اگر اُمّی (غیر یہودی) اور اسرائیلی کا مقدمہ اسرائیلی قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے تحت اپنے مذہبی بھائی کو جتا سکتا ہو تو جتائے اور کہے یہی ہمارا قانون ہے اور اگر غیر اسرائیلی قانون کے تحت جتوا سکے تو کہے یہ تمہارا قانون ہے۔ اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی چاہے اسرائیلی کو جتوائے۔ ربّی اشمٰعیل کہتا ہے۔ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے (تالمودک مسلینی. پال آئزک ہرشوں. لندن ۱۸۸۰ء صفحات ۳۷ - ۲۱۰ - ۲۲۱)

اور اس قدر سنگین اخلاقی جرائم کرنے کے بعد بھی یہودی یہ سمجھتے تھے اور ان کے علماء انہیں بتاتے تھے کہ روزِ قیامت وہی اللہ کے مقرب ہوں گے اور دنیا میں جو تھوڑا بہت گناہوں کا میل انہیں لگ گیا ہے وہ ان کے بزرگوں (حضرت عزیرؑ) کے صدقے دھو ڈالا جائے گا۔ اس غلط فہمی کی قرآن نے پُرزور الفاظ میں تردید کی ہے۔ (۲:۸۰ - ۸۱)

(۲۷) یہودی علماء اس قدر کج بحث تھے کہ اپنے پیروکاروں کو کھلے عام کہتے تھے کہ اپنے دین سے کسی حالت میں نہیں پھرنا چاہئے خواہ کتنی ہی دلیل سے دوسرا فریق بات پیش کرے۔ (۳:۷۳)

(۲۸) یہودیوں نے سازش کر کے ایسے افراد تیار کیے تھے جو صبح ایمان لائیں اور شام کو انکار کریں تاکہ پروپیگنڈا کیا جاسکے کہ محمدؐ کے دین میں ہم نے اندر جاکر یہ یہ خرابیاں دیکھی ہیں۔ (۳:۷۲)

(۲۹) یہودی کتاب اللہ (تورات) کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا فقرے کو جو ان کے مفاد کے خلاف ہو زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے۔ (۳:۷۸)

(۳۰) یہودیوں سے اللہ کے سابق پیغمبروں نے عہد لیا تھا کہ وہ آنے والے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے، لیکن وہ اپنے عہد سے پھر گئے بلکہ الٹی مخالفت پر اتر آئے۔ (۳:۸۱ - ۸۲)

(۳۱) یہودیوں نے اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین) چھوڑ کر غیر اللہ کی اطاعت کا طریقہ اپنا لیا تھا۔ (۳:۸۳ - ۸۵)

(۳۲) یہودی علماء جان چکے تھے اور زبانی شہادتیں بھی دے چکے تھے کہ آپؐ نبی برحق ہیں اور آپؐ کی تعلیمات وہی ہیں جو انبیاء ہمیشہ لاتے رہے ہیں، لیکن محض تعصب، ضد اور حق کی دشمنی میں (جو صدیوں سے ان کا پرانا جرم تھا) دعوت حق کا انکار کرتے تھے۔ (۳:۸۶ تا ۹۰) (۲:۴۲)

(۳۳) یہودیوں نے تمام احکام خود ساختہ بنا رکھے تھے جب ان سے کہا جاتا کہ تورات میں

سے کوئی دلیل یا عبارت ان احکام پر پیش کرو تو اعراض کر جاتے تھے۔ (۳:۹۳ - ۹۴)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن سلام؄ سے روایت کردہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زنا کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں فریقین شادی شدہ یہودی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری کتاب کے مطابق فیصلہ کروں یا اپنی کتاب کے مطابق تو انہوں نے کہا ہماری کتاب کے مطابق۔ تورات پیش ہوئی اور جس جگہ پر شادی شدہ فرد کے لئے رجم کی سزا تھی اس کو چھوڑ کر یہودی عالم آگے پیچھے سے پڑھتے جاتے تھے۔ عبداللہ بن سلام؄ خود یہودی عالم رہ چکے تھے انہوں نے کہا رسول اللہؐ یہ درمیان میں سے چھوڑ کر پڑھتے ہیں اور پھر انہوں نے یہودی عالم کو ہٹا کر مکمل حکم پڑھا جس میں رجم کرنے کا حکم صاف درج تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی سزا رائج فرمائی۔ یہودی علماء نے سزائے رجم کو عملاً معطل کر رکھا تھا اور اس کی جگہ کوڑوں کی سزا رائج کر رکھی تھی کیونکہ اس گھناؤنے جرم میں عام طور پر امیر لوگ ہی ملوث ہوتے تھے اور ان کی دولت و ثروت کی جھنکار نے یہودی علماء کو حکم خداوندی میں تحریف کرنے پر مائل کر دیا تھا۔

(۳۴) ناشکر گزار قوم ہے۔ (۲:۵۲ - ۵۶)

(۳۵) مفسد قوم ہے۔ (۲:۶۰)

(۳۶) لعنتی اور پھٹکار شدہ قوم ہے۔ (۲:۶۵)

(۳۷) احکامِ خداوندی میں ٹال مٹول اور کج بحثی یہودیوں پر ختم تھی۔ (۲:۷۱)

(۳۸) یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم بھی تم لوگوں کی طرح ایمان لائے ہیں لیکن جب آپس میں ملتے تو کہتے تھے کہ تورات اور دیگر آسمانی کتب کی پیشین گوئیاں بابت نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھپا رکھو اور مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو۔ (۲:۷۶)

(۳۹) ان کے علماء اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ

اللہ کے پاس سے آیا ہے تاکہ کچھ مالی فوائد حاصل کرلیں۔ انہوں نے بائبل میں اپنی تفسیروں، قومی تاریخ کی جھوٹی سچی روایات، اوہام و قیاسات اور خیالی فلسفوں، غرض ہر متکلم کا الہیاتی عقیدہ. ہر فقیہ کا قانونی اجتہاد جمع کرلیا اور اس مجموعے کو کتبِ مقدس (بائیبل) میں جگہ دے کر اس کو اللہ کا قول (Word of God) بنا ڈالا۔ (۲:۷۹)

(۴۰) آیات (۲:۸۰ تا ۸۲) میں یہود عامی اور علماء کی اس غلط فہمی کا ابطال کیا گیا ہے کہ خواہ وہ کچھ بھی کریں کیونکہ وہ یہودی ہیں لہٰذا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے۔ بالفرض اگر وہ وہاں بھیجے بھی گئے تو چند روز کے لئے جائیں گے اور پھر جنت کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ (۲:۸۰ - ۸۱)

(۴۱) یہودیوں سے پکا عہد لیا گیا تھا کہ وہ شرک نہیں کریں گے، ماں باپ رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے. لوگوں سے بھلی بات کہیں گے، نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے۔ ایک دوسرے کا خون نہ کریں گے اور ایک دوسرے کو بے گھر نہ کریں گے لیکن چند کے سوا باقی سب یہودیوں نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔ (۲:۸۳ تا ۸۵)

(۴۲) یہودی وہ قوم ہے جس نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی ہے۔ (۲:۸۶)

(۴۳) جب بھی کوئی اللہ کا رسول ان کی خواہشات نفسانی کے خلاف کوئی چیز لے کر آیا تو یہودیوں نے اس کا انکار کیا اور دعوتِ حق کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی اللہ کے کسی رسول کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل تک کر ڈالا۔ (۲:۸۷) (۲:۹۱)

(۴۴) بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہودی ان کے ذریعے مشرکین و کفار پر فتح و نصرت کی دعائیں کرتے تھے لیکن بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (جب کہ وہ انہیں اور ان کی دعوت کو من جانب اللہ جان چکے تھے) انہوں نے نہایت ڈھٹائی سے انکار کر دیا۔ (۲:۸۹) اس سلسلے میں سب سے معتبر شہادت

ام المومنین حضرت صفیہ ؓ کی ہے جو خود ایک بہت بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے بڑے عالم کی بھتیجی تھیں۔ حضرت صفیہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہودی عالموں کی طرف سے میرے والد اور چچا آپ ؐ سے ملنے گئے اور بہت دیر تک سوال جواب کرتے رہے۔ دونوں واپس آئے تو ان کے چہروں کی وہ حالت نہ تھی جو جاتے ہوئے تھی۔ حضرت صفیہ ؓ فرماتی ہیں کہ گھر واپس آنے پر میں نے اپنے کانوں سے ان کی یہ گفتگو سنی:۔

چچا:۔ کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

باپ:۔خدا کی قسم، ہاں۔

چچا:۔ کیا تم کو اس کا یقین کامل ہے؟

باپ:۔ہاں خدا کی قسم بالکل مکمل یقین ہے۔

چچا:۔ پھر کیا ارادہ ہے؟

باپ:۔خدا کی قسم جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات نہیں چلنے دوں گا۔

چچا:۔ ہاں بھائی تم نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔

یہ تھا اس قوم کا کردار جس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر سرفراز کر رکھا تھا کہ ان میں پے در پے نبی بھیجے تھے. ان پر ہزاروں نعمتیں نچھاور کی تھیں. ان کی پے در پے خطاؤں کو معاف کیا تھا۔ (۲:۸۴ تا ۹۹)

(۴۵) یہودی دنیوی زندگی کے بہت دلدادہ تھے اور موت سے بہت ڈرتے تھے۔ ان کی اس کمزوری کو واضح کرتے ہوئے قرآن میں ان سے فہمائش کی گئی ہے کہ تم لوگ تو اللہ کے لاڈلے اور جنت کے زبردستی حق دار بنتے ہو تو پھر موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے جب کہ تمہارے دعوے کے مطابق آخرت میں بہترین انجام تمہارے لئے مخصوص ہے۔ (۲:۹۴ تا ۹۶)

(۴۶) یہودی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بہت عداوت رکھتے تھے اور انہیں رحمت کا نہیں بلکہ عذاب کا فرشتہ قرار دیتے تھے اور قرآن حکیم میں حضرت جبرائیل کے دشمن کو اللہ اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ (۲:۹۷ - ۹۸)

(۴۷) یہودی رسول اللہ کی مجالس میں محض زبان کے ہیر پھر سے توہین آمیز بات کہہ جاتے تھے۔ (۲:۱۰۴) سورۃ البقرہ میں ایک مثال دی گئی ہے کہ مجلسِ رسول اللہؐ میں سلام و کلام ہر طرح سے اپنے دل کا بخار نکالتے تھے۔ آپؐ کی توہین کے لئے ذو معنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہہ دیتے۔

(الف) سلام کرنے کے معاملے میں ابن جریر ابن ابی حاتم، بخاری اور مسلم کی روایات جو حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کردہ ہیں، میں یہودیوں کے سلام کرنے کا توہین آمیز طریقہ یوں بیان ہوا ہے "کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا السام علیک یا اباالقاسم یعنی السلام علیک کا تلفظ کچھ اس طرح سے کیا کہ سننے والا سمجھے سلام کیا ہے مگر دراصل انہوں نے سام کہا تھا جس کا مطلب موت ہے۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم (یعنی تمہارے پر بھی)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نہ رہا گیا انہوں نے یہودیوں کو مخاطب کر کے کہا موت تم پر آئے اور اللہ کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو تنبیہ کی کہ اے عائشہ اللہ کو بد کلامی پسند نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں انہوں نے آپ کو کیا کہا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہیں سنا کہ میں نے انہیں کیا جواب دیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ "تم پر بھی۔" یہودیوں کے علاوہ منافقین نے بھی سلام کرنے کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔

(ب) اسی طرح سورۂ النساء (۴:۴۶) میں بھی یہودیوں کی اس قبیح حرکت کی مثال دی گئی ہے کہ سمعنا (ہم نے سن لیا) اور اطیعنا (ہم نے قبول کیا) کے بجائے

آہستہ سے یا زبان لچکا کر عصینا (ہم نے قبول نہیں کیا) کہہ دیتے ہیں یا پھر غیر مسمع کہہ دیتے ہیں جو نہایت ذو معنی لفظ ہے۔ جس کے معنی یہ بھی ہیں کہ تم اس قابل نہیں کہ تمہیں کچھ سنایا جائے اور ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تم بہرے ہو جاؤ۔ اسی طرح مجلس نبویؐ میں اگر کسی بات کے لئے رسول اللہ کو متوجہ کرنا چاہتے (جو دھیان کہیں اور ہونے کی وجہ سے اور شرارتاً وہ بار بار کرتے تھے) تو انظرنا نہ کہتے (یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے) بلکہ ایک نہایت ذومعنی لفظ راعنا کہتے تھے جس کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ ذرا ہماری رعایت فرمائیں، لیکن یہودیوں کی اپنی زبان عبرانی میں اس کے معنی "سن تو بہرا ہو جائے" اور خود عربی میں اس کے معنی صاحب رعونت اور جاہل و احمق کے بھی ہیں اور ذرا زبان کو لچکا کر راعینا بھی کہہ ڈالتے تھے۔ جس کے معانی ہیں "اے ہمارے چرواہے" یہودیوں کی اس حرکت کی تین جگہ مذمت کی گئی ہے۔
(۱۰۴:۲) (۴۶:۴) (۸:۵۸)

(۴۸) یہودی اپنے انبیاء سے ہر طرح کے فضول اور لایعنی سوال جواب کرتے تھے اور اس طرح بات کو سمجھنے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیتے تھے۔ (۱۰۸:۲)

(۴۹) یہودیوں کا یہ زعم باطل کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے۔ (۱۱۱:۲)

(۵۰) یہودیوں کا یہ زعم کہ ہمارے علاوہ کسی مذہبی گروہ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔
(۱۱۳:۲ - ۱۳۵)

(۵۱) یہودیوں پر اگرچہ حق واضح ہو چکا تھا لیکن اپنے نفس کے حسد کی بنا پر وہ چاہتے تھے کہ اہلِ ایمان کو بھی کفر سے پھیر دیں۔ (۱۱۰:۲)

(۵۲) یہودی حامل کتاب اللہ (تورات) ہونے کے باوجود اللہ کے بیان کردہ احکام کو چھپاتے تھے۔ اس حرکت پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت کے مستحق ہو چکے ہیں، لیکن اگر وہ اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بیان کرنے لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے گا اور ان کا قصور معاف کر دے گا۔

(۲:۱۵۹ تا ۱۶۱)

(۵۳) یہودیوں نے اپنے جہلا کی توہمات، فقیہوں کی قانونی موشگافیوں، رہبانیت پسند علماء کے تشددات اور غیر مسلم قوموں کے غلبہ و تسلط کی بدولت اصل شریعت الٰہی پر بے جا قیود کا اضافہ کر لیا تھا۔ (۳:۵۰)

(۵۴) یہودی مکر و فریب کے ماہر تھے اور ان کے معاشرے کا نہایت ناپاک ماحول ہوتا تھا۔ (۳:۵۴ - ۵۵)

(۵۵) یہود کے صالح عنصر کی توصیف کی گئی ہے۔ (۳:۱۱۴) (۵:۶۶) (۷:۵۹)

(۵۶) یہودیوں پر اللہ کی مار و لعنت ہے۔ ان پر ہر جگہ ذلت کی مار ہے، اگر کہیں کچھ عرصے کے لئے طفیلی پناہ مل بھی گئی تو کچھ ہی عرصے کے لئے ہے۔ وہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور محتاجی و مغلوبی ان پر مسلط کر دی گئی ہے۔ (۳:۱۱۲) اور وہ قیامت تک ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔ (۷:۱۶۷)

(۵۷) یہودی خواہشات نفس کے خود تو پیرو کار ہیں ہی لیکن ساتھ میں یہ ان کی تمنا ہے کہ اہل ایمان کو بھی گمراہ کر دیں۔ (۴:۲۷)

(۵۸) ان جرائم کثیر کے ساتھ بھی یہودی اپنی پاکیزگی نفس کا بہت دم بھرتے تھے۔ (۴:۴۹)

(۵۹) یہودی جبت (جادو، کہانت، جوتش، فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون اور مہورت یعنی اوہام Superstitions. اور طاغوت پر ایمان رکھتے تھے حالانکہ انہیں کتاب اللہ (تورات) کا حامل بنایا گیا تھا۔ (۴:۵۱)

(۶۰) یہودی اس قدر اخلاقی تنزل کا شکار تھے کہ اہل ایمان کے مقابلے میں مشرکین کو راہ راست پر قرار دیتے تھے۔ (۴:۵۱)

(۶۱) یہودی اس قدر بخیل اور خسیص ہیں کہ اللہ کے نام پر ایک پھوٹی کوڑی دینے کے روادار نہیں ہیں۔ (۴:۵۳)

(۶۲) قبول حق کے لئے یہودی نارو ا اور ناجائز مطالبات کرتے تھے۔ (۴:۱۵۳)

(۶۳) یہودی ظالم ہیں۔ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، سود کھاتے ہیں اور لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں۔ (۴:۱۶۰ - ۱۶۱)

(۶۴) جھوٹ سنتے بولتے اور حرام کا مال کھاتے ہیں۔ (۵:۴۲)

(۶۵) یہودی نہایت بے انصاف قوم تھی مدعی اور مدعا علیہان سے ڈرتے تھے اور رقمیں لے کر انصاف بیچتے تھے۔ (۵:۴۴)

(۶۶) اہل ایمان کے مقابلے میں یہودی اور عیسائی ایک ہیں۔ (۵:۵۱)

(۶۷) یہودی مسلمانوں کی عبادات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۵:۵۸)

(۶۸) یہودی سواء السبیل سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (۵:۶۰)

(۶۹) یہودی بکثرت گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ بُری حرکات کرتے ہیں اور حرام کا مال کھاتے ہیں اور ان کے علماء و مشائخ ان باتوں سے منع بھی نہیں کرتے۔ (۵:۶۳)

(۷۰) یہودی بنیادی طور پر مفسد قوم ہے۔ فتنہ و فساد کی آگ ہر وقت بھڑکاتے ہیں۔ (۵:۶۴)

(۷۱) مشرکین کی طرح یہودی بھی اہل ایمان کی عداوت میں نہایت متشدد ہیں۔ (۵:۸۲)

(۷۲) یہودیوں نے خود کو حلال و حرام کی بے جا قیود میں جکڑا ہوا تھا۔ (۹:۱۵۷)

(۵) بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت عربوں کی اخلاقی حالت

عرب بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ایک ان پڑھ قوم تھی جس میں آپس کی جنگ و جدل نے خوب تباہی مچائی تھی اور دوسری طرف یہودیوں کی معاشی استحصال نے انہیں معاشی طور پر بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا۔ دنیا کا ہر شرعی عیب ان میں تھا۔ اخلاقیات کا ان میں نام ونشان نہ تھا اور کسی قسم کی الہامی تعلیمات سے وہ بالکل ناواقف تھے کیونکہ ان کے ہمسائے یہودی کسی قسم کی تبلیغی سرگرمی نہ کرتے تھے کیونکہ اس طرح ان کے

معاشی مفادات کو زد پہنچتی تھی۔ لیکن ان سب خرابیوں کے ساتھ کچھ ایسی خوبیاں اس قوم میں تھیں کہ بعثت خاتم النبیین کے لئے حق تعالیٰ نے ان کا انتخاب کیا۔ شجاعت، مہمان نوازی، کرم و سخاوت، وفائے عہد، خود داری و عزتِ نفس اور سادگی کے کچھ اوصاف اس قوم عرب میں پھر بھی تھے۔ جو ان کو دنیا میں پائی جانے والی دیگر قوموں سے ممتاز کرتے تھے۔

کرم و سخاوت اس قوم عرب کی سب سے بڑی صفت تھی۔ ویسے بھی خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب اطراف عالم سے آنے والے زائرین کے لئے انھیں بہرحال انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اپنی اس صفت کے وہ اس قدر دلدادہ تھے کہ جاہلی عرب کے شعری مجموعے میں سے آدھے کرم و سخاوت ہی کے بارے میں ہیں۔ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں بھی کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اس اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو خاندان بھر کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی تو اُسے بھی ذبح کر کے مہمان کے آگے پیش کر دیتے تھے۔ ان کے رئیس اور سردار بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اٹھا کر انسانوں کو خون ریزی اور بربادی سے بچا لیتے اور یہ بات ان کے معاشرے میں بڑے فخر سے گنی جاتی تھی اور سرداران باہم اس طرح کے کاموں پر فخر کیا کرتے تھے۔

وفائے عہد ان کی دوسری بڑی خوبی تھی اور عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی اور اس کی راہ میں اپنی اولاد کا خون اور گھر بار کی مکمل تباہی بھی کروا بیٹھتے تھے۔ سرداروں کی بات تو بہت بڑی ہے اگر ایک عام فرد بھی کسی کو پناہ دیتا تھا تو گویا وہ تمام قبیلے کی پناہ میں آگیا اور اس کی جان و مال گویا تمام قبیلے کی جان و مال سے زیادہ محترم ہو جاتی تھی۔

خود داری و عزت نفس پر قائم رہنا اور ظلم و جبر برداشت نہ کرنا جاہلی عرب کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ جب وہ کسی کام کو مجد و افتخار کا ذریعہ سمجھ کر انجام دینے پر تل جاتے تھے تو پھر زمین کی کوئی رکاوٹ ان کے لئے بڑی نہ تھی۔ ایفائے عہد کے بعد عزت نفس اور پختگی عزم سب سے گراں جواہر تھے جنہوں نے رسول اللہ ؐ کی قیادت میں دنیا سے

ظلم اور فساد ختم کر دیا۔

ان کی معاشرتی زندگی سادگی کا نمونہ تھی اور تمدن کی آلائشوں اور داؤ پیچ سے یکسر پاک تھی، اس لئے کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری و بد عہدی سے بہت دور تھے۔ ان قیمتی اخلاقی خوبیوں ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اہلِ عرب کو بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالت عامہ کا بوجھ اٹھانے کے لئے منتخب کیا اور نبوی اصلاح کے بعد عرب انسانی معاشرے کی قیادت کے لئے تیار کر لئے گئے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اخلاقی انقلاب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں جب تک ہم جاہلی عرب کی رزائل اخلاق پر بھی نظر نہ ڈالیں۔

(۱) شرک اور بُت پرستی جاہلی عرب کے دین کا سب سے بڑا روگ تھا۔ وہ بتوں کو حاجت روا اور مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جو اللہ سے سفارش کر کے ان کی مراد پوری کرا دیں گے۔ (۳۹:۳) (۱۰:۱۸) وہ ان بتوں کا باقاعدہ حج و طواف کرتے تھے اور انہیں باقاعدہ سجدہ کرتے تھے۔ بتوں کو نذرانے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں۔ (۵:۳) (۶:۱۲۱) وہ اپنی کھانے پینے کی چیزوں اور کھیتی اور چوپاؤں کی پیداوار میں ایک حصہ ان بتوں کے نام پر خاص کر دیتے تھے (۶:۱۳۶ تا ۱۳۸) اور ان نذروں کے جانوروں کے انہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی جیسے نام رکھ چھوڑے تھے اور ان سے کسی قسم کا مالی فائدہ اور خدمت نہ لیتے تھے۔ (۵:۱۰۳) (۶:۱۳۹) لات، عزیٰ، ہبل اور مناۃ ان کے مشہور بُت تھے۔

(۲) مشرکینِ عرب ازلام یعنی فال گیری بھی بہت کرتے تھے اور ہر کام سے پہلے فال نکالتے تھے۔ اس کے علاوہ کاہنوں، عرافوں اور نجومیوں کے جال میں پوری طرح پھنس گئے تھے اور بدشگونی جس کو عربی میں وہ طیرہ کہتے تھے ان میں بھی ملوث ہوتے تھے اور ان تمام مشرکانہ حرکات کی وجہ سے وہ نام نہاد مذہبی لیڈروں کے جال میں جکڑے ہوئے تھے۔

(۳) حرم کے پاسبان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے چند مخصوص اختیارات و حقوق حاصل کر لئے تھے مثلاً حج میں حدود عرفات سے باہر نہ جاتے تھے اور مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے۔ (۲:۱۱۹) اس کے علاوہ حج سے متعلق انہوں نے نہایت احمقانہ رسوم اختیار کر رکھی تھیں جن کی قرآن نے تردید و مذمت کی ہے۔ (۷:۳۱) (۲:۱۸۹)

(۴) عورت کی حیثیت اس معاشرے میں نہایت کمزور تھی بچیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ (۱۶:۵۸ - ۵۹) (۱۷:۳۱) (۸۱:۸ - ۹) (۴۳:۱۷) اور اگر جوان ہو بھی جائیں تو نکاح کے معاملے میں اس قدر ناروا رسوم رائج تھیں کہ عورت اور بھیڑ بکریوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بخاری کے کتاب النکاح اور ابو داؤد کے باب وجوہ النکاح میں نکاح جاہلیت کی چار اقسام بیان کی ہیں۔ غرض اس معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی ایک ایک مرد نے درجنوں بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور بعض اوقات اسے خود اپنی اولاد کی تعداد تک معلوم نہیں ہوتی تھی۔ بعض اوقات سگی بہنوں تک کو ایک آدمی اپنے نکاح میں رکھ لیتا تھا۔ باپ کے طلاق دینے کے بعد یا مرنے کے بعد سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا جاتا تھا۔ طلاق کا اختیار صرف مرد کو تھا۔ حائضہ سے ان کا سلوک نہایت توہین آمیز تھا۔

(۵) زنا کاری عروج پر تھی کوئی طبقہ اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت اس برائی میں ملوث ہونے میں کوئی عار نہ سمجھتی تھی۔ لاتعداد بیویوں کے ساتھ ساتھ بکثرت لونڈیاں رکھی جاتی تھیں جن سے کاروبار زنا کروایا جاتا تھا اور بڑے بڑے معزز افراد اس پیشہ سے کمایاں کھاتے تھے اور اسے ہرگز برا نہیں جانا جاتا تھا۔

(۶) زندگی اور موت کا کوئی تصور نہ رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ اخلاقی حسار جو آخرت میں جواب دہی کے خوف کی وجہ سے غیر اخلاقی سرگرمیوں سے روکتا

ہے ان میں تھا ہی نہیں۔ (۴۵: ۲۴ تا ۲۶) (۳۶: ۷۸ تا ۸۰)

(۷) انسانی حقوق کے لئے کوئی ضابطہ نہ تھا اور نہ ہی ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کے لئے کوئی قانون تھا۔ قتل انسان، حبس بے جا، تصرف ناجائز، مداخلت بے جا جیسے معاشرتی جرائم ان میں عام تھے۔

(۸) بت پرستی کے ساتھ ساتھ مشرکین عرب یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق و مدبر اللہ کی ذات حق ہے اور اس اعتراف حقیقت کو قرآن میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (۴۳: ۸۷) (۲۹: ۶۱ تا ۶۳) (۲۳: ۸۴ تا ۸۹) (۱۰: ۲۲ - ۲۳ - ۳۱) (۱۷: ۶۷) پھر ابراہہ کے خانہ کعبہ کے حملے کا واقعہ تو عرب کے بچے بچے کی زبان پر تھا۔ اس لئے انہیں اللہ ہی یاد آیا حالانکہ عین خانہ کعبہ کے اندر تین سو سے زیادہ بت موجود تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی دعا جو انہوں نے پہاڑوں میں جاتے ہوئے خانہ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر کی تھی اس کا ناقابل تردید ثبوت تھا انہوں نے یہ بھی کہا "اے اللہ یہ تیرا گھر ہے تو ہی اس کی حفاظت کر ہم اس سے قاصر ہو گئے ہیں۔" متعدد بت ایسے تھے جن کی اصلیت کے متعلق نہایت گئے گزرے غیر اخلاقی قصے ان میں مشہور تھے۔ مثلاً اساف اور نائلہ جن کے مجسمے صفا اور مروہ پر رکھے ہوئے تھے ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ ایک مرد اور عورت تھے جنہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ یہ حقیقت جن بتوں کی ہو ان کی حقیقی عزت عابدوں کے دلوں میں جیسی کچھ ہو گی اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔

(۹) اصحاب قبور اور فرشتوں کے زنانہ مجسموں کی پرستش کرتے تھے۔ باپ دادا کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ مظاہر قدرت سے شگون لیتے تھے۔ جنات کے بارے میں توہم پرستی ان میں عام تھی۔

(۱۰) یتیموں اور مسکینوں سے ان کا سلوک بہت برا تھا۔ یتیم بچوں کے مال کو ہڑپ کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے یا مال کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے

ان کا نکاح ہی نہ کرتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے عام طور پر مرنے والے کا بھائی یتیم بھتیجوں اور بیوہ بھاوج کے مال کو ہڑپ کر جاتا تھا۔

(۱۱) قتل کا انتقام لینے کے لئے قتل و غارت کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا تھا جس میں خاندان کے خاندان مٹ جاتے تھے۔

(۱۲) لباس اور برہنگی محض زینت اور موسمی اثرات ہی کے لئے ضروری جانتے تھے۔ شرم و حیا کا کوئی تصور نہ تھا۔ اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھول دینا، سرعام نہا لینا، راہ چلتے قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جانا ان کے شب و روز کے معمولات تھے۔ حد یہ تھی کہ حج میں طواف بھی برہنہ کر لیتے تھے اس طواف کے معاملے میں عورتیں مردوں سے زیادہ بے حیا تھیں اور اس بے شرمی کو ایک مذہبی فعل اور نیک کام جانتے تھے۔

(۱۳) عام بدامنی اور طوائف الملوکی عرب میں رائج تھی۔ کوئی شخص بھی چین سے نہیں تھا کہ کب دشمن صبح سویرے ان کی بستی پر حملہ آور ہو جائے۔ کوئی شخص اپنے قبیلے کی حدود سے باہر قدم رکھنے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ کوئی تجارتی قافلہ اطمینان سے سفر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ راستے میں جگہ جگہ انہیں ڈاکہ پڑنے کا خطرہ ہوتا تھا اور راستے بھر کے بااثر قبائلی سرداروں کو رشوتیں دے کر تجارتی قافلے بخیریت گزرتے تھے۔ قتل در قتل اور متحارب قبائل کے درمیان جنگ جوئی کا سلسلہ برس ہا برس تک چلتا تھا جن کو تاریخ عرب میں ایام العرب کہا کرتے تھے۔ ان لڑائیوں میں مارنا اور مر جانا شرافت اور آن کا تقاضا سمجھا جاتا تھا۔ خوں آشامی ان کی فطرت ثانی بن چکی تھی اور ان کی لڑائیوں میں سفاکی، بے رحمی اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی تھیں۔

(۱۴) جوا و قمار بازی، سود خواری، فواحش و بے حیائی، بے رحمی و سفاکی اور وحشت، چوری اور ڈاکہ زنی ان کی سوسائٹی کا نشان امتیاز بن چکے تھے۔ شراب نوشی ان

کی رگوں میں کینسر کی طرح سرایت کر گئی تھی جس کا اندازہ اس بات سے کر لیں کہ صرف شراب کے ان کی زبان اور کلام جاہلیت میں ڈھائی سو نام تھے۔ قرآن نے شراب نوشی جیسی برائی کو ان کے معاشرے سے تدریجاً مرحلہ وار دور کیا۔ (۲:۲۱۹) (۴:۴۳) (۵:۹۰)

(عرب کے حالات کے بارے میں اب تک کے مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل سیرت ؒ کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔)

(۱) الرحیق المختوم ؒ — صفی الرحمٰن مبارک پوری صاحب

(۲) رحمت للعالمین ؒ — قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ؒ

(۳) سیرت النبی ؒ — علامہ شبلی نعمانی ؒ

(۴) سیرت سرور عالم ؒ — سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ

عربوں کی اخلاقی حالت پر قرآن حکیم کا تبصرہ

عربوں کی اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی حالت کے بارے میں قرآن حکیم نے بھی نہایت مدلل ارشادات جگہ جگہ فرمائے ہیں جن کو ہم ایک خاص ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) مشرکین عرب اللہ کے تصور سے عاری نہ تھے۔ (۳۱:۲۵) لیکن وہ خدائے واحد کے قائل نہ تھے، بلکہ انہوں نے کئی خدایان اصغر بنا رکھے تھے اور اکیلے خدا کے نام پر ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ (۳۹:۴۵) وہ ان معبودان کو خدا کے دربار میں اپنا سفارشی قرار دیتے تھے جن کی سفارش رد نہیں کی جا سکتی۔ (۳۹:۳)

(۲) فرشتوں کو اللہ کے بال بچے قرار دیتے تھے۔ (۵۳:۱۹ تا ۲۱ - ۲۷)

(۳) خدا کے نیک بندوں (انبیاء کرام) کو انہوں نے خدائی میں حصہ دار بنا رکھا تھا۔ (۳:۷۹ - ۸۰) اور اسی طرح قرآن نے ان کے دیگر مشرکانہ خیالات و اوہام کی بھی تردید کی ہے۔ (۴۳:۱۶ - ۱۹ - ۲۲ - ۲۵) (۳۴:۴۰ تا

۴۲)

(۴) جنوں کی الوہیت کا تصور بھی ان میں رائج تھا جبکہ قرآن اس شرک کی تردید و مذمت کرتا ہے۔ (۳۷:۱۵۸) (۳۴:۴۱) (۶:۱۰۰) (۶:۷۲)

(۵) قریشِ مکہ اپنی مذہبی بڑائی کے زعم میں حج کے موقع پر عرفات تک جانے کے بجائے مزدلفہ ہی سے پلٹ آتے تھے۔ قرآن اس کی مذمت کرتا ہے۔ (۲:۱۹۹)

(۶) قریش نے حج کے موقع کو عبادتِ الٰہی کے بجائے اپنے آباؤ اجداد کی بڑائی کے قصوں کے بیان کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ قرآنِ حکیم نے اس کی مذمت کی ہے۔ (۲:۲۰۰)

(۷) قریش نے اللہ کی راہ میں مال خرچنے کو بھی اظہار بڑائی و تکبّر کا ذریعہ بنا ڈالا تھا۔ ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی حصول نیکی و فلاح کے لئے نہیں بلکہ دولت کی نمائش اور فخر و تکبّر کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ (۹۰:۶)

(۸) عربوں کا برہنہ ہو کر مسجدِ حرام کا طواف کرنا اور اس قبیح آبائی رسم کی قرآن نے مذمت کی ہے۔ (۷:۲۸)

(۹) فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (۱۶:۵۷ تا ۵۹) (۴۳:۱۸ - ۱۹)

(۱۰) زمانہ قریب میں عرب میں کوئی نبی نہ آیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے غفلت میں ڈوبی اس قوم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تاکہ غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم کو خبردار کریں۔ (۳۶:۶ - ۷)

(۱۱) عرب میں ہر طرف فساد اور طوائف الملوکی کی طرف قرآن کا اشارہ۔ (۴۷:۲۲)

(۱۲) عرب معاشرے میں یتیم کے ساتھ نہایت برا سلوک روا رکھا جاتا تھا. مسکین و فقیر کو کھانا بھی نہیں کھلایا جاتا تھا. معاشرے میں بھلائی نہ ہی خود کی جاتی تھی اور نہ ہی

دوسروں کو اس کی طرف مائل کیا جاتا تھا۔ مال و دولت کی محبت میں گرفتار تھے۔
یہاں تک کہ دوسروں کی میراث بھی ناجائز طور پر سمیٹ لیتے تھے۔ (۱۰۷:۲
- ۳) (۸۹:۱۷ تا ۲۰)

(۱۳) دیوتا اور دیویوں کے بھینٹ نذرانے چڑھانا جس کی کوئی دلیل نہ تھی۔
(۵۶:۱۶)

اب تک وہ قرآنی اشارات بیان کیے گئے ہیں جو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عربوں میں رائج رزائل اخلاق بیان کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے عربوں کو وہ احسانات بھی یاد کروائے ہیں کہ کس طرح عیسائیوں کی سازش بابت خانہ کعبہ، ملیامیٹ ہوئی (سورہ فیل۔ ۱۰۵) اور ساتھ ہی مشرکین مکّہ (قریش) کو وہ احسان عظیم بھی یاد کروایا گیا ہے کہ، کس طرح اللہ نے انہیں جاڑے اور گرمیوں کے سفروں سے مانوس کر دیا اور انہیں بھوک اور بدحالی سے دعائے ابراہیم کے صدقے بچائے رکھا اور عرب کے فساد زدہ علاقے میں بھی مکمل امن وچین عطا کیا۔ (سورۂ قریش۔ ۱۰۶) (۱۲۶:۲) (۳۵:۱۴ - ۳۷ تا ۳۹) لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے اس اخلاقی باولے پن کو بھی آشکار کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دعوتِ حق کے خلاف انہوں نے اختیار کیا۔

(۱) قریش نے اپنی ہی قوم کے افراد کو جو دعوتِ اسلام پر ایمان لائے تھے انہیں بیت اللہ میں عبادت سے روک دیا۔ ان کے اس جرم عظیم پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم کا اعلان کیا۔ (۱۱۴:۲) کیونکہ حضرت ابراہیمؑ سے ان کی اولاد کی پیشوائی کا وعدہ ظالموں کے لئے نہ تھا۔
(۱۲۴:۲)

(۲) قریش لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے، اللہ سے کفر کرتے، مسجد حرام کو خدا پرستوں پر بند کرتے، اہل ایمان کو ایمان لانے کی پاداش میں ان کے گھروں سے نکالتے تھے۔ ان کے لئے ماہِ حرام کی حرمت کے باوجود سخت سزا کا اعلان

کیا گیا۔ کیونکہ وہ اہلِ ایمان کو دینِ حق سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کے انفرادی اور اجتماعی مظالم کرتے تھے۔ (۲:۲۱۷)

(۳) قریش جو زعم خود بیت اللہ کے مجاور اور متولی بنے ہوئے تھے، ان کی عبادت کا یہ حال تھا کہ سیٹیاں بجاتے، تالیاں پیٹتے غرض ایک بے معنی شور و غل اور لہو و لعب تھا وہ مسجد حرام کے جائز متولی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کے جائز متولی تو اہلِ تقویٰ مومنین ہی ہو سکتے ہیں۔ قریش کو تنبیہ کہ بیت اللہ سے تمہارا تعلق تمہیں تمہاری حرکات کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے ہرگز محفوظ نہیں کر سکتا۔ (۸:۳۴ - ۳۵) (۹:۱۷ تا ۱۹) کیونکہ تمہارے شرک کے ساتھ مسجدِ حرام کی مجاوری اور تولیت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

(۴) قریش کو تنبیہ کہ آثار اقوام سابقہ دیکھو اور عبرت پکڑو، تم کس لحاظ سے ان معذوب قوموں سے بہتر ہو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کا ایسا بُرا انجام کیا تو تم کیونکر ایسے بُرے انجام سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ (۵۴:۴۱ تا ۴۳)

(۵) مکّہ کے خوشحال لوگ ہی دعوتِ حق کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے تعصبات اُبھار کر اور فریب دے دے کر عوام الناس کو دعوت حق سے ورغلا رہے تھے۔ (۷۳:۱۱) (۷۴:۱۱ تا ۲۶) (۶۸:۱۴)

(۶) قریش دعوتِ حق کے خلاف اس قدر بدحواسی کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ قرآن نے ان کی مثال جنگلی گدھوں سے دی ہے، جو شیر کی بو پا کر نہایت بدحواس ہو جاتے ہیں۔ (۷۴:۵۰ - ۵۱)

(۷) قریش کے ایک سردار کے کردار کی تصویر کشی جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا پھرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے، راہ حق سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزرا ہوا ہے، سخت بد اعمال ہے، جفا کار (بد خلق، سفاک اور جھگڑالو) اور ان سب پر یہ کہ بد اصل ہے۔ (۶۸:۱۰ تا ۱۵)

(۸) قریش مکہ کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور تلاوتِ قرآن

کی آواز سن کر مذاق اڑانے اور آوازے کسنے کے لئے چاروں طرف سے دوڑے پڑتے تھے۔ (۷۰:۳۷)

(۹) وہ مبارک شہر مکّہ جس میں جنگلی جانوروں کو بھی امان تھی اور درختوں تک کو کاٹنا عربوں کے نزدیک حرام تھا اس مبارک اور بابرکت شہر میں قریشِ مکّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر طرح طرح کے مظالم کو حلال قرار دے رکھا تھا۔ (۹۰:۱ - ۲)

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا میں قابل ذکر اقوام کی اخلاقی حالت کا بیان ختم ہوتا ہے۔ یہ باب نہایت اہم اس لئے بھی ہے کیونکہ کسی بھی تحریک اور اس کے برپا کرنے والی ہستی کے اصلاحی کام کی صحیح نوعیت کبھی سامنے نہیں آسکتی جب تک وہ حالات ہماری نظر میں نہ ہوں جن میں وہ مصلح اور اس کی تحریک کام کرتی تھی کہ کن حالات سے اسے سابقہ تھا۔ حالات کتنے بُرے تھے اور ان کی اصلاح کس حد تک اور کس وقت میں کی گئی۔ جس قدر بُرے حالات میں کوئی تحریک برپا ہوتی ہے اور اصلاح کرتی ہے اتنا ہی بڑا مقام اس تحریک کو حاصل ہوتا ہے۔ اوپر دی گئی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مجوسی، ہندومت اور عربوں کے پاس تو کوئی اخلاقی پس منظر تھا ہی نہیں محض آبا و اجداد اور مذہبی ٹھیکیداروں کی آلائشیں تھیں۔ جب کہ دوسری طرف عیسائی اور یہودی بے شک حاملان کتاب اللہ تھے لیکن انہوں نے تعلیمات خداوندی میں اس قدر تحریف کر رکھی تھی کہ وہ تعلیمات خداوندی نہیں بلکہ ان کے مذہبی پیشواؤں کی گمراہ کن تعلیمات تھیں۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں عربوں کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جو اخلاقیات کا معراج تھا۔ قرآنِ حکیم میں بیان کردہ فضائلِ اخلاق (وہ مثبت اخلاق جو مسلمان میں ہونا چاہئے) اور رزائل اخلاق (وہ منفی اخلاق جو مسلمان میں نہیں ہونا چاہئے) کے بیان سے پہلے ہم ایک باب میں اخلاقِ انبیاء اور اخلاقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاقِ صحابہ کرامؓ پیش کریں گے تاکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ اخلاقی انقلاب کے مکمل خدوخال دیکھنے

سے پہلے معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرامؑ عموماً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً
کس اخلاقی معراج کے مالک تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ عز و جل کی
مدد اور نگرانی (Help and Guidence) کے ساتھ کن خطوط پر اپنے صحابہ
کرامؓ کی اخلاقی تربیت کی تھی کہ مکمل انسانی تاریخ میں یہ ہستیاں ہی خدائی اخلاق کا نمونہ
تھیں جن سے انسانیت اپنی بقایا زندگی کے کسی بھی مرحلے پر مثال لے کر اپنے ہی بھلے کے
لئے اپنے معاشروں میں قرآن کی اخلاقی تعلیمات رائج کر سکتی ہے۔ جس میں ان کے لئے
دنیوی بھلائی بھی ہے اور اُخروی کامیابی و فلاح تو ہے ہی۔

باب چہارم

اخلاق انبیاءؑ ، اخلاق نبویؐ ، اخلاق صحابہ کرامؓ

(الف) اخلاق انبیاء علیہم السلام

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "روز قیامت مومن کے میزان میں اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔" معلّم الاخلاق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول فیصل کی روشنی میں ہمیں حسنِ اخلاق کو بر سرِ عمل لانے کی ہر کوشش میں حصہ لینا ہوگا اور اس کے لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی صورت میں ایک مثال نہایت واضح طور پر قرآنِ حکیم کے ارشادات کی صورت میں فراہم کر رکھی ہے۔ قرآنِ حکیم کوئی انبیائے کرام کی تعریف و توصیف کی کتاب نہیں ہے. لیکن پھر بھی ہمیں جابجا اس قافلۂ اسلام کے سالاروں کے اخلاق کے نمونے مل جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ارشادات قرآن ملاحظہ ہوں:۔

انبیائے کرامؑ کے اخلاق کی قرآنی تصویر

(۱) اسوۂ ابراہیم علیہ السلام ہمیں نیک عمل پر بھروسہ. قناعت اور الحاح و زاری سے اس عمل کی قبولیت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲:۱۲۷)

(۲) حضرت ابراہیمؑ کی صفات عالیہ کا قرآنی بیان۔ (۱۶:۱۲۰ تا ۱۲۳) (۲۱:۵۱) (۱۹:۴۱) (۲۶:۷۹) (۹:۱۱۴) (۱۱:۷۵) (۶۰:۴) (۵۳:۲۷ - ۳۷)

(۳) حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحاقؑ بڑی قوت عمل رکھنے

والے اور دیدور یعنی باعمل اور دلی بصیرت رکھنے والے حق بین اور حق شناس افراد تھے۔ (۳۸:۴۵ - ۴۷)

(۴) حضرت ابراہیمؑ منتخب انسانوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے۔ (۲:۱۳۰) (۳:۳۳) (۱۶:۱۲۲) (۱۹:۵۰) (۲۹:۲۷)

(۵) حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے اور انہیں صدیق کا خطاب دیا گیا۔ (۴:۱۲۵) (۱۹:۴۱)

(۶) حضرت ابراہیمؑ اللہ کے سامنے جھک جانے والے، وفاشعار، صاحبِ قلبِ سلیم، صاحبِ رُشد اور اپنی ذات میں ایک امت تھے۔ (۱۶:۱۲۰ تا ۱۲۲) (۵۳:۳۷) (۳۷:۸۴) (۲۶:۷۹) (۲:۱۳۱) (۲۱:۵۱)

(۷) حضرت ابراہیمؑ ہر امتحان میں پورے اترے اور ہر وعدہ انہوں نے ایفا کیا۔ (۵۳:۳۷)

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے ایک شخص آیا اور آپؐ کو "اے خیرالبریہ" کہہ کر مخاطب کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین خلق تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (کتاب الفضائل، مسلم)

(۸) حضرت یوسفؑ کو صدیق (راست گو) کا خطاب دیا گیا۔ (۱۲:۴۶)

سورہ یوسف میں بیان کردہ روداد یوسف علیہ السلام کو قرآن نے احسن القصص قرار دیا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے نامساعد حالات میں جس ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اس کی وضاحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ "سب سے بزرگ حضرت یوسفؑ ہیں کہ خود نبی تھے۔ نبی کی اولاد تھے۔ اللہ کے نبی خلیل اللہ کے پوتے تھے۔ یوسف میرے بھائی کی طرح اگر مجھے قید خانے سے بلاوا آتا تو میں فوراً چل پڑتا۔" (استقامت یوسفؑ یہ تھی کہ حکم رہائی آیا تب بھی شرطیں پیش کیں کہ پہلے میری بے گناہی کا تحقیقات کے بعد فیصلہ کرو)

(روایت حضرت ابو ہریرہ۔ کتاب الفضائل۔ مسلم)

(۹) حضرت موسیٰؑ کو ان کی ایک چھوٹی سے خدمتِ خلق کا نقد اور نیک بدلہ مل گیا۔ (۲۸:۲۳ تا ۲۸)

(۱۰) حضرت موسیٰؑ کو رسولِ کریم (شریف) اور رسولِ امین (امانت دار) کہا گیا ہے۔ (۴۴:۱۷ - ۱۸)

(۱۱) حضرت موسیٰؑ نے صبر و ثبات، عزم و بے خوفی کے لئے دعا کی جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ (۲۰:۲۵ تا ۳۶)

ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حضرت موسیٰؑ بڑے حیادار اور باپردہ تھے۔ حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ مشکوۃ المصابیح۔ باب ذکر انبیاء)

(۱۲) حضرت عیسیٰؑ نہایت بابرکت تھے، نیک بخت اور اپنی والدہ سے اچھا سلوک کرنے والے تھے اور جبّار و شقی ہرگز نہ تھے۔ (۱۹:۳۰ تا ۳۲)

(۱۳) حضرت یحییٰؑ کو حکم، نرم دلی، پاکیزگی عطا ہوئی وہ بہت پرہیزگار اور والدین کے حق شناس تھے۔ وہ نہ ہی جبار تھے اور نہ ہی نافرمان۔ (۱۹:۱۲ تا ۱۴)

(۱۴) حضرت ایوبؑ نہایت صابر، نعم العبد (بہترین بندے) اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (۳۸:۴۱ تا ۴۴) (۲۱:۸۴)

(۱۵) حضرت داؤدؑ کو اللہ نے علم عطا فرمایا، (۲۷:۱۵) جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل خاص قرار دیا ہے۔ (۳۴:۱۰) حضرت داؤدؑ کو دانش اور معاملات میں صحیح صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد بڑی وافر عطا ہوئی تھی۔ (۳۸:۲۰)

(۱۶) حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد تھے۔ (۱۹:۵۴) انہیں "غلام حلیم" قرار دیا گیا۔ (۳۷:۱۰۱) اور حضرت اسماعیلؑ، الیسعؑ اور ذوالکفلؑ نیک لوگوں میں (اخیار) میں سے تھے۔ (۳۸:۴۷)

(۱۷) حضرت اسماعیلؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت ذوالکفلؑ صابر لوگوں میں سے

تھے۔ (۲۱:۸۵)

(۱۸) مشہور اخلاقی معلم حضرت لقمانؒ کے اخلاقی نصائح۔ (۳۱:۱۳ تا ۱۹)

اب ہم ان اخلاقی خصائص کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف منسوب فرمائے ہیں اور کوئی خاص تخصیص نہیں فرمائی۔

(۱) انبیاء کے اوصافِ حمیدہ۔ (۶۸:۱ تا ۴)

(۲) نبوت سے سرفراز فرماتے ہوئے حق تعالیٰ اپنے انبیاء کو کن اخلاقی صفات کو اپنانے کا حکم دیتا ہے۔ (۷۴:۱ تا ۷)

(۳) انبیاء مخلص (اللہ کے اپنے لئے خالص کردہ) بندے ہوتے ہیں۔ (۱۹:۵۱)

(۴) انبیاء صالح، محسن اور عبادت گزار ہوتے ہیں۔ (۲۱:۷۲ - ۷۲ - ۷۳ - ۸۶) (۶:۸۶) (۳:۳۸ - ۴۵) (۳۷:۱۱۲) (۶۸:۵۰) (۲:۱۳۰) (۱۶:۱۲۱) (۲۹:۲۷) (۲۱:۷۵)

(۵) صفتِ امانت یعنی امین ہونا انبیاء کی صفتِ خاص ہے۔ (۷:۶۸) (۲۶:۱۰۷ - ۱۲۵ - ۱۴۳ - ۱۶۲) (۴۴:۱۸) (۸۱:۲۱) (۱۲:۵۴)

(۶) تمام انبیائے کرام کی تعلیم تھی کہ تقویٰ اختیار کرو۔ (۷:۶۵) (۵:۱۱۲) (۳:۴۹) (۴۳:۶۳) (۲۳:۳۲) (۷۱:۳) (۳۷:۱۲۴) (۲:۱۴۴ - ۱۵۰) (۲۶:۱۱ - ۱۰۶ - ۱۱۰ - ۱۲۶ - ۱۴۲ - ۱۴۱ - ۱۶۳ - ۱۷۹ - ۱۸۴) (۴:۱۳۱) (۲۹:۱۶) (۱۵:۶۹) (۱۱:۷۸) (۲۱:۴۸) (۷:۱۶۴ - ۱۷۱) (۶:۵۱) (۱۰:۳۱) (۱۱:۴۹) (۱۹:۹۷) (۲۳:۸۷) (۲:۶۳)

(۷) انبیاء کرام انسانوں سے کسی مالی منفعت اور اجر کے طالب نہیں ہوتے بلکہ ان کا اجر اللہ کے ذمے ہوتا ہے۔ (۱۱:۲۹ - ۵۱) (۱۰:۷۲) (۳۴:۴۷) (۶۸:۴۶) (۳۶:۲۱) (۳۸:۸۶) (۴۲:۲۳) (۵۲:۴۰)

(۱۰۴:۱۲) (۱۰۹:۲۶ - ۱۲۷ - ۱۴۵ - ۱۶۴ - ۱۸۰) (۵۷:۲۵)

(۷۲:۲۳) (۹۱:۶)

(۸) انبیاء کرام نبوت و بعثت سے پہلے ہی غور و فکر کر کے اور عقلِ سلیم استعمال کر کے حقیقت توحید پا چکے ہوتے ہیں۔ (۱۷:۱۱ - ۲۸ - ۶۳ - ۸۸)

(۹) انبیاء کو جو علم دیا جاتا ہے وہ عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا (۶۲:۷) (۴۳:۱۹)

(۱۰) انبیاء کرام کو علم اور حکم (حکم سے مراد قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار سب شامل ہیں) عطا ہوتا ہے۔ (۲۲:۱۲) (۲۱:۷۴ - ۷۹) (۲۶:۲۱ - ۸۳)

(۱۱) انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد دنیا میں عدل قائم کرنا ہے۔ (۲۵:۵۷)

(۱۲) انبیاء کرام اللہ کے دیئے ہوئے علم کو لوگوں تک پہنچانے میں ہرگز بخیل نہیں ہوتے۔ (۲۴:۸۱)

ہم نے قرآنِ حکیم سے ان عظیم ہستیوں کے اخلاق کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں اور ان حضراتِ انبیاء کی تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دی تھیں۔ اب ہم اگلے صفحات میں قرآنِ حکیم اور احادیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا بیان کریں گے۔

(ب) اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں ہم سب سے پہلے قرآن کی ان تعلیماتِ اخلاق کو لیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاشرت کے لئے صحابہ کرامؓ کو دی گئیں ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے باعثِ نجات ہے۔

(۱) احترام نبویؐ کی برکات ہی سے صحابہ کرامؓ کو اسوۂ حسنہ میں سے خاص حصہ ملا

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیائے کرامؑ کے بعد دوسرا درجہ عطا فرمایا۔
(۱۵۷:۷) (۱:۴۹ تا ۳) (۶۳:۲۴) (۹:۴۸)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سوئے ظن کی ممانعت۔ (۱۶۱:۳)

(۳) بارگاہِ رسالت میں ہر ایسے لفظ کا استعمال ممنوع ہے جس سے کسی درجے میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال ہو۔ (۱۰۴:۲) (۴۶:۴) (۸:۵۸)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سننے کا حکم تاکہ انہیں بات دھرانے کی ضرورت نہ پڑے۔ (۱۰۴:۲)

(۵) اہل ایمان کو تلقین و تنبیہ کہ یہودیوں کی طرح تم اپنے نبیؑ سے زیادہ قیل و قال نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ بس جن امور کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو جن سے روکا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور جن معاملات و امور میں سکوت اختیار کیا گیا ہے انہیں مت کریدو۔ اس رویہ میں تمہاری اپنی بھلائی ہے۔ (۱۰۸:۲ - ۱۰۹)

(۶) احکام و آداب مجلسِ نبویؐ اور مجلس نبوی کو نجویٰ (سرگوشی) سے پاک رکھنے کا حکم (۱۱:۵۸ تا ۱۳)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاشرت کے آداب۔

(i) آپؐ سے پہلے کلام (تقدیم) نہ کرو۔

(ii) آپؐ کے فیصلے سے پہلے فیصلہ نہ کرو اور آپؐ کی اطاعت کا حکم۔

(iii) آپؐ کی محبت کو تمام محبتوں پر فائق رکھو۔

(iv) آپؐ کا نام بے ڈھنگے طریقے سے نہ پکارو۔

(v) کئی معاملات کے فائدے نقصان کو تمہاری عقل ناقص نہیں سمجھ سکتی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرو۔

(vi) آپؐ پر درود و سلام بھیجو۔

(vii) آپؐ کی ایذا رسانی حرام ہے۔ (۱:۴۹ تا ۴ - ۵ - ۷)

(۳۳:۵۳ - ۵۷ - ۶۹) (۲:۱۰۴ - ۱۰۸)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آنے کا حکم۔
(۷:۱۵۶ - ۱۵۷) (۴:۴۶ - ۱۱۵) (۴۸:۸ - ۹) (۵۹:۷) (۴۹:۱ تا ۵) (۲۴:۶۲ تا ۶۴) (۳۳:۵۳ تا ۵۷ - ۵۹) (۸:۲۲ - ۲۴) (۲:۱۰۴) (۹:۶۱ - ۶۳ تا ۶۵) (۸:۱۳ - ۱۴) (۵۸:۸) (۵۹:۴)

احادیث نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آدابِ معاشرت کے متعلق مندرجہ ذیل ہدایت ملتی ہیں:۔

(۱) "جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ (ان میں اول یہ ہے کہ) اللہ اور اس کے رسول سے محبت اس کے دل میں ہر محبت سے بڑھ کر ہو (یعنی سخاوت، ایثار، حلم، صبر اور تواضع جیسے اخلاقی فضائل میں آپ کی پیروی کرے۔) روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب الایمان۔ بخاری)

(۲) حضرت انس بن مالکؓ ہی روایت کرتے ہیں کہ قرآن میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال جواب کرنا منع ہوا تھا اس لئے ہم پسند کرتے تھے کہ کوئی بدو اعرابی آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے۔ (کتاب العلم۔ بخاری)

(۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نام پر اپنا نام رکھو (یعنی محمد یا احمد) لیکن میری کنیت (ابوالقاسم) نہ رکھو۔

(روایت انس بن مالکؓ۔ کتاب البیوع۔ بخاری)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے خطبہ دیا اور کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے معاملے میں کیا میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں مجھے یوں کہو اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول۔

(کتاب بدٔا الخلق ۔ بخاری)

(۵) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ مجلسِ نبویؐ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے کوئی صحابی ان سے نظر نہ ملاتا تھا، سوائے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دیکھ کر مسکراتے تھے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ صحابہ کرامؓ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیٹھے ہوں تو صحابہ تعظیماً کھڑے رہیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا "ایسا کام نہ کرو جیسے فارس اور روم والے اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں یاد رکھو آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔"

(روایت ابو امامہ باہلیؓ ـــ کتاب الدعا۔ ابن ماجہ)

(۷) صحابہ کرامؓ کی سعادت مندی اور ادبِ بزرگاں کی مثال حضرت سمرہؓ بن جندب کی وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میں ایک لڑکا تھا آپؐ کی حدیثیں یاد کرتا تھا لیکن بولتا نہیں تھا کہ مجھ سے بڑے بوڑھے لوگ مجلس نبوی میں ہوتے تھے۔

(کتاب الجنائز۔ مسلم)

اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق کے بارے میں قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ کے بیانات بیان کرتے ہیں لیکن سب سے پہلے تین احادیث نقل کرنا بہت ضروری ہے۔

(i) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے مکارمِ اخلاق درست کرنے اور محاسنِ اخلاق بیان کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح نے امام احمدؒ کی شرح

السند سے روایت کیا ہے۔)

(ii) اسامہ بن شریک ؓ کی روایت ہے کہ ایک اعرابی بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بندے کو دی جانے والی چیزوں میں سب سے بہتر کیا چیز ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا "خوش خلقی" (کتاب الطب۔ ابن ماجہ)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری مرد کے استفسار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل مومن وہ ہے جو اخلاق کا اچھا ہو. سب سے عقل مند مومن وہ ہے جو اپنی موت کو یاد رکھے اور موت کے بعد آنے والے وقت کی خوب تیاری کرتا رہے۔ (کتاب الزہد۔ ابن ماجہ)

جب خوش اخلاقی ہی معراجِ ایمان ہے. جب مکارم و محاسنِ اخلاق کی درستگی ہی وجہ بعثتِ نبوی ؐ ہے اور جب خوش خلقی ہی سب سے بڑی نعمت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل جس کا نمونہ انہوں نے اپنی زندگی میں پیش کیا ہے ہمارے لئے بہترین مثال ہے. اس مثال کو قرآن میں جگہ جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم اور اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) آپ اخلاق کے بلند مرتبے پر تھے اور اس حقیقت پر قلم، دوات اور تحریر کی قسم رب تعالیٰ نے خود کھائی ہے۔ (۶۸:۱تا۶)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (۵۳:۶ - ۷)

(۳) آپ ؐ تمام عالم کے لئے نمونۂ تقلید تھے اور آپ ؐ کی زندگی اخلاقِ حسنہ کا مکمل نمونہ و معیار تھی۔ (۳۳:۲۱)

(۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا۔ آپ نے سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیات تلاوت

فرمائیں۔ (۲۳: ۱تا۱۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کا کیا کہنا، آپ کی ذاتِ مسعود میں کمالِ انسانیت کے تمام جواہر و خصائص جمع کر دیئے گئے تھے۔ ایک اور موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کان خلقہ القرآن (یعنی آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔) روایت سعد بن ہشام۔ کتاب صلوۃ المسافرین۔ مسلم اور کتاب قیام اللیل۔ نسائی۔ قرآن مجید نے انسانی سیرت کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مکمل نمونہ تھے۔

(۵) آپؐ کو شرح صدر (ذہن کا تمام شکوک و خلجان اور ہر قسم کے تردّد سے پاک ہو کر اسلام پر مطمئن ہو جانا) عطا کیا گیا اور تلاشِ حق کا بوجھ جو آپ کے دل و دماغ پر تھا اسے ہلکا کر دیا گیا تھا۔ (۹۴:۱)

(۶) بعثت سے پہلے آپؐ کی صداقت اور اعلیٰ کردار۔ (۱۰:۱۶ - ۱۷) (۲۳:۶۸ تا ۷۰)

(۷) آپؐ حق اور راستی پر تھے۔ (۲۷:۷۹)

(۸) آپؐ راسخ العزم، مستقیم الارادہ اور حق تعالیٰ پر مکمل بھروسہ و توکّل رکھنے والے تھے۔ (۹:۴۰)

(۹) آپؐ فراخ حوصلہ اور فیاض تھے کہ دشمنوں کے لئے بھی دعا کرتے رہتے تھے۔ (۹:۸۰)

(۱۰) آپؐ کا ذکر بلند کیا گیا ہے۔ (۹۴:۴)

(۱۱) آپؐ نہایت نرم خو تھے اور کسی سے درشتی سے پیش نہ آتے تھے۔ (۳:۱۳۵)

(۱۲) آپؐ بندگان خدا کی ہدایت و فلاح کے لئے دل میں سچی تڑپ رکھتے تھے۔ (۱۸:۶)

(۱۳) آپ ؐ اپنی امت سے بہت محبت رکھتے تھے اور امت کی فلاح کے حریص تھے۔ (۹:۱۲۸)

(۱۴) آپ ؐ عربوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے جہان کے لئے رحمت تھے۔ (۲۱:۱۰۷)

(۱۵) آپ ؐ راتوں کو ذکر اور یاد اللہ میں جاگنے والے تھے۔ (۷۳:۲۰)

(۱۶) آپ ؐ ایک سچے انسان تھے جو تمام زندگی راہِ حق پر ثابت قدم رہے۔ (۵۳:۲ - ۳)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا ہوا۔ (۱۷:۷۹)

(۱۸) آپ ؐ نے اپنے اصل مقصدِ بعثت سے کبھی تجاوز نہیں کیا اپنے مقصدِ حقیقی سے کبھی ادھر ادھر نہیں ہوئے۔ (۵۳:۱۷)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ جن کو رئیس المفسرین ہونے کا شرف حاصل ہے اور جن کی قرآن فہمی پر حضرت عمر فاروق ؓ کو بڑا اعتماد تھا فرماتے ہیں کہ. (۶۸:۴) خلقِ عظیم جو رسول اللہ صلعم سے منسوب کیا جا رہا ہے یہ اسلام، دین عظیم ہی ہے اور اللہ کے نزدیک دینِ اسلام سے محبوب کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی آیت کے حوالے سے حضرت علی مرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں, خلقِ عظیم سے مراد آداب القرآن یعنی وہ آداب اور جواہرِ سیرت ہیں جو قرآن نے سکھائے ہیں۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ بابرکات دراصل مجموعہ ہے تمام اخلاق حسنہ اور اخلاق فاضلہ کا اور یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اس کام کے لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تعمیر و تکمیل کر دوں۔ (ابو حیان)

احادیث نبوی ؐ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے پیش کرنے سے پہلے اخلاق کی ضرورت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ارشادات ملاحظہ ہوں۔

(i) حضرت ابوالدرداؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ "میزانِ عمل میں حسنِ اخلاق کے برابر کسی چیز کا وزن نہ ہو گا۔"
(ترمذی)

(ii) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمان اپنے حسنِ خلق سے اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو راتوں میں عبادت میں جاگتا اور دن کو روزے رکھتا ہے۔" (ابو داؤد)

(iii) حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا حاکم مقرر فرمایا تو میرے ساتھ ساتھ مدینہ کے مضافات تک آئے اور فرمایا "اے معاذ! لوگوں سے حسنِ سلوک اور حسنِ خلق کا برتاؤ کرنا۔"

(رواۃ امام مالکؒ)

یہ حسن اخلاق اور حسن سلوک کیا ہوتا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عملی نمونہ کیا پیش کیا تھا؟ رسول اللہ کی حیثیت بحیثیت معلم و مربی، مزکّی اور پیشوا و نمونۂ تقلید ایک عام عظیم انسان کی حیثیت میں نہ تھی بلکہ مامور من اللہ رسول کی لازمی صفت کے ساتھ تھی۔ اور اس بات کو سمجھ لینا آگے چلنے سے پہلے بہت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے محض آیات قرآن پہنچا دینے ہی کے لئے مبعوث نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی بعثت کے تین واضح مقاصد تھے۔

(i) آپؐ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں۔

(ii) اس کتاب اللہ کی منشا کے مطابق حکمت سکھلائیں۔

(iii) افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں یعنی اپنی تربیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی اخلاقی برائیوں کو دور کریں اور ان کے اندر اچھے اوصاف اور قرآنی نظامِ اخلاق و اجتماعیت کو فروغ دیں۔

ان مناصب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مامور من اللہ ہونا قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ (۱۲۹:۲) (۱۵۱:۲) (۱۶۴:۳) اور (۲:۶۲) اس کے علاوہ آیات (۳۱:۳ - ۳۲) اور (۲۱:۳۳) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

مامور من اللہ پیشواء اور نمونہ تقلید قرار دیا گیا ہے اور (۲۱:۳۳) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ان ہی وجوہ کی بناء پر اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت پانے کے لئے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی لازم قرار دیتے ہوئے فرمادیا گیا کہ اگر تم اللہ اور یوم آخر کے امیدوار ہو تو واحد طریقۂ فلاح یہ ہی ہے کہ اسوۂ رسول اللہ ؐ کی پیروی کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے عملی نمونے

(۱) کسی بھی شخص کے اخلاق کی سب سے بڑی گواہی وہ ہے جو اس کے دشمن دیں یا ایسے لوگ دیں جو اسے پہلے سے جانتے نہ ہوں۔ ہم متعدد واقعات میں سے صرف چار واقعات ہی بیان کرتے ہیں تاکہ اس عظیم ترین شخصیت کا یہ پہلو واضح کیا جاسکے۔

(i) سب سے اول گواہی ہم ابوسفیان بن حرب کی پیش کرتے ہیں، جو اس نے نصرانی بادشاہِ روم ہرقل کے دربار میں دی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔ ہم طویل مکالمے میں سے صرف متعلقہ سوال و جواب پیش کرتے ہیں۔

سوال نمبر (۱) :۔ ہرقل:۔ اس شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تم میں خاندان کیسا ہے؟

جواب ابوسفیان :۔ بڑا عزت والا خاندان ہے۔

سوال نمبر (۲) :۔ امیر آدمی اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب؟

جواب :۔ غریب لوگ۔

سوال نمبر (۳) :۔ تم نے اس کو کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے؟

جواب :۔ نہیں کبھی نہیں۔

سوال نمبر (۴) :۔ وہ عہد شکنی کرتا ہے؟

جواب :۔ نہیں اب تک تو کبھی نہیں کی، ہاں اب ہم نے اس کے ساتھ ایک معاہدہ (صلح حدیبیہ) کیا ہے، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے۔

سوال نمبر (۵) :۔ وہ تم کو کیا کیا حکم دیتا ہے؟

جواب :۔ وہ کہتا ہے اکیلے خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اپنے باپ داوا کی شرک کی باتیں چھوڑ دو۔ وہ ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

اس سوال و جواب کے اختتام پر ہرقل نے سوال و جواب نمبر (۱) کے حوالے سے کہا واقعی پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم کے عالی خاندان میں سے ہوتا ہے۔ سوال و جواب نمبر (۲) کے حوالے سے اس نے کہا کہ یہ سچ ہے کہ، پیغمبروں کے اولین پیرو کار غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ سوال و جواب نمبر (۳) کے حوالے سے ہرقل نے کہا کہ جو لوگوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھے گا۔ سوال و جواب نمبر (۴) کے حوالے سے ہرقل نے کہا، واقعی پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں وہ عہد کے پابند ہوتے ہیں اور عہد نہیں توڑتے۔ سوال و جواب نمبر (۵) کے حوالے سے ہرقل نے کہا کہ اگر یہی اس کی تعلیمات ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا بھی مالک ہو جائے گا جہاں میرے پیر ہیں (یعنی ملک شام)۔ میں ضرور جانتا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ تم میں آئے گا۔

(روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ (کتاب الوحی۔ بخاری اور کتاب الجہاد والسیر۔ مسلم)

(ii) حضرت ابو ذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے وطن بنو غفار میں سنا کہ مکہ میں ایک قریش نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ میرا بھائی مکہ جا رہا تھا میں نے کہا اے بھائی ذرا دیکھ سن کر آنا کہ وہ شخص جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے کیا کہتا ہے۔ میرے بھائی نے آکر کہا "وہ اچھے اخلاق کا مالک ہے اور یہ ہی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔"

(روایت ابو ذر غفاری ؓ ۔ کتاب الادب ۔ بخاری) اور
(روایت حضرت ابن عباس ؓ ۔ کتاب الفضائل ۔ مسلم)

(iii) عمرو بن عبسہ ؓ جو قبیلہ بنی سلم سے تھے روایت کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں بھی میں یقین رکھتا تھا کہ لوگ گمراہی پر ہیں ۔ میں نے جب یہ خبر سنی کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو بہت سی خبریں دیتا ہے تو میں مکہ آیا ۔ ان دنوں رسول اللہ ؐ چھپ کر کام کر رہے تھے اور ان کی قوم ان پر غالب اور مسلط تھی ۔ میری محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا مجھے اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے اور میری تعلیم ہے کہ ناتے واروں سے نیکی کرو، بتوں کو توڑ دو، میں ایک اکیلے خدا کی عبادت کرنے اور شرک کرنے سے روکتا ہوں ۔ میں نے کہا آپ ؐ کے ساتھ کون ہے تو کہنے لگے ایک آزاد اور ایک غلام ۔ میں نے عرض کی کہ میں بھی آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں فرمایا، ان دنوں تم سے یہ نہ ہو سکے گا ۔ کیا تم میرا اور میرے ساتھیوں کا حال نہیں دیکھتے ہو ۔ تم اپنے گھر کو لوٹ جاؤ اور جب سنو کہ میں غالب آگیا ہوں تب میرے پاس آنا ۔ (ایک لطیف نقطہ اس واقعہ میں بھی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے یہ محسوس کیا کہ یہ شخص پردیسی بھی ہے اور ایک کمزور قبیلے کا ہے اس لئے قریش کی مخالفت و تشدد اس کی طاقت سے باہر ہے اس لئے اس شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف میں نہ ڈالا اور اسے بعد میں آنے کو کہا جب دین اسلام غالب ہو جائے جس کی کامیابی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول روز سے یقین کامل تھا) میں خبر رکھتا رہا ۔ پھر آپ مدینہ چلے گئے اور مجھے خبر ملی کہ آپ ؐ کی قوم نے آپ کو مار ڈالنا چاہا مگر کچھ نہ کر سکی ۔ پھر مجھے خبر ملی کہ لوگ آپ کی طرف دوڑ رہے ہیں ۔ میں بھی مدینہ آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ! آپ نے مجھے پہچانا ۔ آپ ؐ نے فرمایا تم وہی ہو جو مجھے مکے میں ملے تھے اور پھر مجھے آپ ؐ نے اسلام کے متعلق تعلیم دی ۔

(کتاب فضائل القرآن ۔ مسلم ۔ اِس کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح میں یہ حدیث

مسند احمد کے حوالے سے لائی گئی ہے۔)

(iv) قریش نے ایک قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ بھیجا اس نے آپ ؐ کو دیکھا تو اسلام اس کے دل میں داخل ہو گیا۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب میں واپس مکہ نہ جاؤں گا آپ ؐ نے کہا میں عہد نہیں توڑتا اور قاصدوں کو نہیں روکتا تم واپس جاؤ اگر تمہارے دل میں یہی بات رہی تو واپس آجانا چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر مسلمان ہو گیا۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داؤد سے)

(۲) کسی بھی شخص کی مکمل گواہی اس کے اہل خانہ دے سکتے ہیں۔ اس باب میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات ؓ کی روایات نقل کریں گے جو انہوں نے اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دی ہیں۔

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی گواہی ان کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبری ؓ کی زبانی :۔

غارِ حرا میں اولین وحی کے نزول کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوف زدہ حالت میں کانپتے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہ ؓ سے تمام واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا "خوش ہو جائیے آپ ؐ کا رب آپ کو کبھی رنجیدہ اور رسوا نہیں کرنے لگا۔ خدا کی قسم آپ تو ناتے والوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اپنے ذمے لے لیتے ہیں (یعنی عیال، اطفال، یتیم اور مساکین کا بوجھ)، جو چیز کسی کے پاس نہیں ہوتی وہ اسے دلوا دیتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور معاملات و مقدمات میں حق کی پیروی کرتے ہیں۔"

(روایت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ (کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر۔ بخاری) اور (کتاب الایمان۔ مسلم)

(ii) حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے صحابہ کرام ؓ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا "گھر کا کام کاج کرتے تھے، گھر

والوں کی خدمت کرتے تھے اور جب نماز تیار ہوتی تو کام کاج چھوڑ کر نماز کے لئے چلے جاتے تھے۔"

(کتاب النفقات اور کتاب الایمان۔ بخاری)

(iii) حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتے تھے چاہے کوئی گننے والا گننا چاہے تو آخیر تک گن سکتا تھا اور بخوبی یاد کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

(کتاب المناقب۔ بخاری) (کتاب المناقب۔ ترمذی)

(iv) حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کبھی پورا ہنستے نہیں دیکھا (یعنی قاہ قاہ قہقہہ لگانا) بلکہ آپ کا ہنسنا بس مسکرانا تھا۔

(کتاب الادب۔ بخاری۔ اس کے علاوہ یہی بات حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے باب المناقب۔ ترمذی اور صلوۃ الاستسقاء۔ مسلم میں بھی مروی ہے)

(v) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نیک کام کرتے تھے جو انسان آسانی کے ساتھ ہمیشہ کر سکے۔ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ درستگی کے ساتھ عمل کرو اور میانہ روی اختیار کرو۔ اللہ وہی عمل پسند کرتا ہے جو انسان ہمیشہ کر سکے خواہ تھوڑا ہی ہو۔ فرماتے تھے کہ نیک کام میں اتنی تکلیف اٹھاؤ جو اٹھا سکو اور جس کی بآسانی طاقت رکھتے ہو۔ (کتاب الرقاق۔ بخاری) (کتاب الصلوٰۃ۔ موطا امام مالکؒ) (باب الاستیذان و الادب۔ ترمذی) (کتاب صلوۃ المسافرین۔ مسلم) اور (کتاب قیام اللیل۔ نسائی)

(vi) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آندھی اور بادل دیکھ کر آپؐ کا چہرہ خوف زدہ ہو جاتا تھا اور آپ پریشانی اور بے چینی میں اِدھر سے اُدھر پھرتے تھے۔ پھر بارش شروع ہونے پر نہایت خوش ہوتے میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا ڈرتا ہوں کہ کہیں عذابِ الٰہی نہ ہو جو میری امت پر بھیجا گیا ہو اور پھر جب بارش ہوتی تو کہتے یہ تو رحمتِ خداوندی ہے۔

(کتاب الصلوٰۃ الاستسقاء۔ مسلم)

(vii) حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے کسی خادم اور کسی عورت اور کسی کو بھی مار پیٹ نہیں کی۔

(کتاب النکاح۔ ابن ماجہ اور داری)

(viii) بنی سواۃ کے ایک مرد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا اے امت کی ماں، مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق بیان کرو تو انہوں نے کہا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

"وانک لعلی خلق عظیم"

(یعنی تو بڑے اخلاق والا ہے)

(کتاب الاحکام۔ ابن ماجہ)

(ix) حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کو بُرا کہتے نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ کا کپڑا تہہ کیا جاتا تھا۔ (یعنی آپ کے پاس اتنے فالتو کپڑے ہی نہیں ہوتے تھے کہ ان کو تہہ کر کے رکھا جائے)

(کتاب اللباس۔ ابن ماجہ)

(x) حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام داہنے ہاتھ سے شروع کرتے تھے اور یہی آپ کو اچھا لگتا تھا۔ طہارت (غسل) کرنے میں، جوتا پہننے میں اور کنگھی کرنے میں غرض ہر کام داہنے ہاتھ ہی سے شروع کرتے تھے۔

(کتاب الوضو۔ کتاب اللباس اور کتاب الصلوٰۃ۔ بخاری)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ایک اور پہلو خادمین رسولؐ کی گواہی اور ان ارشادات نبویؐ سے اجاگر ہوتا ہے جو غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور اسلامی معاشرے میں

رائج فرمائے جن کی برکات سے عرب میں صدیوں سے رائج نظام غلامی چند برسوں میں مکمل طور پر ختم ہو گیا اور ایسا اسلام کے اصلاحی پروگرام کے دیگر تمام گوشوں کی طرح تربیت و تدبیر کے ساتھ تدریجاً کیا گیا، نہ کہ قانون کے زور پر جیسا کہ آج کل چند "مصلحین" چاہتے ہیں کہ ایک آرڈیننس کے ذریعے اسلام نافذ کر دیا جائے تو خلافت راشدہ لوٹ آئے گی۔ اسلام کو ہر نبی و رسول ؑ نے تدریجاً نافذ کیا ہے اور اب بھی ایسا کرنا ہے تو اسوۂ انبیا ہی دلیل و مثال اول قرار پائے گی۔ ہم تو ایسا ہی سمجھتے ہیں اگر کوئی متضاد دلیل رکھتا ہے تو ضرور بیان کرے۔

(i) حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: "آنحضرت جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ؐ کے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ ابو طلحہ ؓ (حضرت انس ؓ کے سوتیلے والد) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے کہ انس سمجھ دار لڑکا ہے۔ آپ ؐ کے پاس رہ کر خدمت کرے گا اور پھر میں نے سفر اور حضر میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی۔ پھر اگر میں کبھی غلطی کر بیٹھا تو مجھے نہیں کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا میں نے اگر کام نہ کیا تو نہیں کہا کہ تو نے ایسا کیوں نہ کیا۔ جیسا میں نے کہا تھا اور مجھے کبھی اف کا کلمہ تک نہ کہا (مار پیٹ تو بہت بڑی بات ہے۔)

(کتاب الوصایہ۔ کتاب الدیات۔ بخاری) (داری) بلکہ مسلم کی کتاب الفضائل میں اتنا زائد ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے مجھے کسی کام سے بھیجا میں بازار میں آکر بچوں سے کھیل میں لگ گیا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑی اور بولے تو وہاں گیا جہاں میں نے تجھے بھیجا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ابھی جاتا ہوں (اور مجھے کچھ بھی نہیں کہا)۔

(ii) حضرت زید بن حارثہ ؓ کے بھائی جبلہ بن حارثہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں

معلوم ہوا کہ ہمارا گم شدہ بھائی زید مکّہ میں محمدؐ نامی ایک شخص کا غلام ہے۔ ہم حاضر ہوئے اور رسول اللہؐ سے تمام احوال بیان کیے کہ ہمارا بھائی ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہمارے خاندان کو خوشی حاصل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا زید یہاں ہی ہے میں اسے بلاتا ہوں اگر وہ تمہارے ساتھ جاتا ہے تو میں بخوشی اجازت دیتا ہوں لیکن وہ اگر نہیں جاتا تو میں دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ ہم نے کہا آپ نے بالکل حق بات کی ہے چنانچہ زید کو بلایا گیا۔ رسول اللہ نے کہا کہ ان افراد کو پہچانتا ہے انہوں نے کہا ہاں میرا باپ ہے. میرا چچا ہے اور میرا بڑا بھائی ہے۔ رسول اللہؐ نے کہا تجھے اپنے ساتھ وطن لے جانا چاہتے ہیں اگر تو جانا چاہے تو میری طرف سے آزاد ہے۔ زید نے کہا یا رسول اللہؐ میں نہیں جانا چاہتا۔ میں آپؐ کے پاس ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میں (جبلہ بن حارثہ) بولا خاندان اور آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے. لیکن پھر مجھے اپنے بھائی (زید بن حارثہؓ) کی رائے اپنی رائے پر افضل معلوم ہوئی۔ (مشکوۃ المصابیح بحوالہ ترمذی) اس روایت کو بار بار پڑھیں. آخر وہ کیا چیز تھی. وہ کیا سلوک تھا. جس نے حضرت زیدؓ کی خاندان سے فطری محبت پر بھی غلبہ پالیا؟

(iii) اسی سے منسلک ایک اور روایت ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف آزاد فرمایا بلکہ انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور مکّہ میں انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ایک خاص فضیلت دی کہ حضرت زیدؓ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا۔ (الاحزاب ۳۳:۳۷) اور ان کے لڑکے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی طرح پیار کرتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ نے انہیں ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابی ایک عام سپاہی کی طرح شرکت فرما رہے تھے۔ وہی حضرت اسامہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایسے وقت

مدینہ آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی موت والی بیماری میں مبتلا تھے اور بول نہیں سکتے تھے۔ مجھے سینے سے لگایا اور دونوں ہاتھ میرے اوپر رکھتے تھے اور کبھی اٹھاتے تھے اور میں سمجھ گیا کہ میرے لئے دعا کرتے ہیں۔
(مشکوۃ المصابیح نے روایت لی ترمذی سے)

(iv) حضرت زید بن حارثہ جیسی مثال حضرت سفینہ رضی کی بھی ہے جو روایت کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھے کہا میں تجھے اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تو جب تک زندہ رہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہے گا۔ میں نے کہا اے امت کی ماں تو یہ شرط نہ بھی رکھتی تو بھی میں زندگی بھر آپ ؐ کی خدمت کرتا۔
(مشکوۃ المصابیح نے لیا ابو داؤد اور ابن ماجہ سے)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تواضع اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے جو خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی سے روایت ہے کہ. رسول اللہ صلعم غلاموں کی دعوتِ طعام بھی ضرور قبول کرتے تھے۔ (کتاب التجارات۔ ابن ماجہ)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا یہ حال تھا کہ مدینہ کی کوئی ادنیٰ لونڈی تک آپ کو اپنے کام کے لئے ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کام کر کے ہی واپس آتے تھے۔ (روایت حضرت انس بن مالک رضی کتاب الادب۔ بخاری اور کتاب الفضائل۔ مسلم اور کتاب الزہد۔ ابن ماجہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کے مالکان کو سفارش کر کے ان کا محصول (یا رقم مکاتبت) کم کروا دیا کرتے تھے۔ (روایت حضرت انس بن مالک رضی۔ کتاب الاجارات۔ بخاری)

(vii) حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی فرماتی ہیں کہ جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس میں بار بار فرماتے تھے نماز اور لونڈی غلام کا خیال رکھنا۔

یہاں تک کہ آپ ؐ کی زبان بند ہو گئی۔ (کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ) اس کے علاوہ ابن ماجہ ہی نے کتاب الوصایہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی ایسی ہی روایات کی ہیں۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح میں اسی قسم کی روایات کو مسند احمد. ابو داؤد اور بیہقی (شعب الایمان) سے اکٹھا کیا گیا ہے۔

غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں ان تعلیمات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اسلامی ریاست میں پوری طرح رائج فرمایا۔ اس کی لاتعداد مثالوں میں سے صرف دو مثالیں ہم پیش کرتے ہیں۔

(i) ابو مسعودؓ بدری سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ کوڑے کی آواز میں میں نے آواز سنی. جان لے اے ابو مسعود! میں غصے میں تھا میں نے آواز کو نہیں سمجھا کہ کون کہتا ہے۔ اتنے میں آواز قریب آئی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دھرا رہے ہیں۔ جان لے اے ابو مسعود! جان لے اے ابو مسعود! جان لے اے ابو مسعود! میں نے کوڑا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا (ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ کی ہیبت سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جان لے اے ابو مسعود! اللہ تیرے پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جو تو اس غلام پر رکھتا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں اب غلام کو کبھی نہیں ماروں گا۔

(ii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کا نتیجہ ہمیں معرور بن سویدؓ کی روایت کردہ ایک حدیث سے ملتا ہے جو بیان کرتے ہیں کہ رندہ کے مقام پر حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، تو وہ ایک اچھی چادر اوڑھے ہوئے تھے، لیکن عین اسی قسم کی چادر ان کے غلام نے بھی اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے کہا اے ابوذر تم نے چادر غلام کو کیوں دے دی اپنے پاس رکھتے تو ایک جوڑا ہو جاتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہنے لگے کہ ایک دفعہ میرے ایک بھائی (جو غلام

تھا اور نووی ؒ نے کہا وہ حضرت بلال ؓ تھے) اور مجھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا ہو گیا۔ اس کی ماں عجمی تھی میں نے اس کی ماں کو بُرا بھلا کہا۔ اس بھائی نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی۔ مجھے بلایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے ابو ذر ! تجھ میں ابھی جاہلیت ہے۔ (جاہلیت میں لوگ ماں باپ پر فخر کیا کرتے تھے اور دوسروں کے ماں باپ کو حقیر جانتے تھے) میں نے کہا یا رسول اللہ ! جب کوئی دوسرے کو بُرا بھلا کہے گا تو لوگ اس کے ماں باپ ہی کو بُرا بھلا کہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ کہا اے ابو ذر ! تجھ میں جاہلیت ہے۔ (اگر اس نے تجھ کو بُرا بھلا کہا تھا تو تو بھی اس کو بُرا بھلا کہہ لیتا اس کی ماں کو کیوں بُرا بھلا کہا) پھر فرمانے لگے اے ابو ذر ! یہ لوگ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے نیچے کر دیا (یعنی تمہاری ملکیت میں دے دیا) تو کھلاؤ انہیں جو خود کھاتے ہو اور پہناؤ انہیں جو خود پہنتے ہو اور انہیں ان کی سکت سے زیادہ تکلیف نہ دو۔ اگر کام سخت ہو تو ان کے ساتھ خود بھی شریک ہو جاؤ۔ پھر ابو ذر ؓ بولے کہ اس دن سے میں اپنے غلام کا اسی طرح خیال کرتا ہوں جس طرح اپنا کرتا ہوں۔

(کتاب الایمان۔ مسلم)

(۴) احسان شناسی ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مدینہ اور انصار مدینہ نے تحریک اسلامی کو پناہ دے کر جو احسانات کیے تھے ان احسانات کی مکمل ماہیت سمجھنے کے لئے ہجرت مدینہ کے حالات پیش نظر رکھنے ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے کے قریش کے کتمانِ حق سرگرمیوں سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور آپ ؐ کی اجازت سے قریش مکّہ کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے اہل ایمان دو دفعہ ہجرت حبشہ کر چکے تھے۔ (اگرچہ ہم یہاں پر صرف ہجرت مدینہ ہی پر اظہار خیال کر رہے ہیں لیکن نجاشی نے جس طرح اہلِ ایمان کو حبشہ میں پناہ دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمیشہ اس پر احسان مند رہے اور نجاشی کے لئے نہ صرف دعائے خیر کرتے تھے بلکہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا دورہ بھی اس لئے فرمایا تھا تاکہ تحریکِ اسلامی کو ایک موافق ماحول میسر آجائے لیکن وہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سلوک کیا گیا وہ ایک الگ قصہ ہے اور ہم اپنی کتاب "دعا" کے صفحہ (۶۹) پر تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ ان حالات میں اہلِ مدینہ کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ انہوں نے آگے بڑھ کر رسول اللہ کا دامن تھام لیا اور انہیں مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور تحریکِ اسلامی کا مرکز مدینہ منورہ قرار پایا اور یہاں سے دس سال کے اندر اندر یہ تحریک تمام عرب میں پھیل گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اہل مدینہ کے اس کردار کو سراہا اور ہمیشہ یاد رکھا۔ ہم ذیل میں اہل مدینہ کی قربانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ اور اہل مدینہ (انصار) سے بے لوث محبت کے واقعات نقل کرتے ہیں جس سے اخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور پہلو اجاگر ہوتا ہے۔

(i) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے دنوں میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر انصار کی ایک مجلس پر ہوا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو. تو کہنے لگے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس یاد آتی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عباسؓ میں سے کسی نے اس واقع کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بے چین ہو گئے کہنے لگے مجھے مسجد میں لے چلو. پھر بیماری کی شدت کی وجہ سے سر پر کپڑا باندھے مسجد میں منبر پر تشریف لائے۔ (اس کے بعد منبر پر دوبارہ نہ چڑھ سکے یہاں تک کہ فوت ہوئے) اور بعد حمد و ثنا فرمانے لگے۔

"انصار کے حق میں میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے راز دان اور

بمنزلہ گٹھڑی کے ہیں۔ ان کے ذمہ جو بھی حق تھا وہ انہوں نے بخوبی ادا کر دیا ہے، لیکن ان کا حق باقی رہ گیا۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے نیکوں کا عذر قبول کرو اور ان کے بدکاروں سے درگزر کرو۔"

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا بخاری سے)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ "انصار روز بروز کم ہوتے جائیں گے چنانچہ تم میں سے جو بھی اختیار رکھے (یعنی صاحب اقتدار ہو) وہ انصار کے نیکوں کی نیکی کا خیال رکھے اور ان کے بروں کی برائی سے درگزر کرے۔"

(کتاب الجمعہ ــ بخاری)

(ii) مدینہ شہر سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مثالی تھی۔ خاص خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب بھی کسی سفر سے واپس آتے تو مدینہ پر نظر پڑتے ہی آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک جاتا اور سواری کو تیز کر دیتے اور مدینہ کے لئے دعا فرماتے تھے کہ "اے رب! اپنے دوست ابراہیمؑ کی دعا پر جتنی برکت تو نے مکہ میں ڈالی ہے میری دعا پر اس سے دوگنی مدینہ میں ڈال دے۔"

(کتاب المناسک۔ بخاری) اور (مشکوۃ المصابیح متفق علیہ)

اس کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور حرہ سقیا (قرب مدینہ کا ایک مقام جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا نخلّہ تھا) پر آئے۔ وضو کا پانی طلب کیا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ ابراہیم تیرا بندہ اور دوست تھا اور دعا کرتا تھا مکّہ کی برکت کے لئے۔ میں بھی تیرہ بندہ اور رسول ہوں اور دعا کرتا ہوں مدینہ والوں کی برکت کے لئے۔ ان کے مد اور صاع میں اس برکت سے دوگنی جو مکہ والوں کے لئے ہے اور ہر برکت کے ساتھ دو برکتیں یعنی مکہ والوں سے چوگنی برکتیں۔"

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(iii) فتح مکہ کے بعد جب غزوۂ حنین پیش آیا تو اموال غنائم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قریش کے سرداروں کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ انصار کا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا "قریش نئی نئی جاہلیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے ہیں اور انہوں نے مصیبت بھی پائی ہے۔ مصیبت سے مراد ہے کہ جس دین ناحق پر وہ قائم تھے حق تعالیٰ نے اسے منہدم کر دیا اس لئے جنگ کے میدان میں شکست کے ساتھ یہ احساس کہ ان کے دین کی بنیاد ہی باطل قرار پائی ہر طرح سے ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ جاہلی معاشرے میں جو لوگ آگے تھے اسلامی انقلاب کے بعد انہیں واقعات نے پیچھے کر دیا۔ ان حقائق ہی کو اس حدیث میں "مصیبت" قرار دیا گیا ہے۔ میں ان کی دل شکنی کا علاج چاہتا تھا اور ان کا دل پرچانا چاہتا تھا۔ انصار کے لوگو کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ لوٹ کا مال لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو گھر لے جاؤ اور پھر فرمایا کہ اگر انصار کسی نالے اور گھاٹی میں جائیں گے تو میں بھی ان کے پیچھے جاؤں گا۔ اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی تو میں بھی انصار ہوتا۔ انصار میرا استر ہیں (وہ کپڑا جو جسم سے لگتا ہے) اور دوسرے مسلمان ابرہ (وہ کپڑا جو اوپر ہوتا ہے اور جسم کے ساتھ نہیں لگتا ہے) اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے اور اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم لڑتے تھے اور اللہ نے میری وجہ سے تمہارے دل ملا دیئے، تم محتاج تھے اور اللہ نے میری وجہ سے تمہیں مال دار کر دیا تمام انصار رونے لگے اور کہتے جاتے تھے یا رسول اللہؐ آپ کا احسان ہے جو ہم نہیں اتار سکتے۔ ہم میں سے بعض بے وقوف لڑکوں نے یہ بات کر دی ہے، ہم راضی ہیں ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں ٹھہرو تم بھی یہ کہہ سکتے ہو کہ اے اللہ کے رسول کوئی آپ کی تصدیق کرنے والا نہ تھا ہم نے تصدیق کی، سارے

عرب میں کوئی آپ کا مددگار نہ تھا ہم نے آپ کی مدد کی اور آپؐ کے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا تو ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا اور تم ایسا کہو تو بے شک ٹھیک ہی کہو گے۔ انصار نے روتے ہوئے کہا یا رسول اللہؐ! آپ کا ہی ہم پر احسان ہے ہمارا کوئی احسان نہیں ہے۔" (روایات حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم۔ کتاب المناقب اور کتاب المغازی۔ بخاری اس کے علاوہ کتاب الفضائل۔ مسلم اور کتاب المناقب۔ ترمذی)

(iv) فتح مکّہ ہی کا واقعہ ہے کہ جب اہل ایمان مکّہ میں فتح یاب ہو کر داخل ہو رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ تمام انصار کو آواز دے کر میرے پاس جمع کر دو اور میرے پاس انصار کے سوا اور کوئی نہ آئے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار پر بہت اعتبار کرتے تھے) اتنے میں حضرت عباسؓ کی پناہ میں ابوسفیان سامنے آگیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! قریش کا گروہ تباہ ہو گیا آج قریش نہ رہیں گے۔ رسول اللہ نے حکم دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا. جو خانہ کعبہ میں پناہ لے گا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ انصار آپس میں کہنے لگے دیکھو اللہ کے رسول کو اپنے قبیلے کی ماتا آگئی اور حال یہ ہے کہ ان کا خون ابھی ہماری تلواروں سے ٹپکتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے اب ہمارے ساتھ مدینہ نہیں جانے کے اور اپنے وطن مکہ ہی میں رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن لیا اور انصار کو کہنے لگے۔

"میں نے ہجرت کی اللہ کی طرف اور تمہاری طرف اے انصار! اب میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور میری موت بھی تمہارے ساتھ۔ انصار رونے لگے اور کہتے تھے یا رسول اللہؐ ہم نے صرف آپ کی حرص میں یہ بات کہی ہے (کہ کہیں آپ اپنے وطن مکہ ہی میں نہ رہ پڑیں اور ہم خالی ہاتھ

واپس مدینہ جائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کے رسول نے تمہاری تصدیق کی اور تمہارا عذر قبول کیا۔" (روایت حضرت ابوہریرہؓ کتاب الجہاد والسیر۔ مسلم)

یہ تو تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کہ کس طرح ہر ہر موقع پر وہ انصار مدینہ کا احسان یاد رکھتے تھے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ اخلاق صحابہ کرامؓ کے باب میں آگے چل کر انصارِ مدینہ کے احوال بیان کریں گے کہ دینِ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انہوں نے کیا کیا قربانیاں دیں۔

(۵) اب ہم سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہلِ بیت کے ساتھ محبت و اخلاق کا بیان کریں گے۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ خانہ سے محبت کرنے والی شخصیت تھے۔ (A Man of Family)

(i) حضرت فاطمۃ الزہراؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور حضورؐ ان سے اور ان کے صاحب زادوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور ان کے خاوند حضرت علی کرم اللہ وجہ سے سب سے زیادہ محبت و پیار کرتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ چال چلن. عادات و اطوار اور خصلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ میں نے حضرت فاطمہؓ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔ رسول اللہؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے وہ آتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے. محبت سے بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے. اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے تو حضرت فاطمہؓ بھی کھڑی ہو جاتیں محبت سے بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(ii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی ام کلثومؓ (جو حضرت عثمان بن عفانؓ کی

اہلیہ تھیں اور ۹ ھج میں فوت ہوئیں تھیں) کے جنازے میں بوقت تدفین حاضر تھے اور غم سے آپ ؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

(روایت حضرت انس ؓ بن مالک۔ کتاب الجنائز۔ بخاری)

(iii) ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ کے گھر گئے اور جلو خانے میں بیٹھ کر نہایت بےقراری سے پکارنے لگے بچہ لاؤ بچہ لاؤ۔ حضرت فاطمہ ؓ شاید حضرت امام حسن ؓ کو نہلا رہی تھیں یا ہار وغیرہ پہنا رہی تھیں۔ پھر حضرت امام حسن ؓ بھاگتے ہوئے آئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگالیا، ان کا بوسہ لیا اور فرماتے تھے یا اللہ اس سے محبت رکھ اور جو اس سے محبت رکھے اس سے بھی محبت رکھ۔

(روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ۔ کتاب البیوع۔ بخاری)

(iv) ابو قتادہ ؓ (حارث بن ربعی) انصاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نماز پڑھ رہے تھے اور انہوں نے اپنی نواسی امامہ (حضرت زینب ؓ بنت محمد اور حضرت ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی بیٹی تھیں) کو کندھے پر بٹھا رکھا تھا جب آپ ؐ رکوع اور سجدے میں جاتے تو انہیں زمین پر اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ کندھے پر بٹھا لیتے۔

(کتاب الصلوٰۃ۔ بخاری اور کتاب المساجد۔ مسلم اور اس کے علاوہ دارمی اور مشکوٰۃ المصابیح نے بھی یہ روایت لی ہے۔)

(v) حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں مجھے سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجہ ؓ پر آتا تھا پتہ نہیں کیا حال ہوتا جو میں ان کا زمانہ پاتی اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہر دم یاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ ؓ کی سہیلیوں کو ضرور ہدیہ بھیجتے تھے۔ (ابواب المناقب اور ابواب البر والصلہ۔ ترمذی)

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ ؓ کی عمروں میں ۱۵ سال کا فرق تھا.

لیکن دونوں میں اتنی محبت تھی کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ تمام عمران کو یاد کرتے رہے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے کہ حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد آئیں اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر تڑپ گئے اور فرمایا اللھم ہالہ (خدایا یہ ہالہ ہیں) کیونکہ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے مشابہ محسوس ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں اس پر جل گئی اور میں نے کہا " آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو اتنا یاد کرتے ہیں جسے انتقال کئے مدت گزر گئی اور اللہ نے آپؐ کو اس سے اچھی بیوی دی۔ " مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ میری اس بات پر حضورؐ کو غصہ آگیا اور میں نے آپؐ کو ناراض دیکھ کر عرض کیا "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آئندہ خدیجہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی طرح نہیں کروں گی۔ اسی طرح بلاذری نے انساب الاشرف میں حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک کالے رنگ کی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے آئی تو آپؐ نے نہایت مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ اس عورت کی آمد پر آپؐ کے اس قدر خوش ہونے کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا یہ خدیجہؓ کی سہیلی تھی اس کے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے کس قدر محبت کیا کرتے تھے۔

(vi) حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں کسی کام سے گیا۔ آپ باہر نکلے تو چادر اوڑھ رکھی تھی اور کمر سے کچھ لپیٹے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے آپؐ کے کھولا تو حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ آپؐ کی کمر سے چمٹے ہوئے تھے فرمایا یہ میرے بیٹے ہیں. میری بیٹی کے بیٹے میں ان کو دوست رکھتا ہوں یا اللہ تو بھی انہیں دوست رکھ یا اللہ تو انہیں بھی دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(vii) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کو کہلوا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو بلواتے تھے انہیں سونگھتے تھے اور کلیجے سے لگاتے تھے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(viii) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم حضرت امام حسینؓ کو کندھے پر سوار کر کے سواری کروا رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کیا خوب سواری ہے تو آنحضرت نے فرمایا سوار بھی کیا خوب ہے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(ix) بریدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ منبر پر خطبہ پڑھتے تھے اتنے میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نکل آئے دونوں نے لال کرتے پہنے تھے۔ صغر سنی سے گرتے تھے اور اٹھتے تھے ان کو دیکھ کر آپؐ منبر سے اترے اور انہیں گود میں اٹھالیا اور فرمایا اللہ نے سچ کہا ہے "انما اموالکم فتنہ" یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا تو صبر نہ کر سکا اور اس کے بعد خطبہ دوبارہ شروع کیا۔

(کتاب اللباس۔ ابن ماجہ) اور (روایت ابوہریرہؓ ابواب المناقب۔ ترمذی)

(x) حضرت ابو طفیل غنویؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک بوڑھی عورت آئی آپ عزت سے اٹھ کھڑے ہوئے اس کو اپنی چادر بچھا کر نہایت تکریم کے ساتھ بٹھایا جب وہ عورت چلی گئی تو کہنے لگے میری رضاعی ماں تھی۔ (یعنی اس نے مجھے دودھ پلایا تھا)

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داؤد سے)

(xi) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی جنگِ بدر میں قریش کی طرف سے

شریک ہو کر مدینہ قید ہو کر آئے۔ ان کی بیوی حضرت زینبؓ بنت محمد نے اپنے خاوند کے فدیہ میں ایک ہار مدینہ روانہ کیا، (کیونکہ رسول اللہؐ اپنی رشتہ داری کی وجہ سے کسی رعایت کے روادار نہ تھے) جو حضرت خدیجہؓ کا تھا اور انہوں نے حضرت زینبؓ کو جہیز میں دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا تو آپؐ پر رقت طاری ہو گئی (اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت یاد آگئی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے کہا اگر تم اجازت دو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو اور فدیہ بھی واپس کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے کہا ہم تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ وہ جاتے ہی حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیں گے اور انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ایک انصاری کو مدینہ سے روانہ کیا کہ وہ مکّہ سے حضرت زینب کو لے آئیں۔ مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داوٗد اور مسند احمد سے)

(xii) حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر پر مدینہ سے باہر جاتے تو سب سے آخر میں اور جب سفر سے آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ الزہراؓ کے گھر جاتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ سفر سے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور بچوں کو بلایا حضرت امام حسنؓ و حسینؓ آئے تو انہوں نے چاندی کے کنگن پہن رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پسند نہ کی حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ کی ناراضگی دیکھ لی تو بچوں کے کنگن اتروا دیئے بچے روتے ہوئے رسول اللہ کے پاس آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثوبانؓ سے کہا بازار جا فلاں شخص سے فاطمہؓ کے لئے عصب کا ہار اور بچوں کے لئے ہاتھی دانت کے دو کڑے خرید کر لے آ۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا مسند احمد اور ابو داوٗد سے)

(۶) سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے نہایت شفقت فرماتے تھے۔

احادیث کتب سے اس باب میں چند روایات پیش خدمت ہیں۔

(i) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بچوں اور عورتوں کو دیکھا کہ شادی کی کسی تقریب سے لوٹ رہے تھے۔ آپ خوشی کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور فرمایا یا اللہ! گواہ رہنا یہ لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب النکاح۔ بخاری)

(ii) حضرت انس بن مالکؓ بچوں کے ایک گروہ پر سے گزرے جو کھیل رہے تھے۔ آپ نے انہیں سلام کیا اور سب کو پیار کیا اور فرمایا اللہ کے رسول بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(کتاب الاستیذان۔ بخاری) ابواب الاستیذان والادب ترمذی)

(iii) حضرت عمر بن ابی سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گیا۔ آپؐ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے نہایت محبت سے فرمایا آ چھوٹے بیٹے میرے نزدیک آ، تو بھی اللہ کا نام لے کر داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ (کتاب الاطعمہ۔ ترمذی)

(iv) حضرت عبداللہ بن ہشامؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ میری والدہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی۔

(کتاب الشرکت۔ بخاری)

(v) اقرع بن حابسؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسینؓ کو بوسہ لیتے دیکھا تو کہا یا رسول اللہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے کبھی کسی ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

(روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ ابواب البر والصلۃ۔ ترمذی)

(vi) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میری ماں ام سلیمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو کہا میرے ماں باپ آپ پر صدقے یہ میرا چھوٹا بیٹا انس ہے اس کے لئے دعا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے تین دعائیں کیں۔ دو میں اس دنیا ہی میں پا چکا ہوں اور تیسری آخرت میں پانے کی امید رکھتا ہوں۔

(کتاب الفضائل۔ مسلم)

(vii) حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر آپؐ باہر نکلے اور میں بھی نکلا چھوٹے چھوٹے بچے آپ کو ملنے کے لئے آگے بڑھے آپؐ ہر بچے کے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور دعا دیتے تھے۔ آپ نے میرے گالوں پر بھی ہاتھ پھیرا آپ کے ہاتھوں کی ٹھنڈک اور خوشبو اس طرح پائی جیسے آپؐ نے عطار کے ڈبے سے ہاتھ نکالا ہو۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا مسلم سے)

(viii) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اہل و عیال پر مہربان نہیں دیکھا۔ عوالی مدینہ میں آپؐ کا بیٹا ابراہیمؓ دودھ پیتا تھا (رضاعت) آپؐ اس کو دیکھنے کے لئے کبھی کبھی تشریف لے جاتے اور ہم آپؐ کے ساتھ ہوتے تھے ابراہیمؓ کا رضاعی باپ لوہار تھا اس لئے اس کا گھر دھویں سے بھرا ہوتا تھا۔ آپؐ ابراہیمؓ کو گود میں لیتے۔ سینے سے لگاتے اور بوسہ لیتے اور پھر واپس تشریف لے جاتے تھے۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا مسلم سے)

(ix) حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لگایا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے فہم قرآن اور حکمت عطا کرے۔ (کتاب العلم۔ بخاری)

(۷) سادگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کا ایک حصہ تھی خواہ وہ قبل از نبوت کا دور فراخی ہو یا مدینہ کا اولین دور تنگی یا مدینہ کا آخری دورِ فراخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پر ہمیشہ سادگی کو روا رکھا ہم ذیل میں احادیث سے ایسی ہی روایات پیش کرتے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ معاشرت اور ہر حال میں شکرِ خداوندی کا رویہ نظر آتا ہے:۔

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی تنگی اور سادگی سے گزاری۔
حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے وعدے پر غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھ دی۔
(کتاب الاستقراض اور کتاب الرہن۔ بخاری)

(ii) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں جَو کی روٹی اور بدبو دار چربی سالن کے طور پر لے گیا کہ رسول اللہ صلعم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع اناج کے سوا اور کچھ نہ تھا حالانکہ نو گھر تھے۔

(کتاب الرہن۔ بخاری)

(iii) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک انصاری حاضر ہوا جو بھوکا تھا آپؐ نے اپنی بی بیوں کے پاس آدمی روانہ کیا لیکن کسی گھر سے بھی کچھ نہ ملا ہر گھر سے جواب ملا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوکے مہمان کو ایک انصاری کے سپرد کیا کہ اسے کھانا کھلائے۔

(کتاب المناقب۔ بخاری)

(iv) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر آپؐ کی وفات تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ انہوں نے تین دن متواتر پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ (کتاب الاطعمہ۔ بخاری)

(v) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہؐ بھوکے میرے پاس آئے اور فرمایا اے عائشہ! کچھ کھانے کو ہے میں نے کہا یارسول اللہؐ کچھ بھی نہیں ہے۔ فرمانے لگے کوئی بات نہیں میں روزے سے ہو گیا۔

(کتاب الصیام۔ مسلم)

(vi) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی باہر نکلے ہوئے پایا۔ حضورؐ نے پوچھا تم لوگ کیوں نکلے انہوں نے کہا بھوک سے پریشان ہو کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں بھی اسی لئے نکلا ہوں۔ چنانچہ تینوں ایک انصاری کے گھر گئے اس کی بیگم نے کہا آپ لوگ تشریف رکھیں گھر والا ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گیا ہے۔

انصاری صحابی واپس آیا تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا آج روئے زمین پر میں سب سے خوش قسمت ہوں کہ میرے گھر اس قدر عزت والے مہمان ہیں کہ کسی کے گھر نہیں ہیں۔ پھر کھجوروں کا ایک خوشہ لایا جس میں گدر. سوکھی اور تازہ کھجوریں تھیں پھر اس نے چھری اٹھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھنا دودھ والی بکری نہ ذبح کرنا۔ غرض یہ کہ اس نے بکری کاٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا. قسم اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم سے قیامت کے روز سوال ہو گا اس نعمت کا کہ تم خالی پیٹ پریشان ہو کر گھروں سے نکلے تھے اور پھر نہیں لوٹے کہ تم کو پیٹ بھر نعمت مل گئی۔

(کتاب الاشربتہ۔ مسلم)

(vii) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کو ملنے کو گیا آپ نے مجھے ایک موٹا تہہ بند دکھایا جو یمن میں بنتا ہے اور ایک پیوند لگا ہوا کمبل جس کو ملبدہ کہتے ہیں اور پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان ہی کپڑوں

میں ہوئی۔

(کتاب اللباس و زینت۔ مسلم)

(viii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ آئے تین دن تک متواتر گیہوں کی روٹی نہ کھائی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ کبھی یہ حال ہوتا تھا کہ مہینے بھر تک آپؐ کے گھروں میں آگ نہ سلگتی تھی۔ صرف کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے دودھ بھیج دیتے تھے۔ ایسا وقت بھی آتا تھا کہ خراب کھجور بھی کھانے کو نہ ملتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا سارا دن بھوک سے بے قرار رہتے تھے۔

(روایات از حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت نعمانؓ بن بشیر اور حضرت عمر فاروقؓ۔ کتاب الزہد۔ مسلم اور کتاب الضحایا۔ نسائی)

(ix) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ معاشرت کی بہترین مثال وہ جہیز ہے جو انہوں نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت فاطمہؓ کے جہیز کی تیاری کریں اور انہیں حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس پہنچا دیں۔ تو ہم ایک کوٹھری کی طرف گئیں اور بطحاء میدان سے نرم مٹی لا کر اس کوٹھری میں بچھا دی گویا یہ ہی فرش تھا۔ پھر دو تکیے ہم نے تیار کیے اور ان میں خرمے کی چھال بھری اور اپنے ہاتھوں سے انہیں توما (دبایا)۔ اس کے بعد ہم نے ایک لکڑی لے کر کوٹھری کے کونے میں مشک اور کپڑے لٹکانے کے لئے گاڑ دی۔ پھر لوگوں کی ضیافت کے لئے میٹھے پانی، کھجور اور انگور کا بندوبست کیا اور ہم نے فاطمہ الزہراؓ سے اچھی شادی کسی کی نہیں دیکھی۔

(کتاب النکاح۔ ابن ماجہ)

(x) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موزے اور جوتے خود ہی سی لیتے تھے اور سخت سے سخت کپڑا بھی پہن لیتے تھے۔

(کتاب اللباس۔ ابن ماجہ) اسی طرح باب معیشت آلِ محمدؐ۔ کتاب الزہد۔ ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ۔ حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی اور معاش کا ذکر ہے اور یہ حالات خاص طور پر مدینہ کے اولین دور ہجرت میں تھے۔ لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں تھا کہ مدینہ کے بعد کے دور میں رسول اللہؐ نے اپنا طرز معاشرت بدل لیا تھا۔ مدینہ کے بعد کا دور اگرچہ فراغی کا تھا لیکن رسول اللہؐ نے اپنا انداز بالکل پہلے جیسا ہی رکھا۔ ڈھیروں مال غنیمت اور زکوٰۃ اور عشر وغیرہ اکٹھا کر کے آپ کے پاس لایا جاتا تھا لیکن آپؐ ہمیشہ ایک ہی مجلس میں بانٹ کر اٹھتے تھے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ یہی انداز خلفاء راشدین میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنایا اس کی چند جھلکیاں ہم انشاالله اپنے اگلی کتاب "اسلام کی معاشرتی تعلیمات" میں پیش کریں گے۔

(xi) ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ ہم صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ سے ایک ایک پتھر کھولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے دو پتھر کھولے۔

(مشکوۃ المصابیح نے ترمذی سے روایت کیا)

(xii) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کا کیا کہنا۔ ایک بدو اعرابی زاہر بن حرام آپ کا بہت دوست تھا اور رسول اللہؐ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنے دیہات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکثر تحائف بھیجتا تھا اور رسول اللہ بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ مدینہ آتا تو رسول اللہؐ اس کی بہت خدمت کرتے. یہاں تک کہ اس کا سامان تک خود ہی باندھتے تھے اور فرماتے تھے زاہر ہمارا دیہاتی دوست اور ہم اس کے

شہری دوست ہیں۔ ایک روز وہ بازار میں اپنا سامان بیچ رہا تھا رسول اللہؐ نے چھپ کر پیچھے سے اسے اپنے سینے سے لگایا اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے رسول اللہؐ کو پہچان لیا اور رسول اللہؐ کے سینے سے لگا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو یہ میرا دوست ہے۔ اس غلام کو کون خریدنا ہے۔ زاہر نے کہا یا رسول اللہ میں تو ناکارہ ہوں مجھے کون خریدے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اے زاہر تو ہمارا دوست ہے اور اللہ کے ہاں ہرگز ناکارہ نہیں۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا شرح السنہ سے)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت شجاع ہستی تھے۔ ہر طرح کے حالات میں آپؐ اللہ کی ذاتِ اقدس پر بھروسہ رکھتے تھے۔ ہم کتبِ احادیث سے اس باب میں صرف تین واقعات نقل کرتے ہیں:۔

(i) حضرت انس بن مالکؓ، سے رسول اللہؐ کا مکہ سے مدینہ سفر ہجرت حضرت ابو بکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بن جعشم گھوڑے پر سوار ہمارے سر پر پہنچ گیا تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمیں تلاش کرنے والے آ پہنچے تو رسول اللہؐ نے فرمایا "کوئی فکر نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اسی طرح جب غارِ ثور میں رسول اللہؐ اور میں چھپے ہوئے تھے (اور مشرک ہمیں تلاش کرتے ہوئے عین غار کے دھانے پر کھڑے تھے) تو میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اگر کسی نے اپنے پاؤں پر نگاہ ڈالی تو ہمیں دیکھ لے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "ابو بکر کیا خیال ہے ان دو کے متعلق جن کے ساتھ تیسرا ان کا رب ہے وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

(کتاب المناقب۔ بخاری)

(ii) حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع کی پہاڑی پر پہنچے۔ ہمارا طریقہ یہ تھا

کہ جب ہم کسی سایہ دار درخت کے پاس قیام کرتے تو سایہ دار درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑ دیتے تاکہ آپ آرام فرمالیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار لٹکا کر آرام کر رہے تھے (اور ہم سب آپؐ سے دور تھے) کہ ایک مشرک آیا اور آپؐ کی تلوار قبضے میں کر لی اور کہنے لگا، اے محمدؐ! اب تجھے میرے سے کون بچائے گا اور کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں میں تیرے سے نہیں ڈرتا اور مجھے میرا اللہ بچائے گا۔ یہ سن کر مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بلایا اور انہیں تمام قصہ سنایا اور اس مشرک کو معاف کر دیا۔ (کتاب فضائل القرآن۔ مسلم)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ آپؐ سب سے زیادہ خوبصورت تھے. سخی تھے اور سب سے زیادہ شجاع تھے ایک رات کچھ غیر معمولی شور ہوا (یہ زمانہ تھا غزوۂ احزاب کا جب مدینہ میں ہر وقت قریشِ مکّہ اور مدینہ کے مضافاتی یہودیوں سے شرارت کا خطرہ تھا) ہم لوگ بہت گھبرائے اور باہر نکل آئے. اتنے میں ایک گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ سوار قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور بغیر زین کے ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے اور گلے میں تلوار لٹکا رکھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا لوگو لوٹ جاؤ اپنے گھروں کو کوئی خطرہ نہیں، میں دیکھ آیا ہوں۔ (کتاب الجہاد۔ ابن ماجہ)

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں مزاح کا عنصر بھی تھا اور مذہبی لوگوں کے خشک مزاج کا تصور آپؐ پر ہرگز جاری نہ تھا۔ ہم اس سلسلے میں صرف دو واقعات بیان کرتے ہیں۔

(i) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے دل لگی کرتے تھے اور پھر خوب ہنستے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی (عمیر بن ابو

طلحہؓ) نے ایک چڑیا نغیر نام کی پال رکھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جب بھی ملتے ہنستے ہوئے پوچھتے تھے کیوں ابو عمیر تمہاری چڑیا تو خیریت سے ہے۔ (کتاب الادب۔ بخاری) (ابواب البر والصلۃ۔ ترمذی) (کتاب الادب۔ مسلم) اور (کتاب الادب۔ ابن ماجہ)

(ii) ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے ایک اونٹ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں تمہیں اونٹ کا بچہ دوں گا وہ کہنے لگا یا حضرت میں اونٹ مانگتا ہوں آپ مجھے اونٹ کا بچہ دیتے ہیں آنحضرت نے (ہنستے ہوئے) کہا جتنے اونٹ ہیں وہ اونٹ کے بچے ہی تو ہیں۔

(روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ ابواب البر والصلۃ۔ ترمذی)

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے ہی خواہ تو تھے ہی لیکن جانوروں کے لئے بھی رحمت تھے۔ آپؐ کے سامنے جب بھی کسی جانور کو تکلیف دی گئی آپؐ نے اس کو سخت ناپسند کیا۔ یہاں تک کہ حکم دیا کہ یہ چوپائے اور حلال جانور اللہ نے تمہاری خوراک کے لئے بنائے ہیں۔ انہیں ذبح کرو تو خوبی کے ساتھ کرو، چھری کو خوب اچھی طرح تیز کر لو۔ چند اور روایات حسب ذیل ہیں:۔

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سفر کرو چارہ اور پانی کے موسم میں (یعنی فصل کے موسم میں جب چارہ اور پانی وافر ملتا ہو) تو اونٹوں کو ان کا حصہ لینے دو اور جب سفر کرو قحط و خشکی میں تو سفر میں جلدی جلدی چلو تاکہ سفر کا وقت کم ہو اور جب رات کو قیام اور پڑاؤ کرو تو راہ سے ہٹ کر کرو۔

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الامارات۔ مسلم)

(ii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر سے گزرے جو بکری کا کان پکڑ کر اسے گھسیٹ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اس کا کان چھوڑ دے (اسے تکلیف ہوتی ہے) اس کی گردن پکڑ کر کھینچ۔

(روایت ابو سعید خدری" کتاب الذبائح۔ ابن ماجہ)

(iii) سہل بن حنظلہ" سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پڑاؤ پر سے گزرے ایک اونٹ نے آپ" کو دیکھ کر رونے کے انداز میں فریاد کی۔ بھوک کے مارے اس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بےزبان جانوروں کے حق میں اللہ سے ڈرو۔ سواری کے قابل ہوں تو سواری کرو ورنہ ان کو اچھی حالت تک چھوڑو۔ (مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داؤد سے)

(iv) عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد صحابی رسول" سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے میں نے ایک حمرہ (چڑیا سے ذرا بڑا سرخ پرندہ) کے دو بچے دیکھے، میں نے انہیں پکڑ کر اپنی چادر میں بند کر لیا۔ حمرہ آئی اور اپنے پر بچھانے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اور فرمایا تم میں سے کس نے اس کو اس کے بچوں کے غم میں ڈالا ہے اس کے بچے لوٹا دو۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داؤد سے)

حضرت یحییٰ بن سعید" سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا منہ اپنی چادر سے صاف کر رہے ہیں، یعنی اس کی خدمت کر رہے ہیں۔ (کتاب الجہاد۔ موطاء امام مالک")

(۱۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام" کے بیماروں کی عیادت ضرور فرماتے تھے۔

(i) حضرت جابر بن عبداللہ" کی روایت ہے کہ میں سخت بیمار تھا. بےہوشی طاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر" کے ساتھ میری عیادت کو آئے۔ وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا اور میں مدینہ سے دور بنی سلیمہ میں تھا۔ (کتاب الفرائض۔ مسلم) (کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ)

(ii) رئیس انصار حضرت سعد بن معاذؓ کو جنگِ خندق میں تیر لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں خیمہ لگوا کر اپنے پاس رکھ لیا تاکہ قریب سے ہر وقت عیادت کریں۔ (روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ بخاری اور کتاب المساجد۔ نسائی)

(iii) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے سال حج وداع ۱۰ھ میں میں سخت بیمار ہوا کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لایا کرتے تھے۔ میرے لئے تسکین کے الفاظ کہتے اور دعا کیا کرتے تھے۔ (کتاب الجنائز۔ بخاری)

اسی باب میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی بیماری اور مرض الموت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کے ساتھ جاکر عیادت کرنا اور بعد میں ان کی موت پر آنسو بہانے کا ذکر بھی ہے۔

(iv) ایک یہودی کا چھوکرا جو آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا بیمار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو گئے۔ (روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب الجنائز۔ بخاری)

(v) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ ایک گنوار بدوی کی عیادت کو گئے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ جب کسی بیمار کے پاس عیادت کو جاتے تو فرماتے تھے کوئی فکر کی بات نہیں یہ بیماری انشاء اللہ گناہوں سے پاک کر دے گی۔ آپؐ نے اس بیمار کو بھی انہی الفاظ میں تسلی دی۔ (کتاب المناقب۔ بخاری)

(vi) ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت اس طرح کرتے تھے کہ اس کی پیشانی یا ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اور اس کو پوچھتے تھے کہ کیسے ہو۔ فرماتے تھے یہ ہی پوری عیادت ہے۔

(ابواب الاستیذان والادب۔ ترمذی)

(vii) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ بیمار کی عیادت کرتے

خواہ امیر ہو یا غریب، جنازے کے ساتھ جاتے۔ غلام کی دعوت بھی قبول کرتے تھے، گدھے تک پر سوار ہو جاتے۔ جب بنی قریظہ اور بنی نضیر کا واقعہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے اس کی رسی خرما کی چھال کی تھی اور زین بھی خرما کے پوست کا بنا ہوا تھا۔

(کتاب الزہد۔ ابن ماجہ)

(۱۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے حالات سے باخبر رہتے تھے اور ان کی خوشی اور غمی میں ضرور شریک ہوتے تھے اور اپنی خوشی اور غمی میں انہیں بھی شریک کرتے تھے۔ غرض ان کے دنیوی اور اُخروی مصالح کا خیال کرتے تھے۔

(i) ایک حبشی عورت ام محجن مسجد رسول کی خدمت کرتی تھی وہ مر گئی صحابہ کرامؓ نے کفن دفن کر دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی کہ آرام کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کا پوچھا تو صورت احوال عرض کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع دی گئی، پھر کہا مجھے اس کی قبر پر لے چلو اور صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے جا کر اس کی قبر پر نماز پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ طبرانی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس عورت کو بہشت میں دیکھا ہے کہ جنت کی مسجد کی خدمت کر رہی تھی۔ (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ بخاری + کتاب الجنائز۔ مسلم + مشکوٰۃ المصابیح) بخاری کی کتاب الجنائز میں مدینہ کے ایک مرد کے متعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے کہ مجھے اس کی موت کی خبر کیوں نہ دی۔ کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی عورت کے معاملے میں فرمایا دیکھو آئندہ ایسے مت کرنا۔ تم میں سے جو شخص مر جائے اور میں اسے جانتا ہوں تو مجھے ضرور خبر

کرو۔ جب تک میں تم میں زندہ ہوں یاد رکھو کہ میری نماز تم لوگوں کے مرنے والوں کے لئے رحمت ہے۔

ان احادیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور تواضع اور اپنے صحابہ کرامؓ کی خبر گیری اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا اور ان کے دنیوی و آخرت کے مصالح کی فکر کرنا ثابت ہوتا ہے۔

(ii) غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر بن طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر صحابہ کرامؓ کو دی۔ آپ نہایت غم گین تھے. آپ کی آنکھیں روتی تھیں اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ (روایت حضرت عائشہؓ کتاب الجنائز۔ بخاری اور روایت حضرت انس بن مالکؓ کتاب الجنائز۔ مسلم اور کتاب الجنائز۔ نسائی)

(iii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام خداوندی کی بجا آوری پر اپنے صحابہ کرامؓ کی توصیف اور ان کے لئے دعائے خیر ضرور کرتے تھے۔

(روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی۔ کتاب الزکوٰۃ۔ بخاری. مسلم اور نسائی)

(iv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے نوزائیدہ بچوں کے لئے دعائے برکت فرماتے. ان کے کانوں میں اذان دیتے اور کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالتے تھے۔ (گرتی)

(روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ بخاری اور کتاب الفضائل۔ مسلم)

(v) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ سے کتنا پیار کرتے تھے۔ اس کی مثال حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے کہ "غزوۂ تبوک سے واپسی پر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک سفر تھا۔ میرا

اونٹ تھک گیا اور پیچھے رہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو میرے پاس آئے اور کہا اے جابر! کیا بات ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا اونٹ تھک گیا ہے چلتا نہیں ہے اس لئے پیچھے رہ گیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور ٹیڑھے منہ والی ایک لکڑی سے میرا اونٹ کھینچنے لگے اور پھر کہنے لگے اب چل روانہ ہو۔ میں اونٹ پر سوار ہوا تو ایسا اچھا چلا کہ میں ڈرا کہ رسول اللہ ؐ کی اونٹنی سے بھی آگے نہ نکل جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ پھر میرے گھر بار کا بھی پوچھا، پھر کہنے لگے اونٹ بیچتا ہے۔ میں نے کہا ہاں رسول اللہ، چنانچہ ایک اوقیہ چاندی کے عوض سودا ہو گیا۔ میں مدینہ پہنچا تو گھر والوں نے ملامت کی کہ ایک ہی اونٹ تھا تو نے وہ بھی بیچ ڈالا۔ غرض دوسرے دن صبح کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسجد کے دروازے پر ملے اور کہا اونٹ باندھ دے اور نماز پڑھ لے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے خزانچی (حضرت بلال ؓ) کو بلایا اور مجھے ایک اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال ؓ نے مجھے جھکتے تول کی ایک اوقیہ چاندی دی میں چل پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوبارہ بلوایا میں پریشان ہوا کہ کہیں میرا سودا نہ واپس کر دیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے فرمایا "چاندی بھی لے جا تیری ہے اور اپنا اونٹ بھی لے جا اپنے کام میں استعمال کر۔"

(کتاب البیوع، بخاری) (کتاب الرضاع۔ مسلم) (کتاب المساقات و المزارعت۔ مسلم) (کتاب البیوع۔ نسائی) (کتاب التجارات۔ ابن ماجہ)

(vi) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکت کے لئے اپنے صحابہ کرام ؓ کے گھروں میں جاتے، کھانا کھاتے، آرام کرتے، اس گھر میں نماز پڑھتے اور گھر والوں کی خیر و برکت کے لئے دعا فرماتے۔

(روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب الادب۔ بخاری اور کتاب المساجد۔ مسلم) اس کے علاوہ ایسی ہی حدیث حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے کتاب الشربۃ۔ مسلم میں روایت کی ہے۔

(vii) حضرت اسماء بنت یزیدؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے گزرے۔ عورتوں کا ایک گروہ مسجد میں بیٹھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے ان کو سلام کیا۔

(ابواب الاستیذان والادب۔ ترمذی)

(viii) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل جا رہے تھے۔ ایک شخص گدھے پر سوار آیا اور اتر کر کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ بیٹھ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تو زیادہ حق دار ہے جب تک کہ تو اپنا حق مجھے بخش دے۔ اس نے کہا ضرور تب جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔

(روایت حضرت بریدہؓ۔ کتاب الاستیذان والادب۔ ترمذی)

(ix) حضرت مالک بن حویرثؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہوئے۔ ہم سب جوان اور ہم سن تھے اور بیس دن آپؐ کی خدمت میں رہے۔ آپؐ ہم پر بہت مہربان اور نرم دل تھے۔ پھر آپؐ کو احساس ہوا کہ ہم اپنے وطن کے مشتاق ہو گئے ہیں، پوچھنے لگے کن کن کو وطن چھوڑ کر آئے ہو، پھر ہمیں واپسی کی اجازت دی اور کہا وہیں اسلام کی تعلیم دو۔ جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کروائے۔

(باب الامامت۔ مسلم)

(x) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بعض عبادات نہایت محبوب رکھتے تھے لیکن اس خوف سے نہیں کرتے تھے کہ لوگ

بھی نہ کرنے لگ جائیں اور فرض ہو جائیں۔ (روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ مسلم)

(xi) منذر بن جریر اپنے والد صحابی رسولؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم دن کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ قبیلہ مضر کے لوگوں کا ایک قافلہ آگیا۔ ان کے فقر و فاقہ کی بُری حالت تھی. ننگے پیر اور ننگے بدن تھے اور گلے میں چمڑے کی عبائیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا. سخت بے چین ہو گئے. کبھی اِدھر جاتے تھے اور کبھی اُدھر جاتے تھے۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دو (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی اہم بات ہوتی تو بےوقت اذان دلواتے تھے اور خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اہلِ مدینہ بےوقت اذان پر سمجھ جاتے کہ کوئی خاص بات ہے اور سب کام کاج چھوڑ کر حاضر ہو جاتے) تکبیر کہی گئی اور نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور آیت پڑھی "اے لوگو! ڈرو اللہ سے جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں) " اور پھر سورۂ حشر کی آیت پڑھی "اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور غور و فکر کرو کہ تم نے قیامت میں کام آنے کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ " بس پھر کیا تھا صدقات کا بازار گرم ہو گیا۔ کسی نے اشرفی دی، کسی نے درہم اور کوئی گھر سے ایک صاع اناج لے آیا تو کوئی ایک صاع کھجور۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو لے آؤ۔ پھر انصار کا ایک شخص اتنا لایا کہ اس سے اٹھایا بھی نہیں جاتا تھا اور وہ تھک گیا تھا۔ لوگوں نے اتنا کچھ دیا کہ کپڑوں اور کھانوں کے ڈھیر لگ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے خوش ہوئے کہ آپؐ کا چہرہ مبارک سونے کی طرح چمک اٹھا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے اس کام سے فارغ ہو کر ظہر کی نماز پڑھی۔

(کتاب الزکوٰۃ۔ مسلم اور نسائی)

(xii) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی رات میں نماز پڑھتے تھے کہ میں بھی آن کھڑا ہو گیا پھر کچھ لوگ اور گئے یہاں تک کہ ایک جماعت بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری سن گن ہو گئی تو نماز ہلکی پڑھنے لگے اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ (سبحان اللہ اپنی امت کی کیسی شفقت تھی جو سختی اپنی ذات پر کرتے تھے اپنی امت کے لئے برداشت نہ کی) کتاب الصیام۔ مسلم)

(xiii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جنازہ لایا جاتا تو نماز پڑھنے سے پہلے پوچھتے کہ مقروض تو نہیں ہے۔ اگر مقروض ہوتا اور ادائیگی قرض کے لئے کچھ نہ چھوڑا ہوتا تو نماز نہ پڑھتے. یہاں تک کہ کوئی نہ کوئی صحابی قرض اپنے ذمہ لے لیتا. لیکن اللہ نے جب آپؐ پر خوب مال کھول دیا (خاص طور پر فتح مکہ کے بعد) تو فرماتے تھے کہ میں مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ عزیز اور قریب ہوں۔ اگر کوئی مقروض مرتا تو قرض اپنے ذمے لے لیتے اور اگر میت مال چھوڑ کر مرتا تو کہتے یہ میرا نہیں بلکہ وارثوں کا ہے اور قرض خود ہی ادا کرتے۔ (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب الفرائض۔ مسلم اور کتاب الصدقات۔ ابن ماجہ)

(xiv) براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ احزاب کی جنگ کے لئے خندق کھودی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مٹی کھودتے اور ڈھوتے تھے۔ مٹی نے آپؐ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپا لیا تھا۔

(کتاب الجہاد والسیر۔ مسلم)

(xv) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اپنے کسی صحابی سے ملتے تو اس پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور دعا فرماتے۔ (کتاب الطہارۃ۔ نسائی)

(xvi) حضرت معاویہ بن قرہؓ سے روایت ہے کہ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس

میں بیٹھنے والے ایک صحابی کو اپنے بچے سے بہت پیار تھا اور وہ ہر وقت اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ قضائے الٰہی وہ بچہ مر گیا۔ اس صحابی نے مجلس میں آنا چھوڑ دیا کہ بچے کی یاد آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں بچے والے صحابی کو بہت دن سے نہیں دیکھتا۔ صحابہ کرامؓ نے ساری صورت احوال عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اس سے ملے اور تعزیت کی (یعنی ایسی باتیں کیں جس سے اس کا غم ہلکا ہو اور تسلی و تشفی ہو) اور کہا تیرا بچہ تیرے سے پہلے جنت میں ہو گا اور تیرے لئے جنت کا دروازہ کھولے گا اس نے کہا یا رسول اللہ! میں اس بات پر بالکل راضی ہوں کہ میرا بچہ جنت میں رہے اور میرے لئے دروازہ کھولے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہو گا۔ (کتاب الجنائز۔ نسائی)

(xvii) اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بیٹے ابراہیم کے انتقال پر تعزیت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا آنکھ روتی ہے اور دل رنج کرتا ہے اور مرنے والے کی وجہ سے ہم رنجیدہ ہیں۔ (لیکن رضائے الٰہی پر شاکر ہیں)

(کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ)

(xviii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دولہا کو مبارک دیتے تو کہتے تھے کہ اللہ برکت دیوے تم دونوں کو اور برکت ڈالے تم دونوں پر اور تم دونوں میں اتفاق رکھے خیریت کے ساتھ۔ (روایت حضرت ابو ہریرہؓ کتاب النکاح۔ ابن ماجہ + مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا مسند احمد۔ ترمذی اور ابو داؤد سے)

(xix) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے ملتے تو اپنا منہ اس سے نہ موڑتے جب تک وہ منہ نہ موڑتا۔ (یا چل نہ دیتا) جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ نکالتے جب تک دوسرا اپنا ہاتھ

نہ نکالے۔ آپؐ اپنا پاؤں کبھی کسی ساتھی کے سامنے نہیں پھیلاتے تھے۔
(کتاب الادب۔ ابن ماجہ)

(xx) حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اس حالت میں بوسہ دیا کہ وہ میت تھے۔ رسول اللہؐ کے آنسو ان کے چہرے پر گرتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح نے روایت کیا بذریعہ ترمذی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ)

(xxi) حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ میں نے عمرہ کا قصد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ (مجھے اجازت دیتے ہوئے فرمایا)
"اے میرے چھوٹے بھائی اپنی دعاؤں میں مجھے شریک کرنا مت بھولنا"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ ایسا کہا کہ اس کلمے کے بدلے میں مجھے ساری دنیا بھی خوش نہیں کرتی۔

(مشکوٰۃ المصابیح روایت از ابو داؤد اور ترمذی)

(xxii) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے میں پیچھے رہتے۔ آپؐ ضعیف کو چلاتے اور اپنے پیچھے سوار کر لیتے تھے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح نے روایت کیا ابو داؤد سے)

(۱۳) بحیثیت معلم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خوبی سے بات سمجھاتے تھے کہ نہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ تھی اور نہ ہی مار پیٹ۔ اتنے پیار سے بات سمجھاتے تھے کہ سیدھی دل میں اتر جائے۔ یعنی قرآنِ حکیم کی سکھلائی حکمتِ تبلیغ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح کاربند تھے۔

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نصیحت کے لئے وقت اور موقع کی رعایت کرتے تھے وہ اس بات کو بُرا سمجھتے تھے کہ ہم اکتا جائیں۔ (روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب العلم بخاری اور باب

الاستیذان والادب۔ ترمذی)

(ii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبلؓ پر ناراض ہوئے کہ وہ نماز میں بہت لمبی قرأت کرتے تھے فرماتے تھے کوئی بیمار ہوتا ہے کوئی ناتواں ہوتا ہے اور کوئی کام والا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز میں اگر عورتوں کی صفوں کی طرف کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے کہ اس بچے کی ماں پریشان ہوتی ہوگی۔ (روایت ابو مسعود انصاریؓ۔ کتاب العلم اور کتاب الاذان۔ بخاری. اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے)

(iii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کی اخلاقی تربیت اس خوبی کے ساتھ کرتے تھے کہ کوئی موقع رائیگاں نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک موقع پر تحمل اور سوچ سمجھ کر کام کرنے کی فضیلت اس طرح بیان کی کہ عبدالقیس قبیلے کا ایک قافلہ مدینہ آیا قافلے کے لوگ جھٹ پٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان میں سے ایک شخص اشج ایسا بھی تھا جس نے تحمل سے پہلے اپنا سامان حفاظت سے اکھٹا کیا. اونٹ کو باندھا. پھر لباس وغیرہ درست کیا اور پھر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب دیکھ رہے تھے اشج کو مخاطب کر کے فرمانے لگے تجھ میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں ایک عقل مندی اور دوسرے دیر میں سوچ سمجھ کر کام کرنا. جلد بازی نہ کرنا۔ (روایت حضرت ابن عباسؓ کتاب الایمان۔ بخاری او کتاب الزہد۔ ابن ماجہ)

(iv) ایک بدو صحابی رسولؐ نے نماز کے دوران ایک اور صحابی کے چھینک مارنے پر "یرحمک اللہ" کہہ ڈالا۔ جس پر دوسرے اصحاب انہیں نماز ہی میں گھورنے لگے۔ بدو صحابیؓ نے اعتراض کیا کہ تم لوگ مجھے کیوں گھورتے ہو۔ وہی بدو صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے نماز ہی میں لوگوں سے پوچھ ڈالا کہ مجھے کیوں

گھورتے ہو اس پر لوگ اپنی رانوں کو ہاتھ مارنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے چپ کروانا چاہتے ہیں، سو میں چپ کر گیا۔ نماز کے ختم ہونے پر رسول اللہؐ نے مجھے بلوایا۔ اللہ کے رسول پر میرے ماں باپ قربان کہ میں نے آپؐ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد آپ سے بہتر بات سمجھانے والا دیکھا۔ قسم خدا کی نہ آپ نے مجھے مارا، نہ جھڑکا اور نہ ہی گالی دی، بلکہ فرمایا دیکھو نماز میں صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنا ہے اور دنیا کی باتیں کرنا درست نہیں ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دوسرے سوالات کا جواب بھی دیا۔

(روایت حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ۔ کتاب المساجد۔ مسلم کتاب الفتاح۔ نسائی اور اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح میں بھی اس روایت کو لیا گیا ہے۔)

(v) حضرت عبداللہ بن محریز سے روایت ہے کہ میں یتیم تھا اور ابو مخدورہؓ نے میری پرورش کی تھی انہوں نے مجھے شام ایک قافلے کے ساتھ روانہ کیا راستے میں حنین سے آتے ہوئے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ مل گیا اتنے میں رسول اللہ کے مؤذن نے اذان دی۔ (مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ) میں اس مؤذن کی نقل کرنے لگا اور ٹھٹھے کرنے لگا اور میرے ساتھی میرے ساتھ ہنستے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا فرمایا کہ تم میں سے کون تھا جس کے ٹھٹھے کی آواز میں نے سنی تھی، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روک لیا اور باقیوں کو جانے دیا، پھر فرمایا اٹھ اور اذان دے اور مجھے اذان سکھلائی اس کے بعد مجھے ایک چاندی بھر تھیلی دی اور پھر میری خواہش پر مجھے مکے میں اذان دینے پر مقرر کیا۔ (کمال اخلاق تھا کہ ناواقف قصوروار کو معاف کر دیا اور سزا دینے کے بجائے دین کی بات بغیر جھڑکے سکھلائی) (کتاب الاذان۔ نسائی)

(vi) حضرت رافعؓ بن عمرو غفاری سے روایت ہے کہ میں اور انصار کا ایک اور لڑکا مل کر انصاریوں کے کھجور کے باغات میں ڈھیلے مار کر کھجوریں اکٹھی کر رہے

تھے۔ مالک ہمیں پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ ؐ نے (کمال شفقت سے) فرمایا اے لڑکے! درختوں پر پتھر نہ مار اور جو میوہ نیچے گرا ہوا ہو وہ اٹھا لے اور کھا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے دعا دی کہ اللہ میرا پیٹ بھرے۔ (کتاب التجارات۔ ابن ماجہ)

(vii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل پسند تھا جو انسان آسانی کے ساتھ ہمیشہ کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ثواب دینے سے نہیں تھکے گا جبکہ انسان عمل کرتے کرتے تھک جائے گا۔ اس اصول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام ؓ پر اس طرح واضح کیا کہ حضرت حنظلہ کاتب ؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ جنت اور دوزخ کا بیان کرتے تھے میں گویا ان کو دیکھ رہا تھا پھر میں اپنے گھر گیا اور بچوں میں کھیلنے لگ گیا، اچانک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد آئے میں بہت بے چین ہوا اور حضرت ابو بکر ؓ کے پاس گیا اور ساری بات بیان کی اور کہا میں منافق ہو گیا ہوں۔ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان کی باتیں سن کر اور حال ہوتا ہے اور آپ ؐ کی مجلس میں الگ. بیوی بچوں میں اور حال ہوتا ہے) حضرت ابو بکر ؓ نے کہا حال تو میرا بھی ایسا ہی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ہر وقت اس حال میں رہو جیسے میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے راستوں اور بچھونوں پر تم سے مصافحہ کریں۔ اے حنظلہ! ایک ساعت ایسی ہے اور دوسری ویسی ہے۔ (مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ یہ بالکل فطری بات ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے ورنہ دنیا کے کام بند ہو جائیں۔ قابلِ تعریف اور مطلوبہ مقام وہ ہے جب انسان حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یاد رکھے۔ دنیوی کاموں میں بھی احکامِ خداوندی یاد رکھے. ان پر عمل کرے، یہی معراج اخلاق بھی ہے اور صرف یہی مطلوب

خداوندی ہے۔)

(روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کتاب الزہد۔ ابن ماجہ)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی فضائل میں سخاوت بہت نمایاں تھی۔ مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ کریں۔

(i) حضرت جابرؓ بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر سخی تھے کہ آپؐ سے جب کسی نے کچھ مانگا آپ نے کبھی نہ نہیں کی (کتاب الادب۔ بخاری)

(ii) کتاب الادب بخاری ہی میں اس سے متصل ایک اور روایت ہے کہ ایک عورت حاشیہ دار لنگی خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ لائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لنگی کی سخت احتیاج بھی تھی اس لئے آپؐ نے پہن لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر مجلس میں آئے تو حضرت عبداللہ بن عوفؓ نے آپؐ سے مانگ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا لے لینا اور پھر جب مجلس سے اٹھ کر گھر گئے تو (اپنی ضرورت کو بھول کر) لنگی تہہ کروا کر بجھوا دی۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ملامت کی کہ تمہیں معلوم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود لنگی کی کتنی ضرورت تھی اور تم نے مانگ لی جانتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو انکار نہیں کرتے۔

(iii) حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جاتا تھا اور آپؐ نے نجران کی چادر اوڑھ رکھی تھی جس کا حاشیہ موٹا تھا۔ اتنے میں ایک بدو اعرابی ملا اور آپؐ سے کچھ دینے کا مطالبہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے آپؐ کی چادر اس بری طرح گھسیٹی کہ آپؐ کی گردن کے موہرے پر چادر کے حاشیئے کا نشان بن گیا۔ وہ اعرابی کہے جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ

نے تجھے جو مال دیا ہے اس میں سے میرے لئے حکم کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا. ہنس پڑے اور کچھ دینے کا حکم دیا۔ (کتاب الزکوۃ۔ مسلم)

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی فضیلت کا بیان کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے موافق ہے۔ معراج اخلاق کی ایک ایک خوبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیا جب کہ خود اپنی ذات پر بدلہ دینے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے تھے۔ مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں:۔

(i) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات خاص کے لئے کسی شخص سے بدلہ نہیں لیا۔

(کتاب الادب۔ بخاری) (کتاب المحاربین۔ بخاری)

(ii) یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدتمیزی کی تو حضرت عائشہؓ نے انہیں بُرا بھلا کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور کہا "اے عائشہ اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔"

(کتاب استتابت المرتدین۔ بخاری) (کتاب السلام۔ مسلم)

(iii) ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اجازت چاہی کہ اس کو قتل کر دیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کا بدلہ نہ لیتے تھے)

(روایت حضرت انس بن ملکؓ۔ کتاب السلام۔ مسلم)

(iv) امیرالمنافقین عبداللہ بن ابی کی منافقت سب پر کھل گئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے اجازت چاہی کہ اس کی گردن اڑا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی بلکہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنا کرتا

عطا فرمایا، (حالانکہ حضرت عمر بن خطابؓ جیسے جلیل القدر صحابی اعتراض کرتے رہے) کیونکہ ایک تو عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہ سچا مسلمان تھا، اس کی تالیف قلب منظور تھی اور دوسرے جب حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب جنگ بدر کے قیدیوں میں آئے تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے انہیں اپنا کرتا دیا تھا۔ (روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ۔ کتاب الجنائز بخاری) (روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب الجنائز۔ بخاری اور کتاب صفات المنافقین و احکامہم۔ مسلم)

(v) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ مشرکین کے لئے بد دعا فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لعنت کروں لوگوں پر بلکہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ لوگوں پر رحمت کروں۔

(کتاب البر والصلۃ والادب۔ مسلم)

(vi) قریشِ مکّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر کیا کیا ظلم روا نہیں رکھے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ قریش پر ایسا قحط پڑا کہ وہ ہر چیز کھا گئے، یہاں تک کہ انہوں نے کھالوں اور مردار کو بھی کھا لیا، بھوک کے مارے انہیں آسمان دھویں کی مانند معلوم دیتا تھا پھر رئیس القریش ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آیا اور کہنے لگا اے محمدؐ تم تو حکم دیتے ہو ناتے جوڑنے کا تمہاری قوم بھوک سے مر گئی اور تباہ ہو گئی اپنے رب سے اپنی قوم کے لئے دعا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ (کتاب المنافقین و احکام مہم۔ مسلم)

(vii) جبیر بن مطعم بن عدی، ابن اسحاق، واقدی، طبرانی نے کتاب الدعا اور معجم کبیر، ابن سعد، ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے، طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن القیم نے زاد المعاد میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں طائف کا وہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کس طرح اہلِ طائف نے ظلم کی انتہا کر دی، لیکن رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا ہی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں سے اہلِ ایمان پیدا کرے اور اہلِ طائف کی تباہی کے لئے حضرت جبرائیلؑ کی درخواست قبول نہ کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح نے متفق علیہ روایت کیا)

(viii) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بانٹ رہے تھے کہ ایک شخص (جلد بازی میں) آپؐ پر جھک گیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپؐ نے اس سے اسے کچوکا دیا پھر فوراً کہنے لگے "میں نے تجھے تکلیف دی آ اپنا بدلہ لے لے" (روایت ابو سعید خدریؓ کتاب القصاص۔ نسائی اور کتاب الدیات۔ ابو داؤد)

(ix) حضرت ابو فراسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنی ذات سے بدلہ لیتے ہیں۔ (کتاب القصاص۔ نسائی)

(x) ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک مجمعے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں ٹکرا گیا۔ میرے پاؤں میں موٹی جوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں نیچے دب گیا۔ آپؐ کو تکلیف ہوئی، آپؐ کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا آپؐ نے مجھے اس سے کچوکا دیا اور مجھے کہا اے شخص! تو نے مجھے تکلیف دی۔ راوی کہتے ہیں کہ میری ساری رات ایسی کٹی کہ میں خود کو ملامت کرتا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا اور یہاں تک کہ انہوں نے مجھے کہہ ڈالا۔ صبح ہوئی تو پکارنے والا میرا نام لے کر پکارتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے ہیں میں بہت ڈرا کہ نہ معلوم میرے لئے کیا حکم ہو، غرض کہ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل تمہاری جوتی کے نیچے میرا پاؤں آ گیا تھا مجھے صدمہ پہنچا تھا اور میں نے تمہیں اپنے کوڑے سے مارا تھا۔ اس کے بدلے میں یہ اونٹ لے لو (روایت کیا اس کو ابو محمد عبداللہؒ دارمی نے دارمی میں)

(xi) عبداللہ بن ابی الحمساء روایت کرتے ہیں کہ میں نے قبل از نبوت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خرید و فروخت کی۔ کچھ رقم رہ گئی میں نے کہا آپ ٹھہر جائیں میں ابھی آتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یاد آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ تو نے مجھے بہت مشقت دی، میں تین دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

(مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا ابن داؤد۔ کتاب الادب سے)

(۱۶) اوپر سرخی نمبر (۴) کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احسان شناسی بابت انصارِ مدینہ بیان کر چکے ہیں لیکن ضروری ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احسان شناسی کا بیان بھی کیا جائے کیونکہ احسان شناسی بہت بڑی اخلاقی فضیلت ہے۔ تنگی و ترشی اور ناموافق حالات میں مدد کرنے والوں کو یاد رکھنا بہت بڑی اخلاقی عزیمت اور فضیلت ہے۔ جس کی مکمل مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ روایات یوں ہیں کہ:۔

(i) جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اس میں ایک روز طبیعت سنبھلی تو مسجد میں تشریف لائے۔ منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تعریف و ثنا فرمائی اور کہا "لوگوں میں سے کسی کا احسان اپنی جان و مال سے مجھ پر ابو بکرؓ بن ابی قحافہ سے زیادہ نہیں۔ میں اگر کسی کو جانی دوست بناتا تو ابی قحافہ کو بناتا ہوں اور اسلام کی دوستی ہی اچھی ہے۔ دیکھو مسجد میں جھانکنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دو سوائے ابو بکرؓ کی کھڑکی کے۔"

(روایت ابن عباسؓ۔ کتاب الصلوٰۃ۔ بخاری)

(روایت ابو سعید خدریؓ۔ کتاب المناقب۔ بخاری)

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب المناقب۔ ترمذی)

(ii) ایک اور موقع پر فرمایا "اللہ نے مجھے تم لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، تمام دنیا نے مجھے جھوٹا کہا مگر ابو بکرؓ نے مجھے سچا کہا اور اپنی جان و مال سے میری خدمت

کی۔"

(روایت حضرت ابو داؤدؓ کتاب المناقب و کتاب التفسیر۔ بخاری)

(iii) ایک اور موقع پر فرمایا "تم میں سے سب سے زیادہ حقوقِ صحبت ادا کرنے والے اور اپنا مال خرچ کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔ میں نے تم میں سے ہر ایک کے احسان کا بدلہ دے دیا سوائے ابو بکرؓ کے اور ان کے احسانات کا بدلہ روز قیامت اللہ ہی دے گا۔ تم سب آگاہ رہو کہ تمہارا صاحب اور دوست (ابو بکرؓ) اللہ کا دوست ہے۔"

(روایت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ۔ ابواب المناقب۔ ترمذی)

(iv) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھے کسی کے مال سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا ابو بکرؓ کے مال سے ہوا۔" ابو بکرؓ رونے لگ گئے اور عرض کی "یا رسول اللہؐ میں اور میرا مال سب آپ ہی کا تو ہے۔"

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الایمان۔ ابن ماجہ)

(۱۴) اپنی تنگ مالی حالت اور دینی و معاشرتی مصالح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرض لیا کرتے تھے لیکن آپ کی اخلاقی فضیلت تھی کہ آپ سے بہتر قرض ادا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ذیل کی روایات ملاحظہ کریں۔

(i) حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ اپنے قرض خواہ کو خوب قرضہ واپس کرتے اور کچھ زیادہ ہی دیتے تھے۔ میرا قرض جھکتے ہوئے ترازو کے ساتھ واپس کیا۔

(کتاب الصلوٰۃ بخاری اور کتاب البیوع۔ نسائی)

(ii) ایک شخص نے رسول اللہؐ کو قرض دیا اور تقاضا کرنے آیا اس نے (بالکل ناجائز) تلخ کلامی کی۔ صحابہ کرامؓ نے اسے سزا دینی چاہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جانے دو جس کا حق نکلتا ہے وہ ایسی بات کر سکتا ہے۔ لوگوں

نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اونٹ اس نے قرض دیا تھا ویسا نہیں ملتا۔
اس سے عمر میں بڑا ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی دے دو
کیونکہ اچھے لوگ وہی ہیں جو قرض اچھے طور ادا کریں۔"
(کتاب الاستقراض۔ بخاری) (کتاب الصدقات۔ ابن ماجہ) (کتاب
المساقات والمزارعت۔ مسلم)

طبرانی، حاکم، ابن حبان اور بیہقی کی روایت کے مطابق اس شخص نے تو یہاں تک
کہہ ڈالا تھا کہ تم بنی مطلب بہت حیلہ اور حوالہ کرتے ہو۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ نہ صرف اسے معاف کیا بلکہ قرض سے زیادہ دلوا دیا۔

(iii) حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم قرض لیا پھر آپ کے پاس مال آیا تو مجھے واپس
کیا اور فرمایا اللہ برکت دے تیرے گھر، تیرے مال پر اور فرمایا قرض کا بدلہ یہ
ہے کہ انسان واپس کرے خوب طریقے سے اور شکریہ ادا کرے دعا دے
کر۔

(کتاب البیوع۔ نسائی) (کتاب الصدقات۔ ابن ماجہ)

(۱۶) اللہ کے رسول و برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نماز میں اتنے کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پاؤں اور پنڈلیوں پر ورم آجاتا جب
آپؐ کو کہا جاتا کہ آپؐ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں۔ آپؐ کے تو اگلے پچھلے
تمام گناہ اللہ نے بخش دیئے ہیں تو فرماتے کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ
بنوں؟

(روایت حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ (کتاب التہجد اور کتاب الرقاق۔
بخاری اور باب الصلوٰۃ۔ ترمذی)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعریف و توصیف کی چاہت رکھتے اور نہ ہی پسند
فرماتے تھے۔

(i) روایت کی حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا۔ (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) مسلمان نے یہودی کو تھپڑ مار دیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لایا۔ آپؐ نے اس کی دادرسی کی اور صحابہ کرامؓ کو فرمایا پیغمبروں کو ایک دوسرے پر ہرگز فضیلت نہ دو۔

(کتاب الخصومات ۔ بخاری)

(ii) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار امیرالمومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں اور کچھ نہیں مجھے یوں کہو اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول"

(کتاب بدالخلق ۔ بخاری)

(iii) لیکن اس انکساری اور اخلاق کے باوجود حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ مجالس نبویؐ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و جلال سے کوئی صحابہ آپؐ سے نظر ملانے کی جسارت نہ کرتا تھا سوائے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(iv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے کسی فضیلت کو پسند نہ کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں مدینہ میں ایک بار سورج گرہن ہوا اور اسی روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ابراہیمؓ انتقال بھی کر گئے۔ صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن لگا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں

کے ساتھ مل کر نماز پڑھی یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ "لوگو سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں اور بے شک ان دونوں میں کسی بھی شخص کے مرنے سے گرہن نہیں لگتا۔

(کتاب صلوۃ الکسوف۔ مسلم)

(۷) اپنے عظیم مرتبے کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی رقیق القلب تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے کہا حالانکہ آپ ہی پر اُترا ہے تو فرمانے لگے نہیں مجھے دوسروں سے سن کر اچھا لگتا ہے۔ جب میں سورۂ نساء میں آیت فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیداً (کیا کریں گے یہود جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور تجھ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت پر گواہ کھڑا کریں گے) پر پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے کہا بس کر میں نے دیکھا کہ آپ زار و قطار روتے ہیں۔

(متفق علیہ۔ مشکوۃ المصابیح)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھتے تھے۔ ہر انسان کی طرح خوشی پر خوش اور رنج و غم پر رنجیدہ ہوتے تھے۔ ہر طرح کے حالات میں آپ کا توکل علی اللہ اور رضائے الٰہی پر رضامندی اور شکر گزاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی وہ خوبی تھی جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بیٹی حضرت زینبؓ کا پیغام آیا کہ میرا بیٹا (علی بن عاص بن ربیع) مر رہا ہے۔ آپؐ نے جواب بھجوایا کہ تمہیں سلام ہو اور دیکھو اللہ کا مال تھا اس نے لے لیا چاہے لے اور چاہے رہنے دے اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ اب چاہتی ہو تو صبر کرو۔ بیٹی نے قسم دے کر

پھر درخواست کی کہ آپ ضرور آئیں، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی ابن کعب اور حضرت زید بن ثابت کو لے کر روانہ ہوئے۔ بچہ لایا گیا جو بالکل دم توڑ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں لیا اور آپ کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ رونا کیسا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ اللہ کی رحمت ہے۔ جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ اللہ انہی پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔"
(کتاب الجنائز۔ بخاری اور کتاب الجنائز۔ مسلم اور کتاب الجنائز۔ ابن ماجہ)

(۱۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ حکومت کی حیثیت سے بیت المال کے معاملات کا خود ہی خیال کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال میں موجود زکوٰۃ کے اونٹوں کی خود ہی نشان زدگی (داغتے) کرتے تھے۔ (کتاب الزکوٰۃ۔ بخاری اور کتاب الفضائل۔ مسلم)

(۲۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصول کے نہایت پابند تھے اور اس کو لاگو کرنے میں کسی فرد کی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ دودھ پی رہے تھے۔ دوسرے صحابہ کرام کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف ایک بدو اعرابی اور بائیں طرف حضرت ابو بکر تھے۔ حضرت عمر فاروق نے اس خیال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بدو اعرابی کو دودھ کا پیالہ نہ دے دیں فرمایا یا رسول اللہ! ابو بکر کو دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جو دائیں طرف ہے اس کا حق فائق ہے اور پیالہ گنوار بدو کو پہلے دے دیا۔ (اسی طرح ایک دوسرے موقع پر دائیں طرف بیٹھے ایک بچے کو بزرگ اصحاب سے پہلے دودھ دینے کا ذکر بھی ہے)

(کتاب المساقاۃ۔ بخاری اور ابواب المشروبات۔ ترمذی)

(۲۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدزبان نہ تھے اور نہ بدزبان بنتے تھے اور فرماتے تھے کہ، "تم میں بہتر وہی ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔" (کتاب المناقب اور کتاب الادب۔ بخاری)

(۲۲) ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چھوکری سے زیادہ شرم و حیا تھی جو کنواری ہو اور پردے میں رہتی ہو۔ کسی کی بات آپؐ کو ناگوار ہوتی تو منہ سے کچھ نہ کہتے لیکن ناگواری آپ کے چہرے سے دیکھی جاتی تھی۔ (کتاب الادب اور کتاب المناقب۔ بخاری، اس کے علاوہ کتاب الفضائل۔ مسلم اور کتاب الزہد۔ ابن ماجہ)

(۲۳) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی چیز کو برا نہیں کہا آپؐ کا دل چاہتا تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ (پر برائی نہ کرتے)

(کتاب المناقب۔ بخاری) اور (کتاب البر والصلۃ۔ ترمذی)

(۲۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ایسا تھا کہ ہر طبقے کے افراد اپنی مشکلات لے کر آپؐ کے پاس آتے تھے۔ مدینہ کا اولین دور خاص طور پر مہاجرین اور ان کے گھر والوں کے لئے بہت امتحان کا دور تھا ایسے ہی ایک وقت میں بعض مہاجرین کی گھر والیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں۔ وہ تنگ دستی کی شکایت کرتی تھیں، ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، اتنے میں حضرت عمر بن خطابؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ عورتیں ان کی آواز سن کر چپ ہو رہیں اور پردے کے پیچھے ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر صدقے، اللہ آپؐ کو ہمیشہ ہنستا رکھے، آپؐ کیوں ہنس رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ابھی یہ عورتیں میرے پاس شور مچا مچا

کر تقاضے کر رہی تھیں تمہاری آواز سن کر چپ ہو گئیں اور چھپ گئیں ہیں۔
حضرت عمرؓ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا اری اپنی جان کی دشمنوں تم اللہ کے رسولؐ سے نہیں ڈرتی اور مجھ سے ڈرتی ہو عورتوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحم دل اور نرم مزاج ہیں اور تم نہایت اکھڑ اور سخت مزاج ہو۔

(کتاب الادب۔ بخاری)

(۲۵) جس گھر میں بھی ایک سے زیادہ عورتیں ہوں گی وہاں پر جھگڑا ہونا لازی امر ہے۔ ایسا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں امہات المومنین کے درمیان بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاملے کو نہایت خوبی کے ساتھ سلجھا دیتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ کو یہودی کی بیٹی کہا. وہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو نے یوں کیوں نہیں کہا کہ تو ان دونوں سے بہتر ہے۔ تیرا شوہر بھی رسول ہے. تیرا باپ ہارونؑ بھی نبی تھا اور تیرا چچا موسیٰؑ بھی نبی تھا. پھر وہ تیرے پر کس بات میں فخر کرتی ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے کہا اللہ سے ڈرو (کتاب المناقب۔ ترمذی)

(۲۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب اور گھر والوں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھتے تھے اور خوشی کے موقع کو اپنانے کو پسند کرتے تھے عیدین اور تہوار کے موقع پر کھیل تماشے کو پسند کرتے تھے۔

(i) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک عید کے دن انصار کی دو لڑکیاں میرے گھر میں گا رہی تھیں کہ حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ شیطان کی تان رسول اللہ کے گھر میں کیونکر آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سب کی عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سر رکھ کر حبشیوں کا تماشہ دیکھنے کا بیان ہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ خود ہی اکتا کر ہٹ گئیں۔

(کتاب الصلٰوۃ العیدین۔ مسلم اور نسائی)

(ii) اسی طرح کسی اور عید پر حبشی شعبدہ باز تیروں کا تماشہ دکھا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نمودار ہوئے اور جھکے کہ انھیں کنکر ماریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ اے عمرؓ! انھیں کھیلنے دو۔

(روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ کتاب صلوۃ العیدین۔ مسلم)

(۲۷) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وفات شدہ اصحاب کے حقوق کا بھی پورا خیال رکھتے تھے نہایت باقاعدگی سے بقیع کے قبرستان جاتے تھے اور کہتے تھے "سلام ہو تم پر اے مومنو! تم وہ وعدہ پا چکے جو تم سے کیا گیا تھا اور اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے جلد ہی ملنے والے ہیں۔ اور اے اللہ! بقیع والوں کو غریق رحمت فرما۔"

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ کتاب الجنائز۔ مسلم)

(۲۸) رسول اکرمؐ مسلم معاشرے میں خوب گھل مل کر رہتے تھے۔ آپؐ اپنے لئے کسی خاص (Protocol) مراتب کو پسند نہ کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں جب آپؐ مکہ تشریف لائے (حجتہ الوداع کے موقع پر) تو (آپؐ کو دیکھنے کے لئے) ایسی بھیڑ لگ گئی کہ کنواری لڑکیاں تک باہر نکل آئیں اور لوگ کہنے لگے یہ محمدؐ ہیں یہ محمدؐ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی ایسی تھی کہ آپؐ کے آگے لوگ مارے نہیں جاتے تھے۔ (یعنی ہمارے موجودہ حکمرانوں کی طرح ہٹو بچو نہیں ہوتی تھی۔) (کتاب الحج۔ مسلم)

(۲۹) تجارتی معاملات میں آپ اس قدر کھرے تھے کہ ایک صاحب جو زمانہ جاہلیت میں آپؐ کے شریک تجارت رہ چکے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ بہترین کاروباری شریک تھے، کبھی دھوکا نہ دیا، کبھی کوئی چالبازی نہیں کی اور کبھی جھگڑا نہ کیا۔ ان کی روایت اس طرح ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگ (تعارفاً) میری تعریف کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا میں (سائب کو) تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ نے سچ فرمایا۔ آپؐ میرے شریک تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ نہ کبھی دھوکا دیا، نہ جھگڑا کیا؟

(روایت حضرت سائبؓ بن عبداللہ المخزومی۔ کتاب الادب۔ ابوداؤد)

اس کے ساتھ ہی ہم اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باب ختم کرتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ یہ خیرالبشرؐ ہستی فضائل اخلاق کی ہر ایک خوبی سے مالا مال تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں فلاح کا اعلان کیا ہے۔ آپؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی جتنی زیادہ خوبیاں ایک انسان اپنے اندر پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہو گا۔ اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ افراد یعنی صحابہ کرامؓ کے اخلاقی فضائل بیان کریں گے۔

(ج) صحابہ کرامؓ کے اخلاقی فضائل کے متعلق قرآن مجید کا بیان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے اخلاقی فضائل کے بیان سے قرآن حکیم بھرا پڑا ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے لئے ایک عملی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں اخلاقی تربیت و تہذیب کی بھٹی میں سے گزار کر کندن بنایا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی قرآنی صفات ہر مسلمان کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

قرآن حکیم میں صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ صفات کے لئے مندرجہ ذیل مقامات پر

رجوع کریں۔

(۶۳:۲۵ تا ۷۶) (۷۴:۸) (۸۸:۹ - ۸۹ - ۹۹ - ۱۰۰) (۲۲:۳۳ - ۲۳)
(۵۵:۲۴) (۱۰:۵۷) (۳۹:۲۲ تا ۴۱) (۴۱:۱۲ - ۴۲) (۸:۵۹ تا ۱۰)
(۱۸:۴۸ - ۲۹) (۷:۴۹ - ۸) (۱۸:۴۸) (۱۱۹:۵) (۱۰۸:۹ - ۱۱۷ - ۱۱۸)
(۲۲:۵۸) (۲۴:۹) (۸:۹۸) (۱۱۱:۹) (۱۶:۳ - ۱۷) (۳۷:۴۲ - ۳۸)
(۱۶:۴۱) (۱۶:۳۲) (۲۰:۷۳) (۷۱:۹) (۶۲:۸ - ۶۳ - ۷۴ - ۷۵)
(۱۳۴:۹ - ۱۹۱ تا ۱۹۳) (۲۹:۴۸) (۵۲:۶) (۷۲:۸) (۱۷۸:۳) (۱۷:۵۱ تا
۱۹) (۳۷:۲۴) (۴۰:۹ - ۵۴ - ۱۰۰ - ۱۱۷ - ۱۱۹) (۸۸:۱۵) (۲۸:۱۸)
(۲۱۵:۲۶) (۲۰:۷۳) (۱۰۲:۳) (۱۰:۴۹) (۱۸:۴۸ - ۲۹) (۴۴:۳۳)
(۱۰۳:۳ - ۱۰۹) (۱۴۳:۲) (۱۰:۵۷) (۱۶:۳) (۳۵:۳۳ - ۳۶)
(۸:۵۹) (۵۶:۱۹) (۷۵:۵) (۱۷۸:۳) (۱۰۸:۲ - ۱۰۹) (۱۹:۵۷) اس کے
علاوہ قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل مقامات پر پسندیدہ صفات المومنین بیان کیں ہیں۔ جن کا
بہترین مظہر اور مکمل نمونہ صحابہ کرامؓ تھے۔ (۳۵:۳۳) (۱۱۲:۹) (۲۹:۴۸)
(۵۴:۵) (۴۶:۸) (۱۰۲:۳) (۶۳:۸) (۵۷:۳۳ تا ۶۱) (۲۳:۱۷ تا ۳۷)
(۲۷:۲) (۲۱:۱۳ - ۲۵) (۱۱۲:۹) (۶۶:۱۹) (۴:۶۱) (۱۰۹:۳) (۱۴۳:۲)
(۲۱:۱۳ - ۲۲) (۹:۱۰ تا ۱۱) (۲۰:۱۳ تا ۲۲) (۲۴:۲۸) (۵۴:۱۹) (۲۴:۳۳
- ۳۵ - ۳۶) (۱۹:۵۷) (۸:۵۹) اور (۴۱:۱۹ تا ۵۶)

اسلام کے اخلاقی انقلاب کے داعی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ پر قرآن و حدیث سے روشنی ڈالنے کے بعد ہم نے اوپر اخلاق صحابہ کرامؓ اور مطلوبہ صفات المومنین پر قرآن حکیم کی توصیف اور مطلوبہ معیار بیان کیا ہے۔ اب ہم احادیث کی کتب کی روشنی میں یہ بتائیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ پیغمبرانہ زندگی میں جو افراد اور جو معاشرہ پیدا کیا تھا ان کے کیا اخلاقی فضائل و خصائص تھے۔

(۱) صحابہ کرامؓ کی اولین اخلاقی خوبی تھی کہ وہ اپنے روحانی باپ ہونے کے ناطے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت عزت کرتے تھے۔

(i) حضرت انس بن مالکؓ نے کہا "ہم کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال کرنے سے منع کیا تھا اس لئے ہم یہ بات پسند کرتے تھے کہ کوئی بدو اعرابی آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے۔"

(کتاب العلم۔ بخاری)

(ii) حضرت انس بن مالکؓ ہی روایت کرتے ہیں کہ مجلس نبویؐ میں رسول اللہ کے جلال وہیبت سے کوئی صحابی آپؐ سے نظر نہ ملاتا تھا سوائے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسکراہٹ لوٹاتے تھے۔

(ابواب المناقب۔ ترمذی)

(iii) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم تو جزو ایمان تھا ہی صحابہ کرامؓ اپنے سے بڑوں کی نہایت عزت و ادب کرتے تھے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میں ایک لڑکا تھا۔ آپؐ کی حدیثیں یاد کرتا تھا لیکن بولتا نہ تھا کہ مجھ سے بڑے بوڑھے مجلس میں ہوتے تھے۔

(کتاب الجنائز۔ مسلم)

(iv) اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کیا ہے کہ میں سفر میں تھا اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ (مہاجرین میں سے صحابی رسول) میرے ہم سفر تھے وہ عمر میں گو مجھ سے بڑے تھے لیکن میری بہت خدمت کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا آپؐ میرے بڑے ہیں مجھے خدمت کا موقع دیں تو وہ کہنے لگے میں نے انصار مدینہ کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ کی خدمت کرتے دیکھا تو اپنے پیدا کرنے والی ذات کی قسم کھائی تھی کہ میں

تازندگی انصار کی اسی طرح خدمت کروں گا۔

(کتاب الفضائل۔ مسلم)

(۷) حضرت علی مرتضیٰؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک ہے اور کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نکلے کہ کام مزدوری ملے اور اجرت ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کو کچھ لائیں۔ ایک یہودی نے ہر ایک ڈول پانی کے بدلے ایک عجوہ کھجور پر مزدوری دے دی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ڈول کے ذریعے کنویں سے پانی کھینچا اور مزدوری میں عجوہ کھجوریں لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں (اور آپؐ کو کھلائیں)۔

(روایت حضرت ابن عباسؓ۔ کتاب الرہون۔ ابن ماجہ)

(۲) صحابہ کرامؓ میں سے انصار مدینہ نے قربانی، ایثار اور بھائی چارے کی جو مثال پیش کی پوری انسانی تاریخ میں کسی انسانی گروہ میں اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ (یعنی میں انصار مدینہ کا ایک فرد ہونا پسند کرتا)

(روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ دارمی)

اب ہم انصار مدینہ کے اخلاق عالیہ کے چند اوراق پیش کرتے ہیں:۔

(i) ہجرت مدینہ کے وقت انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے لئے کس ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا اس کی بہترین مثال ہم کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت کردہ حدیث میں ملتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

"ہجرت کر کے میں مدینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ میں اور سعد بن ربیع انصاریؓ میں بھائی چارہ کروا دیا۔ سعدؓ مجھے کہنے لگا دیکھ میں مدینہ والوں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں چنانچہ میرا آدھا مال لے لے اور دیکھ میری دو بیویاں ہیں انہیں بھی دیکھ

لے اور جو تجھے پسند ہو میں اسے تیرے لئے طلاق دے دیتا ہوں، جب عدت گزر جائے تو نکاح کر لینا۔ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے شکریہ ادا کیا اور کہا اس کی کیا ضرورت ہے۔ تجھے سب مبارک ہوں، مجھے اتنا بتا دے کہ یہاں کوئی بازار ہے جہاں کاروبار ہوتا ہو۔ سعد ؓ نے کہا ہاں قینقاع کا بازار ہے۔ عبدالرحمٰن ؓ وہاں گئے اور بازار میں کوئی مزدوری و کاروبار کر کے پنیر اور گھی کما لائے، پھر روز جانے لگے یہاں تک کہ ایک دن اس قابل ہو گئے کہ ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا۔ (کتاب البیوع اور کتاب المناقب۔ بخاری) جب کہ بخاری ہی کی کتاب الکفالتہ میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اول اول مہاجر، انصاری کا ترکہ پاتے تھے اور انصاری کے ناتہ داروں کو کچھ نہ ملتا تھا یہاں تک کہ حکم وراثت آگیا اور ناتے دار اپنا مقررہ حصہ پانے لگے۔

(ii) انصار مدینہ کے ایثار کی ایک اور مثال اس وقت قائم ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہماری ملکیت میں کھجور کے درخت ہیں انہیں ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیجئے، لیکن فیصلہ ہوا کہ تقسیم نہ ہو گی بلکہ مہاجرین ان درختوں پر محنت کریں گے اور پھل کے حصہ دار ہوں گے۔

(روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ۔ کتاب الوکالتہ۔ بخاری)

(iii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کی جاگیر میں سے صرف انصار صحابہ ؓ کو جائداد دینا چاہی تو انصار نے بیک موقف کہا کہ ہم تب لیں گے جب ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی ویسے ہی مقطعے دیں گے جیسے آپ ؐ ہمیں دینا چاہتے ہیں۔

(روایت حضرت انس بن مالک ؓ۔ کتاب لمساقاۃ اور کتاب المناقب۔ بخاری)

(iv) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھوکا شخص آیا۔ آپ ؐ نے اسے ایک انصاری کے سپرد کیا۔ وہ اسے لے کر اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا یہ

شخص بھوکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے اس کی خاطر کر اس نیک بخت نے کہا کہ میرے پاس تو صرف بچوں کے لئے کھانا ہے (میرے اور تیرے لئے بھی نہیں ہے) اچھا میں بچوں کو سلا دیتی ہوں۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہاں بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دے اور چراغ گل کر دے تاکہ مہمان کو پتہ نہ چلے کہ ہم دونوں کھانا نہیں کھا رہے۔ صبح وہ انصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم دونوں میاں بیوی نے رات جو کام کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوا کہ انسان اپنے بچوں کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے لیکن تم نے میرے مہمان کی خاطر معصوم بچوں کی پرواہ نہیں کی۔

(روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کتاب المناقب۔ بخاری اور کتاب التفسیر۔ ترمذی اور کتاب الاشربۃ۔ مسلم)

(iv) حضرت ابو طلحہ انصاریؓ مدینہ کے صاحب حیثیت افراد میں سے تھے اور ان کے باغات سب سے زیادہ تھے۔ ایک باغ جو عین مسجد نبویؐ کے سامنے تھا نام جس کا بیرحاء تھا انہیں خود بہت پسند تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی وہاں جاتے تھے اور اس کا میٹھا پانی پیتے تھے۔ جب سورہ آل عمران کی آیت "تم نیکی کا اعلیٰ مقام نہیں پاسکتے جب تک اس چیز کو اللہ کی راہ میں انفاق نہ کرو جو تمہیں سب سے زیادہ پسند ہو۔" تو حضرت ابو طلحہ انصاریؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے تو مجھے بیرحاء باغ سب سے زیادہ پسند ہے میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اللہ سے اس کا اجر پانے کی توقع رکھتا ہوں۔ آپؐ کو اختیار ہے کہ اس کو جس راہ میں چاہیں استعمال کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور کہا واقعی تو نے بہت نفع کا سودا کیا یہ باغ اپنے غریب ناتے داروں میں دے ڈال اس طرح تجھے کو دوہرا ثواب ملے گا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا بہت اچھا جیسا

آپ حکم کرتے ہیں ویسا ہی کرتا ہوں اور وہیں کھڑے کھڑے وہ باغ اپنے غریب رشتہ داروں میں بانٹ دیا (دوہرا ثواب اس طرح کہ ایک قرابت داروں سے سلوک کا اور دوسرا صدقہ کا ثواب)

(روایت حضرت انس بن مالکؓ ۔ کتاب الاشربہ ۔ بخاری اور کتاب الزکوٰۃ ۔ مسلم)

(v) حضرت ابو طلحہ انصاریؓ ہی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک روز اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک چڑیا اڑی اور باغ سے باہر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگی لیکن باغ اس قدر گنجان تھا اور پیڑ اور بیلیں اس قدر باہم ملی ہوئی تھیں کہ چڑیا راہ نہ پاتی تھی ۔ انہیں یہ منظر اچھا لگا اور نماز سے دھیان ہٹ گیا اور وہ چڑیا کی اڑان دیکھنے لگے اور ان کا دل اپنے باغ کی خوبی پر خوش ہوا ۔ جب نماز کی طرف دھیان کیا تو بھول چکے تھے کہ، کیا پڑھ چکے ہیں اور کیا پڑھنا باقی ہے ۔ چنانچہ نماز ختم کر کے سوچا یہ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے صریحاً آزمایا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا اور کہا یہ باغ صدقہ ہے آپؐ کو جس طرح چاہیں مصرف میں لائیں ۔

(روایت عبداللہ بن ابی بکرؓ ۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ موطاء امام مالک)

(vi) انصار مدینہ کے ایک فرد کا گھر رسول اللہؐ کی مسجد سے بہت دور تھا اور وہ ہر طرح کے موسم میں ہر ایک نماز کے لئے حاضر ہوتے تھے ۔ انہیں کہا گیا کہ کاش تم ایک گدھا خرید لیتے جو تمہیں گرمی اور راستے کے کیڑے مکوڑوں سے بچاتا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے متصل گھر ہی خرید لیتے ۔ اس انصاری نے کہا خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میرا گھر رسول اللہؐ کے گھر کے پاس ہو ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے اس کی بات بہت ناگوار گزری اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا تو اس نے جواب دیا کہ میں (مسجد تک پیدل چلنے پر) اپنے قدموں کا ثواب چاہتا

ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا بے شک تمہارے لئے وہ اجر ہے جس کے تم امیدوار ہو۔

(روایت ابی بن کعبؓ۔ کتاب المساجد۔ مسلم)

(vii) جب جنگ بدر کا موقع آیا اور قریش کے لشکر کی روانگی کی اطلاع آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے گفتگو کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے اور انصار کی طرف دیکھتے تھے، پھر حضرت عمرؓ نے گفتگو کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی جواب نہ دیا اور انصار کی طرف دیکھتے تھے (کیونکہ رسول اللہؐ چاہتے تھے کہ انصار بولیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ وہ امن اور جنگ ہر حال میں آپؐ کی حفاظت کریں گے اور آپؐ کا ساتھ دیں گے) آخر انصار مدینہ کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ اٹھے اور کہا کیا رسول اللہؐ، آپؐ ضرور ہمارے سے پوچھتے ہیں۔ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں ہماری جان ہے اگر آپؐ ہم کو حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں تو ہم بے چون و چرا ڈال دیں، اگر آپ ہم کو حکم کریں گھوڑے بھگانے کا برک الغماد (مکے سے پرے ایک دور کا مقام) تک تو خدا کی قسم ہم ضرور بھگائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے اور بدر کی طرف روانگی کا اعلان فرمایا۔

(روایت حضرت انس بن مالکؓ کتاب الجہاد والسیر۔ مسلم)

(viii) حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر جب قریش مکہ کو عارضی غلبہ حاصل ہوا تو ایک وقت ایسا آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو مہاجر اور سات انصاری رہ گئے۔ جب قریش نے آپؐ پر ہجوم کیا تو ایک ایک کر کے ساتوں انصاری اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر گئے اور شہادت کے رتبہ جلیل سے سرفراز ہوئے۔

(کتاب الجہاد والسیر۔ مسلم)

(ix) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین مکہ آپ کے پاس تشریف لائے اور عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے کوئی قوم ان انصار مدینہ سے زیادہ فیاض اور خرچ کرنے والی نہ دیکھی نہ سنی۔ انہوں نے اپنے مال سے نیکی اور مدد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور انہوں نے ہم کو محنت سے کفایت کیا اور منفعت میں شریک کیا۔ سارا ثواب تو یہ انصار ہی لے جائیں گے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم ان کے حق میں دعا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو تم بھی ثواب کے حق دار ہو گے بغیر اس کے کہ انصار کا ثواب کم ہو۔ (روایت کیا مشکوۃ المصابیح نے ترمذی سے)

(x) انصارِ مدینہ کی لازوال ایثار و قربانی کا باب ختم کرنے سے پہلے ہم مکہ میں بیعت کرتے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور انصار مدینہ کے سرداروں کے درمیان عہد و پیمان کا ذکر نہایت برمحل سمجھتے ہیں۔

"بیعت عقبہ کے بارے میں تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب انصار مدینہ رات کے وقت چھپتے چھپاتے دو دو چار چار کر کے طے شدہ مقام پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ موجود پایا۔ حضورؐ اپنے معاملات میں چچا پر اعتماد کرتے تھے حالانکہ ابھی وہ بظاہر غیر مسلم بنے ہوئے تھے۔ وہ اس لئے اس نازک موقع پر آئے تھے کہ حضورؐ کے مدینہ جانے سے پہلے ہر لحاظ سے بات پختہ کر لیں۔

امام احمدؒ، بیہقی اور عامر شعبی نے حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو بولنا ہے وہ مختصر بولے اور بات کو طول نہ دے کیونکہ مشرکین کے جاسوس تمہاری کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے گفتگو کی ابتدا کی اور کہا "اے خزرج کے لوگو، محمدؐ

ہمارے ہاں جو حیثیت رکھتے ہیں وہ تمہیں معلوم ہے جو لوگ ان کے بارے میں ہمارے ہم خیال ہیں (یعنی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا) ان کے مقابلے میں ہم (یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب) نے ان کی حفاظت اور حمایت کی ہے۔ اس لئے وہ اپنی قوم کے اندر مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں لیکن وہ تمہارے ہاں جانے کے سوا اور کسی بات پر راضی نہیں ہیں۔ اب اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو گے جس کے ساتھ تم انہیں مدعو کر رہے ہو اور ان کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی حفاظت کرو گے، تو جو ذمہ داری تم اٹھا رہے ہو اسے اٹھا لو تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر یہاں سے ان کے نکلنے اور تمہارے ساتھ جا ملنے کے بعد تم کسی درجہ میں بھی یہ اندیشہ رکھتے ہو کہ تمہیں ان کا ساتھ چھوڑ دینا اور انہیں ان کے دشمنوں کے حوالے کرنا پڑے گا تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو کیوں کہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں۔"

انصار نے کہا ہم نے آپ کی بات سن لی اب یارسول اللہ آپ ارشاد فرمائیں اور اپنے لئے جو عہد ہم سے لینا چاہتے ہیں لے لیں۔ اس پر حضورؐ نے اپنی تقریر میں پہلے قرآن پڑھا۔ اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی طرف رغبت دلائی اور اس کے بعد فرمایا:۔

"میں تم سے اس بات پر بیعت لینا چاہتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حمایت و حفاظت کرو گے جس طرح خود اپنے بال بچے کی کرتے ہو۔"

براء بن معرورؓ نے حضورؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "جی ہاں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم آپ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل اولاد کی کرتے ہیں۔ یارسول اللہؐ ہم سے بیعت لیجئے ہم جنگ آزما لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے اس کو وراثت میں پایا ہے۔" بیچ میں بات کاٹ کر ابوالہیثمؓ بن التیہان نے کہا "یارسول اللہ آپؐ جو بھی چاہتے ہیں ہم اس پر بیعت کرتے ہیں لیکن ہم یہود یثرب کے معاہد ہیں ہم معاہدے کی تجدید نہ کریں گے مگر یہ تو نہیں ہوگا کہ ادھر ہم معاہدہ کی تجدید نہ کریں اور ادھر آپ کو قوت حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں

بے یارومددگار چھوڑ کر اپنی قوم سے گلے مل جائیں۔ یہ سن کر رسول خداؐ مسکرا دیئے اور فرمایا "نہیں بلکہ اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے (یعنی میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے) جہاں تمہارا خون بہے گا وہاں پر میرا لہو بھی بہے گا، جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے مجھے شریک پاؤ گے اور جس کے ساتھ تمہاری صلح ہوگی وہ میرا بھی حلیف ہو گا۔"

حضرت سعد بن عبادہؓ نے آگے بڑھ کر اپنی قوم کو پھر سمجھایا "اے برادران خزرج! تم جس بات پر بیعت کر رہے ہو اسے خوب ذہن نشین کر لو ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے ان کے پاس اس کے سوا اور کس لئے آئے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں ان کو آج نکال کر اپنے وطن لے جانا تمام عرب اور ہر کالے گورے سے دشمنی لینے کے مترادف ہے اس کے نتیجے میں تمہیں اموال و اولاد کی تباہی دیکھنی ہوگی اگر اس وقت رسول اللہؐ کو دشمن کے حوالے کرو گے تو دین و دنیا کی رسوائی تمہارا مقدر ہوگی اور پھر اس بیعت کے کیا معنی ہیں ابھی سے عذر کر لو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو گا لیکن اگر یہ سرفروشی منظور ہے اور جان، مال اور اولاد کو نثار کرنے کے لئے تیار ہو تو شوق سے بیعت کرو انشااللہ تمہیں دین و دنیا میں سرخروئی حاصل ہوگی۔" حاضرین نے بالاتفاق کہا "ہم انہیں لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔" پھر حاضرین نے کہا یارسول اللہؐ اگر ہم آپ کے ساتھ اس عہد کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا۔ رسول اللہؐ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جنت"

انصار بولے ہم نے آپ کی بات سن لی، خدا کی قسم، اگر ہمارے دلوں میں کچھ اور ہوتا تو صاف صاف کہہ ڈالتے مگر ہم آپؐ کی سچی وفاداری اور آپؐ کے لئے جانیں لڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم خوب سامان جنگ اور لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ حال اس وقت تھا جب ہم پتھروں کی پوجا کرتے تھے تو بھلا ہمارا حال اب کیا ہو گا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ حقیقت دکھلا دی جس سے دوسرے لوگ اندھے ہیں۔ چنانچہ بیعت ہوئی کہ "ہر قسم کی

راحت و عسرت اور مسرت و خوف میں رسول اللہؐ کا ساتھ دیں گے صداقت کا دامن نہ چھوڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔ اچھے اور برے حال میں رسول اللہؐ کا حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ خوشحالی اور بد حالی ہر حال میں اپنا مال خرچ کریں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اللہ کے معاملے میں صرف حق بات کہیں گے"، اور رسول اللہؐ نے کہا کہ "جب میں تمہارے ہاں آؤں گا تو تم ہر چیز سے میری حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنی اولاد اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو اور اس کے بدلے میں تمہارے لئے جنت کا پکا وعدہ ہے۔"

(i) سیرت النبی (جلد اول) مولانا شبلی نعمانیؒ

(ii) سیرت سرور عالم/ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

(iii) حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم/ محمد حسنین ہیکل

(iv) الرحیق المختوم/ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

اس سارے بیان سے انصار مدینہ کے ایثار و قربانی کا پورا پس منظر سامنے آجاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسا خطرہ (Risk) مول لیا کہ سارا عرب یک جان ہو کر ان کا دشمن ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور تاریخ انسانی میں ایثار و قربانی کا سب سے اعلیٰ و افضل باب رقم کیا۔

(۳) صحابہ کرامؓ میں ہم سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ صدیق کا اخلاق بیان کرتے ہیں:۔

(i) حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ "حضرت ابو بکرؓ قرآن پڑھتے ہوئے زار و قطار روتے تھے۔" (کتاب الصلوۃ۔ بخاری)

(ii) صحابہ کرامؓ میں جو مقام حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کے اخلاق کے متعلق ایک مشرک کی شہادت حضرت عائشہ صدیقہؓ یوں روایت کرتی ہیں "میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو پہچانا (یعنی ہوش سنبھالا) میں نے انہیں اسلام پر پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف نہ لائیں (آغاز اسلام میں)۔
جب مسلمانوں کو کفار مکہ کے ہاتھوں بہت تکلیفیں پہنچیں تو رسول اکرمؐ کی اجازت سے حضرت ابو بکرؓ بھی ہجرت کر کے حبش کے لئے روانہ ہوئے۔ برک الغماد پہنچے تو مالک بن وغنہ جو قارہ قبیلے کا سردار تھا مل گیا، اس نے کہا، اے ابی قحافہ کہاں کا قصد ہے؟ میرے باپ نے جواب دیا "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی زمین کی سیر کروں" ابن وغنہ نے کہا، "تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے۔ تم تو جو چیز لوگوں کے پاس نہیں وہ انہیں کما کر دیتے ہو (یعنی غریب پرور ہو) اور ناتا جوڑتے ہو اور لوگوں کے بال بچے کا بوجھ اٹھاتے ہو اور مہمان کی ضیافت کرتے ہو، حادثوں میں حق کی بات کہتے ہو، چلو اپنے وطن لوٹ چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر اپنے مالک کی پوجا کرو" پھر وہ ابو بکرؓ کو لے کر قریش کے سرداروں کے پاس گیا اور کہنے لگا "دیکھو ابو بکرؓ جیسا آدمی یہاں سے نکل جائے یا نکالا جائے! (سخت افسوس ہے) تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو غریب کی پرورش کرتا ہے، ناتا جوڑتا ہے، لوگوں کے بال بچے کا بوجھ اپنے پر اٹھاتا ہے، مہمان کی ضیافت کرتا ہے، حادثوں میں حق بات کہتا ہے" قریش کے سرداروں نے ابن وغنہ کی پناہ منظور کر لی۔ (کتاب الکفالتہ۔ بخاری)

(iii) حضرت ابو بکرؓ کی اخلاقی عظمت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں آپ کا مقام حضرت ابو درداءؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں یوں بیان ہوا ہے کہ "حضرت ابو بکرؓ آنحضرت کی مجلس میں آئے تو آپ کے چہرے کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، آج تمہارے صاحب کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔
حضرت ابو بکرؓ نے کہا "میرے اور خطاب کے بیٹے (حضرت عمرؓ) کے درمیان تکرار ہو گئی میں نے اسے سخت سست کہا پھر میں شرمندہ ہوا اور اس سے معافی مانگی لیکن وہ نہیں مانتا اور مجھے معاف نہیں کرتا۔ اب میں آپؐ کے پاس

آیا ہوں۔" (کہ آپ ہی انہیں سمجھائیں کہ وہ مجھے معاف کر دیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار کہا "اے ابو بکر! اللہ تجھے بخشے۔"

دوسری طرف حضرت عمر بن خطاب بھی شرمندہ ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کے گھر گئے لیکن وہ گھر موجود نہ تھے چنانچہ وہ بھی مجلس نبوی میں آئے (جہاں حضرت ابو بکرؓ بھی موجود تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ ڈرے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر خفا نہ ہوں چنانچہ فوراً با ادب عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاء بالکل میری ہی تھی، عمرؓ کا کوئی قصور نہیں ہے"۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، تمام دنیا نے مجھے جھوٹا کہا، صرف ابو بکرؓ نے میری تصدیق کی اور سچا کہا اور اپنی جان و مال سے میری خدمت کی تم میرے دوست کو ستانا چھوڑ دو"۔ (کتاب المناقب اور کتاب التفسیر۔ بخاری)

(iv) حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہمیں جہاد کے لئے صدقہ کا حکم ہوا (جنگ تبوک کا زمانہ تھا) اور اتفاق سے میرے پاس مال بھی تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ کم از کم اس بار میں ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا چنانچہ میں آدھا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ رسول اللہ بہت خوش ہوئے اور مجھے دعا دی اور فرمایا بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے میں نے کہا اسی کے برابر جو لایا ہوں۔ حضور صلعم نے دوبارہ دعا دی جو لایا اور جو چھوڑا اللہ ان میں برکت دے۔ پھر ابو بکرؓ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا، انہوں نے کہا "اللہ اور اس کا رسول" میں نے کہا اے خطاب کے بیٹے تو قحافہ کے بیٹے سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔" (ابواب المناقب۔ ترمذی)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ بدیع الزمانؒ فرماتے ہیں کہ ان برکات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکرؓ کو سباق الی الخیر اور حضرت عمر فاروقؓ آپ کو سابق بالخیر کہتے تھے۔

(v) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آج کے دن تم میں سے کس کا روزہ ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا آج کے دن تم میں سے کوئی جنازے پر گیا؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں گیا تھا یا رسول اللہؐ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ آج کے دن تم میں سے کسی نے یتیم کو کھانا کھلایا؟ تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں نے کھلایا یا رسول اللہؐ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا آج کے دن تم میں سے کوئی کسی بیمار کی عیادت کو گیا؟ تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں گیا تھا یا رسول اللہؐ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور کہا جس شخص میں یہ تمام خصلتیں جمع ہوں گی وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا مسلم سے)

(vi) حضرت عقبہ بن حارثؓ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت ابو بکرؓ نے عصر کی نماز پڑھائی اور باہر نکلے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی ساتھ میں تھے اتنے میں انہوں نے حضرت امام حسنؓ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے نہایت شفقت سے اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا میرے ماں باپ تجھ پر صدقے تیری مشابہت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے علیؓ کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علی مرتضیٰؓ ہنسنے لگے۔ (مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا بخاری سے)

(۴) حضرت عمر بن خطابؓ وہ جلیل القدر صحابی رسول تھے جن کو دعا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کروایا تھا۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کے اخلاق عالیہ کی تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں دکھلائیں

دکھلائیں۔

(i) حضرت عبداللہ ؒ بن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے فجر کی نماز حضرت عمر فاروق ؓ کی اقتداء میں پڑھی۔ سورۂ یوسف کی آیت "میں اپنے رنج و غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں" پر پہنچے تو اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ آپ ؓ کے رونے کی آواز میں نے آخری صف میں سنی۔ (کتاب الاذان۔ بخاری)

(ii) حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب ؓ کو دیکھا امیر المومنین تھے اور ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تین پیوند لگے ہوئے تھے۔ (کتاب الجامع۔ موطاء امام مالک ؒ)

(iii) حضرت انس ؓ بن مالک ہی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ؓ کو ایک باغ میں پایا اور میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار تھی (یعنی انہیں میری موجودگی کا علم نہ تھا) اور آپ فرماتے تھے "واہ واہ خطاب کے بیٹے، امیر المومنین بنا پھرتا ہے ہوش کی دوا کر اللہ سے ڈر وگرنہ وہ تجھے عذاب میں ڈال دے گا۔" (کتاب الجامع۔ موطاء امام مالک ؒ)

(iv) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اور بریدہ ؓ سے الگ الگ روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر جہاد سے واپس آئے تو ایک حبشی عورت نے آپ ؐ کا راستہ روک لیا اور کہا یا رسول اللہ ؐ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ اس سفر جہاد سے کامیاب لوٹیں گے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی اجازت دی اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کے ساتھ لگی ہوئی تماشہ دیکھتی تھیں خوب مجمع لگ گیا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر ؓ آئے وہ دف بجاتی رہی اسی طرح حضرت علی ؓ اور حضرت عثمان ؓ آئے وہ دف بجاتی رہی اتنے میں حضرت عمر فاروق ؓ آتے ہوئے نظر آئے تمام لوگ بھی بھاگ گئے اور وہ عورت بھی دف بجاتے بجاتے رک گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے اور کہنے لگے جن و انس کے تمام

شیاطین عمرؓ سے بھاگ گئے۔

(کتاب المناقب۔ ترمذی)

(v) حضرت سویدؓ نے کہا میں نے امیرالمومنین حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسا دیا اور اس سے لپٹ گئے اور فرمایا تو فقط ایک پتھر ہی تو ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بہت چاہتے تھے اس لئے میں بھی تجھے بہت چاہتا ہوں۔ (کتاب الحج۔ مسلم)

(vi) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے حق عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ہے وہ ہمیشہ حق بات ہی کہتے ہیں۔"

(روایت حضرت ابوذر غفاریؓ۔ کتاب الایمان۔ ابن ماجہ)

(vii) ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ اس بات کو حد درجہ ناپسند کرتے تھے کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ سے بہتر پہنیں یا کھائیں۔ ان کے دور خلافت میں جب مدینہ منورہ میں دولت کے انبار لگ گئے تھے اور حریم خلافت میں مال غنیمت لدلد کر آتا تھا تو حضرت عمرؓ کو رسالت مآبؐ اور حضرت ابو بکرؓ کی ناداریاں اور سیم و زر سے مطلق محرومیاں یاد آ جاتی تھیں۔ انہیں یاد کر کر کے آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی تو روتے روتے آپ کی ہچکیاں بند جاتی تھیں۔ آپ خود بھی روتے تھے اور اپنی مجلس کے ساتھیوں کو بھی رلاتے تھے۔ آپ کی زندگی کی مطلق بے سروسامانی دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ بھی بے تاب ہو جاتے تھے اور اس باب میں انہوں نے متفقہ طور پر ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمر کو راضی کیا کہ وہ اپنے فقیر منش والد سے زندگی کی آسائش کی سفارش کریں یا کم از کم اس بات پر تیار کریں کہ وہ حد درجہ ریاضت اور جفاکشی کو ترک کر دیں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے یہ تجویز رد کر دی اور الٹے حضرت حفصہؓ کو آنحضرتؐ کی زندگی کی ناداریاں اور

مصیبتیں یاد دلائیں اور اس حد تک ان باتوں کا ذکر کیا کہ حضرت حفصہؓ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں اور حضرت عمرؓ بھی خوب روئے۔ دور خلافت عمرؓ میں جزیرہ نمائے عرب میں سخت قحط پڑا اس بلاخیز دور میں جو نو مہینے تک رہا حضرت عمر فاروقؓ نے وہ روش اختیار کی کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تاریخ کے اوراق ایسے ذکر سے خالی ہیں کہ کبھی حکمران نے بھی فاقہ کشی اور بھوک میں اپنی رعایا کا ساتھ دیا ہو۔ عام لوگوں کی طرح حضرت عمرؓ بھی عملی طور پر بھوکے رہتے تھے۔ حد یہ کہ ایک زمانے میں صرف زیتون کے پھلوں پر گزارہ کرنے لگے کبھی یوں ہی کھا لیتے اور کبھی پکوا لیتے تھے۔ آپ نے اس کثرت سے زیتون استعمال کیے کہ پہچانے نہیں جاتے تھے، فاقہ زدہ لوگوں کے لئے خود اپنی پیٹھ پر اناج لاد لاد کر پہنچاتے تھے۔ تمام ریاستی مشینری کو اس کام پر لگا کر وہ اطمینان بھی کرتے تھے کہ جن کے لئے اناج فراہم کیا جا رہا ہے ان تک پہنچ بھی رہا ہے اور وہ کھا بھی رہے ہیں۔ اس زمانے میں اپنی جان پر اتنی تکلیف روا رکھی کہ صحابہ کرامؓ کو آپؓ کی زندگی کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ بار بار اللہ کے حضور استغفار کرتے تھے کہ کہیں آپؓ کی خلافت میں امت محمدؐ ہلاک نہ ہو جائے۔ مستقلاً زیتون کھانے سے حالت بہت خراب ہو گئی، پیٹ میں مروڑ اٹھتے تھے اور قرقری آوازیں پیدا ہوتیں تو اپنے شکم پر ہاتھ مارتے اور اس سے مخاطب ہو کر کہتے تھے "اے شکم کچھ بھی کر لے تجھے یہ ہی کھانا پڑے گا جب تک لوگوں پر یہ قحط کی مصیبت رفا نہیں ہوتی۔"

آپ فرماتے تھے کہ "امت کی یہ دولت اسی طرح میری نگرانی میں ہے جیسے یتیموں کا مال، ناجائز طریقے پر اس کا کھانا مطلقاً حرام ہے۔"

اپنے دور خلافت میں بیت المال سے کل آٹھ ہزار درہم بطور مشاہرہ لئے (یہ مشاہرہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے مشورے پر مقرر کیا تھا) اور اس کو بھی قرضہ قرار دیتے ہوئے اپنے مرض الموت میں اپنے صاحب زادے کو حکم دیا کہ

میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ میں سے یہ رقم جو مجھ پر مسلمانوں کے مال میں سے قرض ہے بیت المال کو ادا کر دینا۔ اگر میرا ترکہ کم ہو جائے تو میرے قبیلے قریش سے مطالبہ کرنا کہ وہ یہ رقم پوری کر دیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے ایک ہفتہ کے اندر یہ رقم بیت المال میں جمع کروا کر حضرت عثمان غنیؓ سے رسید لے لی۔

(۵) ذوالنورین حضرت عثمانؓ بن عفان وہ عظیم صحابی ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا دوبار شرف حاصل ہوا۔ ان کی شرافت اور اخلاق سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی فوت ہونے پر اپنی دوسری بیٹی ان سے بیاہ دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں پینے کے میٹھے پانی کی سخت قلت تھی۔ بیر رومتہ ایک میٹھا کنواں تھا جو یہودیوں کی ملکیت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کا اظہار کیا کہ کوئی اس کو خرید کر سب مسلمانوں کے رفائے عام کے لئے کھول دے تو حضرت عثمانؓ نے یہ سعادت حاصل کی۔ پھر مسجد نبویؐ کی توسیع کا سوال آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کون میری مسجد کو بڑھانے کے لئے زمین خریدتا ہے تو حضرت عثمانؓ نے خریدی۔ جنگ تبوک کی تیاری پر حضرت عثمانؓ نے بہت مال خرچ کیا۔ جتنی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو صدقے پر ابھارتے حضرت عثمان غنیؓ ہر دفعہ سب سے بڑھ کر صدقات دیتے تھے۔ خلافت ابو بکرؓ میں مدینہ میں قحط پڑا اسی زمانے میں حضرت عثمانؓ کے شام سے غلے سے لدے ہوئے اونٹ مدینہ بطور سامان تجارت پہنچے۔ بیوپاری حضرت عثمانؓ کے پاس آتے اور اپنی رقم بتاتے لیکن حضرت عثمانؓ ہر ایک کو یہی جواب دیتے، مجھے تمہاری رقم سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ آخر بیوپاریوں نے کہا ہم سب غلے کے تاجر تو آگئے آخر آپؓ کو ہم سے زیادہ اور کون دیتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے

کہا میرا رب مجھے دس گنا زیادہ کا وعدہ کرتا ہے اور تمام غلہ راہ خدا میں بھوکوں کو بانٹ دیا۔

[خلاصہ ابواب المناقب (مناقب حضرت عثمان بن عفانؓ) ترمذی]

(ii) حضرت عثمان غنیؓ شرم و حیاء کے ایسے مکمل پیکر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتے بھی عثمانؓ سے حیا کرتے تھے۔

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کتاب الفضائل۔ مسلم)

(۶) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر والے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ بچوں میں اسلام لانے والی اولین ہستی تھے۔ مدینہ منورہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ (مواخات) قائم کیا اور ایک اور دو دو کے گروپ بنائے حضرت علی مرتضیٰؓ آنکھوں میں آنسو لئے حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ مجھے آپؐ نے چھوڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے علی تو میرا بھائی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ان کی خیریت پوچھی تو انہوں نے اپنی فاقہ کشی اور بیماری کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے فاطمہ تو اس بات پر راضی ہو جا کہ میں نے تیرا بیاہ ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو امت میں سب سے پہلے ایمان لایا سب سے بڑھ کر عالم اور سب سے بڑھ کر حلم والا ہے۔

(i) حضرت علی مرتضیٰؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک ہے اور کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نکلے اور ایک یہودی سے کنویں کے ہر ڈول کے عوض ایک عجوہ کھجور پر مزدوری طے کی۔ بعد میں عجوہ کھجوریں مزدوری لی اور لا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیں اور انہیں کھلائیں۔ (روایت حضرت ابن عباسؓ کتاب الرہون۔ ابن ماجہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دور خلافت کے چند واقعات ہم ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کے علی نمبر سے بھی نقل کرتے ہیں۔

(i) حضرت علی مرتضٰیؓ کے بھائی حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کو کچھ رقم کی ضرورت تھی انہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے اپنی ضرورت بیان کی۔ حضرت علیؓ نے کہا تم سے بہتر کون جانتا ہے کہ میرے پاس روپیہ پیسہ کہاں ہے۔ حضرت عقیلؓ نے کہا بیت المال سے ہی قرض دلوا دیجئے۔ فرمایا "میں اللہ کے سامنے چور نہیں بننا چاہتا۔ اس معاملے میں تم، حسنؓ اور عام آدمی میرے لئے برابر ہو۔" حضرت علیؓ کے فقر و زہد اور احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عقیلؓ ان کا ساتھ چھوڑ کر حضرت امیر معاویہؓ سے جا ملے۔

(ii) ایک بار عبداللہ بن زریر نامی ایک شخص حضرت علیؓ کا شریک طعام ہوا۔ دستر خوان پر نہایت سادہ کھانا تھا۔ اس شخص نے کہا اے امیرالمومنین آپ کو پرندوں کے گوشت کا شوق نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا "ابن زریر خلیفہ وقت کے لئے مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور کھلائے دوسرا عامتہ الناس کے سامنے پیش کر دے۔ (یعنی خود وہی کھائے جو عامتہ الناس کے لئے موجود ہو) (ازالتہ الخفاء)

(iii) ایک بار اپنے لئے اور اپنے غلام قنبر کے لئے کپڑا خریدنے بازار گئے اپنے لئے سادہ اور موٹا کپڑا خریدا اور اس کے لئے ملائم اور نرم کپڑا خریدا۔ قنبر نے تامل کیا تو فرمانے لگے تم جوان ہو تمہارے لئے اچھا کپڑا چاہئے میرا کیا ہے میں تو بوڑھا آدمی ہوں۔

(iv) ایک مرتبہ عید کے موقع پر بھی پیوند لگے کپڑے پہن رکھے تھے۔ لوگوں نے کہا اے امیرالمومنین آپ عید کے لئے دو درہم کا نیا جوڑا خرید لیتے تو اچھا ہوتا فرمانے لگے مجھے شرم آتی ہے کہ خود تو نئے کپڑے پہنوں اور کوفہ میں ہزاروں لوگوں نے بوسیدہ کپڑے پہن رکھے ہوں۔

(v) ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ ایام خلافت میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ اور معمولی تہ بند باندھتے تھے۔ بازار میں گشت کرتے پھرتے اور اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہولیتا تو ہٹا دیتے اور کہتے "اس میں حاکم کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے۔"

(vi) امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے جب دارالخلافت مدینہ سے کوفہ منتقل کیا تو دارالامارات کے بجائے ایک میدان میں خیمہ نصب کر لیا اور اس میں قیام کیا فرمایا عمر بن الخطاب ؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو نفرت کی نظر سے دیکھا، مجھے بھی ان کی حاجت نہیں ہے۔ بعد میں ایک معمولی مکان کو مسکن بنایا جس پر کوئی دربان نہ تھا اور ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزاری۔

(vii) ابن ابی رافع سے روایت ہے کہ میں امیرالمومنین حضرت علی ابن طالب ؓ کا نگران بیت المال تھا۔ ایک مرتبہ بصرہ سے موتیوں کا ایک ہار آیا۔ امیرالمومنین کی صاحب زادی نے مجھ سے تین دن کے لئے عاریتاً مانگ لیا کہ عید پر پہن کر واپس کر دوں گی اور میں نے بھجوا دیا۔ امیرالمومنین کی نظر ہار پر پڑی تو پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ بیٹی نے تمام واقعہ بیان کیا تو ابن ابو رافع کو بلایا اور کہا کیا تو خیانت بھی کرنے لگا ہے؟ ابن ابو رافع نے کہا معاذ اللہ۔ کہنے لگے تو نے میری بیٹی کو بیت المال کا ہار کس طرح دے ڈالا، جس پر نہ مجھ سے اجازت لی اور نہ مسلمانوں سے جن کا مال تھا۔ ابن ابو رافع نے کہا کہ آپ کی صاحب زادی ہیں اور میں نے اس شرط پر دیا تھا کہ تین دن کے بعد واپس کر دیں گی۔ فرمایا، نہیں ابھی واپس لو۔ اور اگر آئندہ تم نے ایسی حرکت کی تو سزا سے نہ بچ سکو گے۔ اگر میری بیٹی نے یہ ہار عاریتاً نہ منگوایا ہوتا تو ہاشمیوں کی پہلی لڑکی ہوتی جس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ بیٹی بولی! امیرالمومنین میں آپ کی بیٹی ہوں اور میرے سے زیادہ اس کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے؟ حضرت علی ؓ نے جواب دیا کیا مہاجرین اور انصار کی تمام لڑکیاں عید پر ایسا ہی ہار پہنیں گی؟ بیٹی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئی

اور حضرت ابن ابو رافع نے ہار بیت المال میں واپس جمع کر دیا۔

(viii) امام جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی جنگ صفین کے لئے تیاری کرتے تھے کہ زرہ باوجود تلاش کے نہ ملی۔ جنگ میں بغیر زرہ کے شرکت کی، واپس آئے تو ایک دن زرہ کو ایک یہودی کے پاس پایا، کہنے لگے نہ زرہ میں نے کسی کو دی اور نہ ہی بیچی پھر تیرے پاس کیسے آگئی؟ یہودی نے کہا میں کچھ نہیں جانتا میرے قبضے میں ہے اور میری ہے۔ حضرت علیؓ خلیفہ تھے چاہتے تو بزور لے سکتے تھے لیکن وہ مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں لے گئے۔ قاضی صاحب نے کہا یا امیر المومنین گواہ لائیں کہ آپ مدعی ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا میرا بیٹا حسنؓ اور میرا غلام قنبر گواہ ہیں۔ قاضی شریح نے کہا بیٹے کی باپ کے لئے اور غلام کی آقا کے لئے شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تعجب ہے آپ اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں) لیکن قاضی شریح اپنے موقف پر قائم رہے۔ یہودی چلا اٹھا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں لیکن قاضی صاحب عام آدمیوں کی طرح آپ پر جرح قدح کرتا ہے بے شک آپ کا دین سچا ہے اور یہ زرہ آپ کی ہے اس کے ساتھ ہی وہ کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(ix) شہادت کے موقع پر بھی حضرت علی مرتضیٰؓ نے اخلاق کا ایک ان مٹ نمونہ قائم فرمایا۔ ۱۷ر رمضان المبارک ۴۰ھ کو ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے عین نماز کے دوران حالت سجدہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ پر زہر آلود خنجر سے قاتلانہ حملہ کیا۔ قاتل گرفتار ہو گیا تو اپنے صاحب زادوں سے فرمایا کہ "اس کا قتل ملتوی رکھو جب تک کے میں مر نہ جاؤں۔" امام احمد بن حنبلؒ نے آپ سے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں کہ "اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر میں بچ گیا تو صرف زخم کا بدلہ لیا جائے گا۔" علامہ محب الدین طبریؒ نے

الریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ فرمایا "جان کا بدلہ جان ہے اگر میں مر گیا تو اس کو بھی مار ڈالنا اور اگر میں بچ گیا تو اس کی بابت خود فیصلہ کروں گا۔ خبردار بجز میرے قاتل کے کسی کو نہ مارنا۔ اے بنی مطلب! میں مسلمانوں کا خون نہیں کروانا چاہتا۔ اے حسنؓ آگاہ رہو میرے قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔"

(صفحہ نمبر ۶۳ تا ۶۵۔ قومی ڈائجسٹ علیؓ نمبر)

(۷) چار اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کے اخلاق کے چند نمونے ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کردہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آٹھ اکابر صحابہ کی اخلاقی صفات واضح نام لے لے کر الگ الگ اس طرح واضح کی ہیں۔ "میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابو بکرؓ ہے، اللہ کے کام میں سب سے زیادہ مضبوط اور سخت عمرؓ ہے، حیا میں سب سے بڑھ کر عثمانؓ ہے، سب سے عمدہ اور بہترین فیصلہ کرنے والا علیؓ ہے، کتاب اللہ کی قرأت میں ابی ابن کعبؓ سب سے بڑھ گیا، حلال و حرام (احکام اوامر و نہی) کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبلؓ ہے، سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والا زید بن ثابتؓ ہے۔ آگاہ رہو ہر امت کا ایک امین ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ بن جراحؓ ہے۔" (روایت حضرت انس بن مالکؓ۔ کتاب فی الایمان۔ ابن ماجہ اور اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح نے ترمذی اور مسند احمد کے حوالے سے روایت کیا ہے۔)

(۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہ کرامؓ بھی حکمت تبلیغ سے پوری طرح آگاہ تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ وعظ و نصیحت میں وہی بات کہتے تھے جو مخاطب کو سمجھ آجائے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ

"لوگوں سے دین کی وہی بات کہو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائیں" ایسا ہی قول مقدمہ مجموعہ حدیث مسلم میں امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ "ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق بات کرو مبادا وہ گمراہ ہو جائے۔"

(۹) صحابہ کرامؓ کا خوف خدا و آخرت مثالی تھا اور کیوں نہ ہو اسلامی اخلاقیات کی بنیاد اول یہی دو جذبات یعنی خوف خدا اور خوف آخرت ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ ہے کہ روزے سے تھے کہ وقت افطار کھانا لایا گیا۔ کہنے لگے ہائے میرا ساتھی مصعب بن عمیرؓ شہید ہوا تو یہ حال تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی، سر ڈھانپتے تھے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پیر ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا اور پھر حمزہؓ شہید ہوئے وہ مجھ سے بدرجہا بہتر تھے وہ لوگ تو ابتلاء و آزمائش کے دور میں ہی چلے گئے حالانکہ وہ سب ہمارے سے بہتر تھے۔ اب ہمیں یہ مالی فراغت مل گئی ہے، یہ نہ ہو کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی مل جائے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کھانا اٹھوا دیا حالانکہ روزے سے تھے۔ (کتاب الجنائز۔ بخاری اور اسی طرح کی ایک حدیث حضرت خبابؓ سے مسلم کے کتاب الجنائز میں بھی روایت ہوئی ہے اس کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح نے اس حدیث کو بطور متفق علیہ لیا ہے۔)

ان عظیم ہستیوں کے ایمان کی پختگی کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں یہ ہی چاہتا کہ غلام ہی مر جاؤں۔ ایک جہاد فی سبیل اللہ دوسرے حج (یہ دونوں غلاموں پر فرض نہیں ہیں) اور تیسرے ماں کی خدمت (کہ غلامی میں میں خدمت کیونکر کر سکتا) (کتاب العتق۔ بخاری)

صحابہ کرام میں شوقِ انفاق اور جذبہ اطاعت ایسا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ و خیرات کا حکم دیتے تو اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہوتا تو بازار جا کر مزدوری کرتا اور جو کماتا وہ اللہ کی راہ میں دے دیتا۔ (روایت ابومسعود انصاریؓ۔ کتاب البیوع۔

بخاری)

(۱۰) صحابہ کرام کا جذبہ ایمان اتنا صادق تھا کہ جب ایک دفعہ ایمان دل میں اتر گیا تو پھر کسی کے نکالے نہیں نکلا۔

حضرت خباب بن ارتؓ سے روایت ہے کہ جاہلیت میں میں لوہار کا پیشہ کرتا تھا۔ عاص بن وائل (قریش کا ایک سردار) پر میرا قرضہ تھا۔ میں نے تقاضا کیا تو کہنے لگا میں تیرا قرض تب تک نہیں دینے کا جب تک تو محمدؐ سے نہ پھر جائے۔ میں نے کہا قسم ہے پیدا کرنے والے کی محمدؐ سے تو میں کبھی نہیں پھرنے کا چاہے اللہ تجھے مارے اور مار کر پھر اٹھائے۔

(کتاب الخصومات۔ بخاری اور کتاب صفات المنافقین واحکامھم۔ مسلم)

(۱۱) صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت بننے والا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ تھا جس میں ہر فرد دوسرے کا غم گسار اور خیر خواہ تھا اور ایک دوسرے کی خوبیوں کا اعلان کرتے تھے۔

(i) امہات المومنین صحابہ کرام کے حقوق کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال ہوا تو امہات المومنین نے متفقہ مطالبہ کیا کہ ان کا جنازہ مسجد نبوی میں لاؤ تاکہ ہم بھی نماز پڑھ سکیں اور دعائے مغفرت کر سکیں۔ (چنانچہ تعمیلِ حکم کیا گیا)

(روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ کتاب الجنائز۔ مسلم)

(ii) صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے طرز عمل پر کبھی اعتراض نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے باہمی اختلافات پیدا نہیں ہوتے تھے۔ جناب ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں سفر کرتے تھے۔ کئی صحابہؓ روزے سے تھے اور کئی بے روزہ، لیکن کسی روزہ دار کے روزے پر کسی نے عیب کیا اور نہ ہی کسی مفطر کے افطار پر کسی نے اعتراض کیا۔ جس میں سفر کے دوران روزے کی طاقت ہے وہ ضرور رکھے اور جس میں طاقت

نہیں وہ بے شک نہ رکھے۔

(کتاب الصیام۔ مسلم)

(iii) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا چلو عمرؓ میرے ساتھ ام ایمنؓ کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جایا کرتے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ رونے لگیں، ہم نے کہا روتی کیوں ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ کے پاس جو سامان ہے وہ بہتر ہے۔ ام ایمنؓ نے کہا یہ تو میں جانتی ہوں میں تو اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنی بند ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی رو پڑے۔

(کتاب الفضائل۔ مسلم)

(iv) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کوئی عورت نیکی، خیرات، زمانہ پروری اور ثواب کے لئے اپنے نفس پر محنت اٹھانے والی زینبؓ بن جحش زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں دیکھی۔

(کتاب عشرۃ النساء۔ نسائی)

(۱۲) طلب علم و حکمت میں صحابہ کرامؓ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کی قرآن فہمی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سند دی فرماتے ہیں "خدا کی قسم قرآن کی ہر سورت اور آیت کا زمانۂ نزول اور وجۂ نزول جانتا ہوں لیکن اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ کی کتاب کو مجھ سے زیادہ جاننے والا فلاں جگہ پر ہے اور اونٹ وہاں جا سکتے ہیں تو میں فوراً اس کی طرف روانہ ہو جاؤں۔"

(کتاب التفسیر۔ بخاری)

(۱۳) صحابہ کرامؓ نے راہ حق میں جو تکالیف اٹھائیں اور جس جس طرح قربانی دی انسانی تاریخ کا کوئی گروہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

(i) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہم میں سے چھ آدمیوں کے

لئے ایک اونٹ تھا اور ہم باری باری چڑھتے تھے ہم سب کے پاؤں چل چل کر زخمی ہو گئے۔ میرے اپنے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گئے ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لئے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوہ ذات الرقاع ہوا کیونکہ ہم نے اپنے پاؤں پر رقاع یعنی چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ (کتاب الجہاد و السیر۔ مسلم)

(ii) حضرت ابو ہریرہؓ جن کا روایات احادیث کے باب میں امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے دو الگ الگ روایات میں اس عظیم قربانی اور ابتلاء و آزمائش کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے نہ صرف صحابہ کرامؓ گزرے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ ہر آزمائش کو گلے لگاتے گئے۔

ابو ہریرہؓ لوگوں سے آیات قرآن کا مطلب پوچھتے تھے حالانکہ سب سے زیادہ خود جانتے تھے۔ صرف اس لئے پوچھتے تھے کہ بھوک مٹائی جائے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے جب بھی پوچھتے وہ کبھی جواب نہ دیتے بلکہ پہلے انہیں اپنے گھر لے جاتے کھانا کھلاتے اور پھر بتاتے تھے۔ حضرت جعفر بن طالبؓ مسکینوں کو چاہتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ابو المساکین کہتے تھے۔

(مناقب جعفر بن ابی طالبؓ۔ ابواب المناقب۔ ترمذی)

(iii) حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک اور روایت میں اپنا قصہ یوں بیان کیا ہے، کہ ایک دن میں بھوک سے بالکل نڈھال ہو گیا، میں کسی چیز کو کھانے کی تلاش میں نکلا تو مجھے عمرؓ مل گئے میں نے انہیں کہا مجھے قرآن کی فلاں آیت سناؤ وہ مجھے گھر لے گئے اور وہ آیت مجھے پڑھ کر سنائی اور سمجھائی۔ (لیکن میرا مطلب نہ سمجھے) میں ان کے گھر سے بھوکا ہی نکل آیا۔ میں باہر نکل کر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ بھوک سے غش کھا کر گر پڑا ہوش آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر جھکے

ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ابو ہریرہؓ میں نے کہا جی اللہ کے رسول آپ ؐ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ آپ ؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے اٹھایا اور پہچان گئے کہ بھوک سے میرا یہ حال ہے مجھے اپنے گھر لے گئے اور دودھ کا پیالہ میرے سامنے لانے کا حکم دیا میں نے پیا تو حکم دیا اور پیو میں نے اور پیا حکم دیا اور پیو میں نے اور پیا یہاں تک کہ میرا پیٹ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جانے کی اجازت دی۔ باہر نکلا تو حضرت عمرؓ مل گئے میں نے انہیں اپنا تمام قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں تو وہ آیت تمہارے سے زیادہ جانتا ہوں لیکن تم میری بھوک نہ پہچان سکے لیکن اللہ کے رسول نے پہچان لی۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے خدا کی قسم اگر میں تجھے اس وقت کھانا کھلاتا تو مجھے لال لال اونٹ مل جانے سے زیادہ خوشی ہوتی (مگر افسوس میں تمہارا مدعا نہ جان سکا اور تم نے بھی تکلف کیا اور خود ہی مجھے نہ کہہ ڈالا) (کتاب الاطعمہ۔ بخاری)

(۱۴) صحابہ کرامؓ احکام خداوندی اور احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے کاربند تھے اور کسی لیت و لعل کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا بلکہ خود ہی آگے بڑھ کر قانون کے سامنے پیش ہوتے تھے اور اس میں بھی خوف خدا اور خوف آخرت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا تھا۔

(i) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جس دن شراب حرام ہوئی میں ابو طلحہؓ (حضرت انسؓ کے سوتیلے والد) کے گھر میں سجی ہوئی ایک مجلس میں ساقی تھا (یعنی لوگوں کو شراب پلا رہا تھا) یکایک ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی۔ ابو طلحہؓ نے مجھے کہا اے لڑکے! دیکھ کیا اعلان ہو رہا ہے۔ میں گیا تو پکارنے والا اعلان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا حکم کر دیا۔ میں واپس آیا اور ابو طلحہؓ کو اطلاع دی کہ شراب حرام قرار پائی۔ انہوں نے کہا اے لڑکے فوراً اٹھ اور مٹکوں سے ساری شراب بہا دے اور میں نے

بہا دی۔ (کتاب الاشربۃ۔ مسلم)

(ii) حضرت ثعلبہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ عمروؓ بن سمرہ بن ابی حبیب بن عبد شمس آنحضرت کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے فلاں قبیلے کا اونٹ چرایا ہے مجھے پاک کر دیجئے (یعنی مجھ پر قطع ید کی حد جاری فرمایئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے کہا واقعی ہمارا ایک اونٹ کھو گیا ہے (لیکن چور کا ہمیں معلوم نہیں کون ہے) تب آپؐ نے عمروؓ بن سمرہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ثعلبہؓ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ جب اس شخص کا ہاتھ کٹ کر گرا تو وہ کہنے لگا شکر ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا جس نے مجھے پاک کیا اے ہاتھ تو چاہتا تھا کہ اپنے ساتھ میرا تمام بدن ہی دوزخ میں لے جاوے۔ (کتاب الحدود۔ ابن ماجہ)

جرم کے خود اعتراف کی یہ واحد مثال نہیں ہے بلکہ زنا کے جرم میں ماعز اسلمیؓ اور اسی جرم میں غامدیہؓ نے خود ہی اعتراف کر کے اپنے اوپر حد جاری کروائی اور اپنے کو پاک کروایا۔ قانون کے احترام کی یہ مثالیں صحابہ کرامؓ کے پاک معاشرے کی خصوصیت تھیں لیکن آج بھی پیدا کی جا سکتی ہیں۔

(۱۵) صحابہ کرامؓ نے ایمان داری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو موطاء امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر بھیجتے تھے وہ یہودیوں کے پھلوں اور فصل کا اندازہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ وصول کیا کرتے تھے۔ ایک بار یہودیوں نے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو پیش کیا اور کہنے لگے ہمارے محصول میں رعایت کر دو اور یہ سب رکھ لو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا اے یہودیو! خدا کی ساری مخلوق میں میں تمہیں برا سمجھتا ہوں۔ اس پر بھی نہیں چاہتا کہ تم پر ظلم کروں اور یہ جو تم مجھے رشوت دیتے ہو تو میں اس کو حرام سمجھتا ہوں اور ہم مسلمان حرام نہیں کھاتے۔

یہودیوں نے (پینترا بدلا) کہا اسی (عدل و انصاف اور ایمان داری) سے زمین اور آسمان قائم ہیں۔ (ورنہ قیامت آجاتی۔) (روایت حضرت سلیمانؓ بن یسار۔ کتاب المساقات۔ موطاء امام مالک)

(۱۶) صحابہ کرامؓ اجر و ثواب کے کس قدر دلدادہ اور حریص ہوتے تھے موطاء امام مالکؒ ہی کی ایک روایت میں یوں بیان ہے کہ حضرت طفیل بن ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آتے تھے اور وہ انھیں لے کر بازار جاتے تھے۔ طفیل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہر ردی بیچنے والے، ہر دکان دار، ہر مسکین غرض ہر راہ گیر کو سلام کرتے تھے۔ ایک روز اسی طرح میں ان کے پاس حاضر ہوا تو مجھے کہنے لگے چلو بازار چلتے ہیں، میں نے کہا عبداللہ تم بازار جاکر کیا کرو گے، نہ تم بیچنے والوں کے پاس ٹھہرتے ہو، نہ کسی اسباب کو پوچھتے ہو، نہ کسی کا مول تول کرتے ہو اور نہ ہی بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہو، یہاں ہی گھر پر بیٹھے رہو ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا اے پیٹ والے (حضرت طفیل کا پیٹ بہت موٹا تھا) بازار میں سلام کرنے جاتے ہیں جو ملے گا اسے سلام کریں گے۔

(کتاب الجامع۔ موطاء امام مالک اور اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح نے روایت کیا شعب الایمان بیہقی سے)

(۱۷) اخلاق صحابہ کرامؓ مکمل کرنے سے پہلے آخر میں ہم ایک ایسا واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ ہمارے یہ بزرگ محض مٹی کے بت نہ تھے۔ وہ دنیوی کاموں میں مصروف رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق بھی کرتے تھے اور ان باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند بھی کیا کرتے تھے۔ واقعہ یوں ہے کہ دور نبویؐ میں حضرت ابوبکرؓ ایک تجارتی سفر پر شام گئے ان کے ساتھ صاحبان بدر حضرت نعیمانؓ اور حضرت سویبطؓ بن حرملہ بھی شریک سفر تھے۔ حضرت نعیمانؓ کے سپرد

قافلے کا توشہ تھا (یعنی کھانے پینے کا انتظام)۔ حضرت سویبطؓ بن حرملہ ایک زندہ دل اور مذاقیہ شخص تھے ایک روز انہیں بھوک لگی تو وہ نعیمانؓ سے کہنے لگے مجھے بھوک ہے مجھے کچھ کھانے کو دے۔ نعیمانؓ نے کہا ابھی نہیں ملے گا ابو بکرؓ آ جائیں تو سب کے ساتھ تجھے بھی مل جائے گا۔ سویبطؓ نے کہا اچھا دیکھ لے تو مجھے کھانا نہیں دیتا میں بدلہ لوں گا۔ بات آئی گئی ہو گئی قافلہ آگے روانہ ہو گیا ایک قصبے میں پڑاؤ کیا گیا حضرت ابو بکرؓ سودے کے لئے بازار چلے گئے۔ قافلہ دیکھ کر قبیلے کے لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت سویبطؓ کو شرارت سوجھی انہوں نے قبیلے والوں کو کہا کہ ایک غلام بیچتا ہوں خریدتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں بالکل خریدتے ہیں دکھاؤ۔ حضرت نعیمانؓ دور کھانے کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ سویبطؓ نے کہا وہ دیکھو کام میں لگا ہوا ہے لیکن یاد رکھو ایک بات ہے جو پہلے سن لو وہ یہ کہ میرا یہ غلام بہت باتونی ہے تم خریدنے کے بعد لے جانے لگو گے تو کہے گا کہ میں تو آزاد ہوں۔ اگر تم نے اس کی بات مانی تو میرا غلام خراب ہو جائے گا۔ قبیلے والوں نے کہا یہ اچھا ہے تم نے ہمیں بتا دیا ہم اس کی باتوں میں نہ آئیں گے تم سودا کرو۔ حضرت سویبطؓ نے حضرت نعیمانؓ کا سودا دس اونٹوں کے بدلے کر لیا۔ اونٹ وصول کیے اور کہا جاؤ اپنا غلام لے جاؤ قبیلے والوں نے جا کر حضرت نعیمانؓ کے گلے میں عمامہ ڈال دیا اور کہا چل ہم نے سودا کر لیا اب تو ہمارا غلام ہے۔ وہ بے چارے بہت چیخے چلائے کہ میں آزاد ہوں یہ میرا ساتھی سویبطؓ تمہارے ساتھ اور میرے ساتھ ٹھٹھہ کرتا ہے۔ قبیلے والوں نے کہا تمہارا مالک ہمیں سب بتا چکا ہے کہ تو بہت باتونی ہے خیر وہ لوگ حضرت نعیمانؓ کو زبردستی لے کر چلے گئے۔ غرض حضرت ابو بکرؓ صدیق آئے تو لوگوں نے بتایا کہ کس طرح سویبطؓ نے نعیمانؓ کو بیچ ڈالا۔ حضرت ابو بکرؓ فوراً قبیلے والوں کے پیچھے گئے اور انہیں تمام حال بتایا اور ان کے اونٹ واپس کر کے نعیمانؓ کو واپس لائے۔ واپسی پر رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ بتایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے صحابہ کرام ؓ سال بھر اس واقعہ کو یاد کر کر کے ہنسا کرتے تھے۔ (روایت ام المومنین ام سلمہ ؓ۔ کتاب الادب۔ ابن ماجہ)

(۱۸) اخلاق صحابہ ؓ کا کوئی بیان کبھی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ان جلیل القدر صحابہ کرام ؓ پر قریش مکہ کے ہاتھوں توڑے جانے والے مظالم کا ذکر نہ کیا جائے جو انہوں نے ہجرت مدینہ سے پہلے اوائل دعوت حق میں اٹھائے۔ اس سلسلے میں ہم چند منتخب واقعات ہی بیان کریں گے تاکہ ان جلیل القدر صحابہ ؓ کا اخلاقی کردار سامنے آسکے کہ انہوں نے اس اصول کے لئے کس کس طرح قربانیاں دیں جس پر وہ پورے شرح صدر کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

(i) حضرت بلال ؓ بن رباح

آپ بنی جمح میں سے کسی فرد کے غلام تھے اور غلامی ہی کی حالت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ایک حبشی تھے (طبرانی بروایت حضرت انس ؓ بن مالک)۔ ان کے اسلام کا حال جب کھلا تو امیہ بن خلف جمحی نے ان کو طرح طرح کے عذاب دیئے۔ ابن ہشام اور بلاذری نے لکھا ہے کہ عین دوپہر کو ناقابل برداشت گرمی میں انہیں دھوپ میں گھنٹوں کھڑا کر دیا جاتا، مکہ کی تپتی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ اسی طرح پڑا رہے گا جب تک محمد ؐ کا انکار کر کے لات اور عزیٰ کی عبادت نہ کرے گا۔ مگر آپ جواب میں بس "احد احد" ہی کہتے چلے جاتے۔ بلاذری نے حضرت عمرو ؓ بن العاص کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے بلال ؓ کو ایسی تپتی ریت پر لیٹے دیکھا ہے جس پر اگر کچا گوشت رکھ دیا جائے تو پک جائے لیکن اس حالت میں بھی وہ یہی کہتے تھے کہ میں لات اور عزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔ حضرت حسان ؓ بن ثابت کی روایت بھی بلاذری نے نقل کی ہے کہ میں مکہ گیا تو میں نے دیکھا کہ بلال ؓ ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور لڑکے، لونڈے انہیں ایک کتے کے پلے کی طرح گھسیٹے پھرتے ہیں اور وہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ میں لات اور

عزیٰ اور ہبل اور اساف اور نائلہ اور بوانہ سب کا انکار کرتا ہوں۔ خود حضرت بلالؓ کا بیان بلاذری میں یہ ہے کہ مجھے ایک دفعہ ایک دن اور ایک رات بھوکا پیاسا رکھا گیا اور پھر تپتی ریت پر لٹا دیا گیا۔ ابن سعد نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ گلے میں رسی باندھ کر انہیں لچے لفنگے لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا وہ انہیں مکہ کی وادیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے۔ پھر ریت پر اوندھے منہ لٹا کر اوپر گرم پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے تھے۔ مگر وہ احد احد کا نعرۂ حق ہی بلند کرتے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق کا گھر بنی جمح کے محلے ہی میں تھا وہ یہ ظلم دیکھ کر تنگ آگئے تھے چنانچہ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ان سے جوان اور توانا حبشی دے کر انہیں آزاد کروایا اور دوسری روایت یہ ہے کہ قیمت دے کر انہیں آزادی دلوائی۔

(ii) حضرت عمارؓ بن یاسر

ابن سعد کا بیان ہے کہ یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے وہاں سے مکہ آئے اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا اور ابو حذیفہ نے اپنی لونڈی سمیہؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ جب اسلام آیا تو یاسرؓ، ان کی بیوی، بیٹے عمارؓ اور بھائی عبداللہؓ سب مسلمان ہو گئے۔ اس پر یہ پورا خاندان ہی مبتلائے عذاب ہو گیا۔ بلاذری نے ام ہانیؓ اور طبرانی نے حضرت عثمانؓ بن عفان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے گزرے جہاں پر یاسرؓ کے پورے خاندان کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپؐ کو سخت رنج ہوا اور آپؐ نے کہا "صبر کرو، اے آل یاسر، تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔" ابن سعد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمارؓ کو ایک دفعہ کرتا اتارتے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر برص کی طرح سفید نشانات دیکھ کر پوچھا اے عمارؓ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ اس عذاب کے نشانات ہیں جو مکہ کی تپتی ریتوں پر مجھے دیا جاتا تھا۔ ابن سعد ہی نے بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے ان اہل خاندان کو دھکتے انگاروں پر لٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی "اے آگ اسی طرح ٹھنڈی ہو جا جس طرح تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔" آخر کار ظلم کی بھٹی میں دھکتے دھکتے ان کے والد حضرت

یاسرؓ انتقال کر گئے پھر ابو جہل نے ان کی والدہ سمیہؓ کو بھی شہید کر دیا۔ ان کے بھائی عبداللہؓ کو بھی تیر مارا گیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب صرف حضرت عمار بن یاسرؓ رہ گئے انہیں بھی ایک دن پانی میں غوطے دیئے گئے یہاں تک کہ ان سے برداشت نہ ہو سکا چنانچہ انہوں نے ان کے معبودوں کی تعریف کر کے جان چھڑائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا میرا دل ایمان پر مطمئن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں اگر آئندہ بھی ایسا موقع آئے تو بے شک کہہ دینا۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ (نحل ۱۶:۱۰۶) اسی واقعہ کے بابت نازل ہوئی تھی۔

(iii) حضرت خبابؓ بن الارت

آپؓ اصل میں عراقی تھے۔ قبیلہ ربیعہ میں سے ایک گروہ نے ان کو پکڑ کر غلام بنا لیا اور مکہ لا کر بنی خزاعہ کے ایک خاندان آل سباع کے ہاتھ بیچ ڈالا جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ وہ ایک کاریگر آدمی تھے اور لوہار کا پیشہ کرتے اور تلواریں بناتے تھے۔ عاص بن وائل سہمی ان کی تمام اجرت اس جرم میں مار گیا اور یہ کہتا تھا کہ محمدؐ سے پھر جا اور اپنی رقم لے لے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو مرے اور زندہ ہو تب بھی محمدؐ کا انکار نہیں کروں گا چنانچہ اس کم بخت نے ان کی اجرت کی رقم مار لی۔ انہیں مارا پیٹا بھی گیا۔ ابن سعد اور بلاذری دونوں نے روایت کی ہے کہ خلافت عمر فاروقؓ میں ایک بار انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی بالکل برص کے مریض کی طرح ہو رہی تھی۔ انہوں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو بتایا کہ مشرکین مکہ نے مجھے آگ جلا کر اس پر گھسیٹا اور پھر ایک مشرک میرے سینے پر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ میری چربی پگلنے سے آگ بجھ گئی۔

(iv) صرف کمزور اور غلام اہل ایمان ہی کا حال یہ نہ ہوتا تھا بلکہ خاندانی لوگوں کا حال بھی ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ ابن اسحاق اور طبری نے حضرت عروہؓ بن زبیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ قریش کے سرداروں نے باہم طے کیا کہ ان کے بیٹوں، بھائیوں اور قبیلہ کے لوگوں میں سے جو جو ایمان لایا ہے اس سے اس کے خاندان

کے لوگ خود ہی سختی سے نمٹیں اور انہیں دین محمدؐ سے پھیرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت زبیرؓ بن العوام کو ان کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر الٹا لٹکا دیا اور نیچے سے دھویں کی دھونی دیتا تھا اور کہتا کہ۔ دین محمدؐ سے واپس پھر جا لیکن وہ صاف انکار کرتے تھے۔ (ابن سعد۔ طبرانی)

حضرت عثمانؓ بن عفان کو ان کے چچا حکم (جو مروان کا باپ تھا) نے باندھ دیا اور کہا باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین قبول کرتا ہے۔ میں تجھے کبھی نہ کھولوں گا جب تک تو محمدؐ کے دین سے پھر نہ جائے گا۔ وہ جواباً یہی کہتے تھے کہ کبھی نہ پھروں گا چاہے کچھ بھی کر لے۔ (ابن سعد)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے چچازاد بھائی عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) نے سخت اذیتیں دیں اور ان کے اہل خاندان کو بھی قید کر دیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موقع پا کر بھاگ نکلے اور مہاجرین حبشہ سے جا ملے۔ (ابن سعد)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عامرؓ بن ابی وقاص کو بھی ان کے خاندان نے بہت تنگ کیا انہی کے متعلق مسند احمد، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی کی روایات ہیں کہ ان کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ (ابوسفیان کی بھتیجی) نے کہا کہ جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے گا میں کھاؤں گی، نہ پیوں گی اور نہ ہی سائے میں جاؤں گی۔ وہ سخت پریشان ہوئے چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا "اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو شرک کر تو ان کی بات مت مان" (عنکبوت ۲۹:۸) چنانچہ انہوں نے اپنی ماں سے کہا کہ "اے ماں! اگر تجھ میں سو روحیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے پرواز کرتی جائیں تب بھی میں تیری خاطر محمدؐ کے دین سے نہیں پھرنے کا۔"

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو جب معلوم ہوا کہ ان کے باپ ابو احیحہ کو ان کے ایمان کا پتہ لگ گیا تو باپ کے ڈر سے چھپ گئے۔ لیکن اس نے انہیں ڈھونڈ نکالا، سخت

ست کہا اور پھر ایک لکڑی سے اتنا مارا کہ وہ ٹوٹ گئی وہ انہیں مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تو نے محمدؐ کی پیروی کر لی حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کی مخالفت مول لی ہے، دین آبائی میں عیب نکالتا ہے اور اسلاف اور آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دے رہا ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا خدا کی قسم وہ سچے ہیں اور میں انہی کی پیروی کروں گا۔ باپ نے انہیں پھر مارا، گالیاں دیں اور گھر سے نکال دیا۔ حضرت خالدؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہنے لگے۔ اسی طرح ایک بار پھر باپ نے پکڑوا بلایا اور مار مار کر لکڑی توڑ ڈالی، انہیں قید کر دیا اور تین دن تک قید رکھا آخر وہ بھاگ نکلے اور مہاجرین حبشہ سے جا ملے (ابن سعد اور بیہقی)

حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے خاندانی آدمی پر بھی قریش مکہ نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے معتمد ساتھی ہیں، اگر ہم انہیں توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ تحریک اسلامی ختم کی جا سکتی ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ دار ارقم سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے گئے۔ وہاں یکایک حضرت ابو بکرؓ نے اٹھ کر تقریر شروع کر دی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مسجد حرام میں علی الاعلان دعوت اسلام دی تھی۔ قریش کے سرداران یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ پر ٹوٹ پڑے اور ان کو گرا کر پاؤں سے روندا اور عتبہ بن ربیعہ نے ان کے منہ پر اتنے جوتے مارے کہ سارا منہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ کے قبیلے والے (بنو تیم) آگے بڑھے اور انہیں چھڑا کر گھر لے گئے۔ انہیں اس امر میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اب ابو بکرؓ مر جائیں گے چنانچہ وہ مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ خدا کی قسم اگر ابو بکرؓ مر گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ غرض یہ کہ شام تک حضرت ابو بکرؓ بے ہوش سدھ پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو پہلا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت کے بارے میں کیا۔ ان کے قبیلے کے لوگ جو ان کے ارد گرد بیٹھے تھے سخت ناراض ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ اپنی ماں ام الخیر سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم مجھے کچھ

معلوم نہیں۔ ماں سے کہنے لگے ام جمیلؓ بنت خطاب (یعنی فاطمہؓ بنت خطاب ــــ حضرت عمرؓ بن خطاب کی بہن) سے جا کر پوچھو (وہ اگرچہ مسلمان ہو چکیں تھیں لیکن اب تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں) ام الخیر ان کے پاس گئیں اور کہا ابو بکرؓ محمدؐ بن عبداللہ کا حال پوچھتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نہ ابو بکرؓ کو جانتی ہوں اور نہ ہی محمدؐ بن عبداللہ کو جانتی ہوں۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو ابو بکرؓ کے پاس آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ ام جمیلؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں اور ان کا حال دیکھ کر چیخ پڑیں "خدا کی قسم اے ابو بکرؓ جنھوں نے تیرا یہ حال کیا ہے وہ کافر اور فاسق ہیں اور میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تمہارا انتقام لے گا۔" حضرت ابو بکرؓ نے کہا میرا حال چھوڑو بتاؤ رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ ام جمیلؓ نے چپکے سے کہا آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میری ماں ہی تو ہے. ان سے کوئی خوف نہیں ہے تب ام جمیلؓ نے کہا رسول اللہؐ بالکل خیریت سے ہیں اور دار ارقم میں ہیں۔ ابو بکرؓ نے کہا میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیریت دیکھ نہ لوں۔ ام جمیلؓ نے کہا ابھی ٹھہر جائیں۔ جب شہر میں خوب رات پڑ گئی تو ام الخیرؓ اور ام جمیلؓ حضرت ابو بکرؓ کو سہارا دے کر دار ارقم میں لے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثار ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کا حال دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے. پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے اور جھک کر ابو بکرؓ کا منہ چوم لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے کچھ نہیں ہوا سوائے جو جوتے انہوں نے میرے منہ پر مارے یہ میری ماں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے آپؐ بابرکت ہیں ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ انہیں جہنم کی آگ سے بچالے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور دعوت اسلام دی اور ام الخیرؓ مسلمان ہو گئیں۔ یہ واقعہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ و النہایہ میں حافظ ابوالحسن خلیثمہ بن سلیمان الاطرابلسی کی کتاب "فضائل الصحابہ" سے بتفصیل نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اسے مختصراً ام الخیرؓ کے حالات میں بیان کیا ہے۔

اخلاق نبویؐ اور اخلاق صحابہؓ کے اس باب کو مکمل کرنے سے پہلے ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجتہ الوداع کتب سیرت نبویؐ سے نقل کرتے ہیں جو اسلامی اخلاقیات اور تعلیمات کا مکمل خلاصہ ہے کہ آپؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (مائدہ ۵:۳)

(آج ہم نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا)

رسول اکرمؐ نے زوال شمس کے بعد ناقہ قصواء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی) پر عرق گیر اور کاٹھی کسنے کا حکم دیا۔ سوار ہو کر میدانِ عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور آپ کے ارد گرد ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ آپؐ نے سواری پر بیٹھے بیٹھے باآواز بلند خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ ایک ایک فقرہ ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے اور حضرت ربیعہؓ بن امیہ بن خلف انہی الفاظ کا بلند آواز اعادہ کرتے تھے۔

حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا:

"اے لوگو! جو کچھ میں کہوں دھیان سے سنو شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اے لوگو! تم پر ایک دوسرے کے مال اور جان تا قیامت حرام ہے جس طرح آج کے دن اور اس مہینے ذی الحج میں تم ایک دوسرے کی جان و مال کی بے حرمتی نہیں کرتے اور جس طرح تم اس شہر مکہ کی حرمت قائم رکھتے ہو اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے۔ میں نے اس کا بدلہ اور دیت معاف کر دی (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پیتا تھا کہ انہی حرام ایام میں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا) اور جاہلیت کا سود ختم کرتا ہوں اور ہمارے سود میں سے اول سود میں عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے جو میں سارے کا سارا ختم کرتا ہوں۔ یاد رکھو کہ

جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں تلے ہیں اور دیکھو مرنے کے بعد عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے (دنیوی) اعمال کے بارے میں سوال کرے گا اور میں (ہر عمل کے بارے میں تمہیں احکام) پہنچا چکا ہوں۔ پس جس کے پاس (کسی کی) امانت ہو اسے چاہئے کہ وہ اس امانت کو مانگنے پر اسی شخص کے حوالے کر دے جس نے اسے امانت دار سمجھ کر رکھوائی تھی۔ یاد رکھو راس المال تمہارے ہیں، نہ اس سلسلے میں (لینے میں) تم زیادتی کرو اور نہ (دینے میں) تم پر زیادتی کی جائے۔

اے لوگو! غور سے سنو شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی اطاعت کی جائے گی تو وہ تمہارے وہ اعمال ہوں گے جن کو تم حقیر سمجھتے ہو لہٰذا ایسا نہ کرو اور دین کے معاملے میں شیطان سے بچتے اور ڈرتے رہو۔

اے لوگو! نسی (یعنی ادب والے حرام مہینے) کو آگے پیچھے کرنا چھوڑ دو یہ کفر ہے اس میں مومن آلودہ نہیں ہو سکتا، مگر کفار کا اس سے بچنا محال ہے، جو ہر سال ایک مہینہ اگلے سال میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل پر رکھتے ہیں (یعنی ایک ہی مہینہ ایک سال حرام کرتے اور اگلے سال حلال تصور کرتے ہیں)۔ یہ فعل بھی خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال شدہ کو حرام کر لینا ہے۔ (اس حرکت کا حوالہ سورہ توبہ ۹:۲۹ میں دیا گیا ہے) زمانہ آج پھر پھرا کر اسی نقطہ پر آگیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں، تین متواتر اور مسلسل (ذی قعدہ۔ ذی الحج اور محرم الحرام) اور ایک مفرد یعنی رجب (جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان)

اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو تمہارا عورتوں پر اور

عورتوں کا تم پر حق ہے۔ مجھے تمہیں یہ بتانا ہے کہ زن و شوہر ایک دوسرے کو جواب دہ ہیں۔ عورتوں پر حق یہ ہے کہ تمہارے ناپسندیدہ شخص سے دور رہیں اور کھلا فحش اختیار نہ کریں، پھر اگر وہ ایسا کریں تو مردوں کو اجازت ہے کہ انہیں بستروں سے علیحدہ کر دیں، (اگر پھر بھی اصلاح نہ کریں تو) انہیں ماریں، لیکن ضرب شدید نہ ہو اور پھر اگر وہ اصلاح کر لیں تو دستور کے مطابق ان کے خورد و نوش اور لباس کا پورا خیال رکھو اور ان کے معاملے میں حسن سلوک نہ چھوڑو اور انہیں بھلائی کی نصیحت کرتے رہو۔ وہ تمہارے نکاح میں آکر تمہاری پابند ہو جاتی ہیں تم نے اللہ کے کلام کی گواہی پر انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور انہی کلمات نے ان کے ستر تمہارے پر حلال کیے ہیں۔

اے لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے انہیں مضبوطی سے پکڑا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

اے لوگو! میری بات گوش ہوش سے سن لو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تمہارے غلام، لوگو! تمہارے غلام (دو دفعہ فرمایا) یاد رکھو جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ، لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، بے شک تمہارا باپ (حضرت آدم علیہ السلام) ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی، سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر بالکل کوئی درجہ اور فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ لوگو میری بات غور سے سنو

خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا کسی آدمی کے لئے اپنے بھائی کی چیز حلال نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ بطیب خاطر کوئی چیز خود دے دے، پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔ خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں، لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا، زانی کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ ہاں عورت کو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ دے ڈالنا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے اور ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔ کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے سوا کسی اور پر جرم نہیں کرتا۔ یاد رکھو کوئی جرم کرنے والا اپنے بیٹے پر یا بیٹا اپنے باپ پر جرم نہیں کرتا (یعنی بیٹے کے جرم میں باپ کو یا باپ کے جرم میں بیٹے کو نہیں پکڑا جائے گا)" آنحضرتؐ ہر جملہ پر توقف فرماتے اور اس وقفے کی تکرار با آواز بلند حضرت ربیعہؓ بن امیہ (بن خلف) کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ کو تاکید فرما دی تھی کہ حاضرین کو ان کے مطالب ذہن میں رکھنے کی تلقین کر دیں۔ بعض جملوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیعہ سے فرماتے کہ حاضرین سے اس کا جواب بھی طلب کریں مثلاً

لوگو کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟

لوگوں نے کہا یہ یوم حجِ اکبر ہے۔

فرمایا لوگو بتاؤ یہ کون سا مہینہ ہے اور کون سا شہر ہے؟

لوگوں نے کہا یہ شہر حرام کا مہینہ ہے اور بلدِ حرام کا شہر ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو تمہاری جانوں اور

تمہارے مالوں کو ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک اسی طرح قابل احترام قرار دیا گیا جس طرح تمہارے لئے یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر قابل احترام ہے۔

اس کے بعد فرمایا اللھم بلغت (خداوند تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور ہر طرف سے اہل ایمان کی آوازیں بلند ہوئیں اللھم اشہد (ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض ادا کر دیا اور پیام الہہ ہم تک بخوبی پہنچا دیا)

آپ نے پھر مجمع عام کی طرف خطاب کیا اور کہا اے لوگو! آگاہ رہو خدا کے ہاں تم سے میری نسبت پوچھا جائے گا تو کیا جواب دو گے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا ہم شہادت دیں گے کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی، پیغام خداوندی پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار کہا "اے اللہ گواہ رہنا" پھر فرمایا جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے کہ شاید غیر موجود لوگ ان موجود لوگوں سے زیادہ بہتر ان باتوں کو سمجھ سکیں۔ (باب خطبہ ایام منیٰ۔ بخاری)

(خطبہ حجۃ الوداع کی اس تحقیق میں ہم نے مندرجہ ذیل ذرائع کو استعمال کیا ہے۔ کتاب المناسک، بخاری، صحیح مسلم باب حجۃ النبی اور سنن ابو داؤد، مسند احمدؒ، ترمذی اور ابن ماجہ بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو بکرہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ) اس کے علاوہ کتب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے سیرت النبیؐ ابن ہشامؒ، سیرت النبیؐ (جلد دوم) مولانا شبلی نعمانیؒ، الرحیق المختوم۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری اور حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد حسین ہیکل سے مدد لی گئی ہے)

باب پنجم

فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق

قرآن حکیم میں بیان کردہ فضائلِ اخلاق (وہ مثبت اخلاقی قدریں جنہیں قرآن انسانی معاشرے میں رواج دینا چاہتا ہے) اور رذائلِ اخلاق (وہ منفی اخلاقی برائیاں جو انسانی معاشرے سے ختم کرنا قرآن کو مقصود ہے) کے بیان سے پہلے مندرجہ ذیل موضوعات پر مختصراً قرآن حکیم کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(i) اسبابِ ضلالت و گمراہی۔

(ii) قرآن کے بیان کردہ اچھے اور برے انسانی کرداروں کی مثالیں۔

(iii) صالح معاشرے کی خصوصیات۔

سب سے پہلے قرآن حکیم کا یہ اعجاز نظر میں رہے کہ اس میں نہایت مدلل اور موثر طریقے سے اخلاقیات کا ایک نہایت واضح تصور پیش کیا گیا ہے۔ اس کو چشم بینا سے پڑھنے والا ہر شخص معلوم کر لیتا ہے کہ کس قسم کا اخلاق قرآن پسند کرتا ہے اور کس قسم کا اخلاق اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اخلاقیات کا یہ بیان اتنا مفصل، اتنا صریح، اتنا دل نشین اور عقل عام کے لئے اتنا قابلِ فہم ہے کہ عرب کا جاہلی معاشرہ جو صدیوں سے نہایت بھیانک اخلاقی پستیوں میں مبتلا تھا، اس کے لئے بھی یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ واقعی انسانیت اور اخلاق کا بدترین نمونہ ہے۔

اخلاق کے مسئلے پر چند بنیادی حقائق

ارشادات حق تعالیٰ ہیں کہ:۔

(i) "اور قسم ہے نفس انسانی کی، اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہو گیا وہ جس نے اسے دبا دیا" (الشمس ۹۱: ۷تا۱۰)

(ii) "ہم نے انسان کو (ماں باپ کے) ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں، اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے دیکھنے اور سننے والا بنایا، ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔" (الدھر ۷۶: ۲ - ۳)

(iii) "کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور دونوں نمایاں راستے (ہدایت اور گمراہی) اسے دکھا نہیں دیئے؟ (البلد ۹۰: ۸تا۱۰)

(iv) "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر الٹا پھیر کر ہم نے اسے سب نیچوں سے نیچے کر دیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے (التین ۹۵: ۴تا۶)

(v) "کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسے یوں ہی مہمل (شتر بے مہار) چھوڑ دیا جائے گا۔" (القیامتہ ۷۵: ۳۶)

(vi) "وہی اللہ ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست اور رحیم۔ جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی...... تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔" (السجدۃ ۳۲: ۷تا۹)

(vii) "بھلا سوچو. جو شخص منہ اوندھائے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو؟ ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا. تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل

دیئے، مگر تم کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔" (الملک ۶۷: ۲۲ - ۲۳)

(viii) "نہایت مہربان (حق تعالیٰ) نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا" (الرحمٰن ۵۵: ۱ تا ۴)

اب آپ غور فرمائیں کہ درج بالا آیات قرآنی میں جو بنیادی حقائق بیان کیے گئے ہیں وہ اس طرح ہیں:۔

(i) خالق نے انسان کے نفس کو ہموار کیا یعنی ایسا جسم عطا کیا جو ہر لحاظ سے انسان کی سی زندگی گزارنے کے لئے موزوں ترین ہے۔

(ii) انسان کو دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے کے ایسے حواس دیئے جو اپنے تناسب اور صلاحیت کی بنا پر بہترین ذریعۂ علم ہیں۔

(iii) اس کے ساتھ ساتھ انسان کو قوتِ عقل و فکر، قوتِ استدلال، قوتِ خیال، قوتِ حافظہ، قوتِ تمیز، قوتِ فیصلہ، قوتِ ارادی، غرض کئی ذہنی و جسمانی قوتیں دیں جو ایک بہترین صالح زندگی گزارنے کے لئے نہایت موزوں ہیں۔

(iv) انسان کو راست اور صالح فطرت پر پیدا کیا اور اس کی ساخت میں کوئی ایسی خرابی نہیں رکھی جو سیدھی راہ اختیار کرنے میں رکاوٹ ہو۔ یعنی انسان کو جبلی بد معاش اور پیدائشی گناہ گار پیدا نہیں کیا گیا۔

(v) نفسِ انسانی کو بدی اور نیکی دونوں راہیں واضح کر کے الگ الگ بتا دی گئی ہیں اور انسان کے اندر وہ کسوٹی ودیعت کر دی ہے جو اسے ہر وقت یہ احساس دلاتی ہے کہ اخلاقی لحاظ سے کیا برا ہے اور کیا اچھا ہے۔ یہ مثبت اور صالح تصورات انسان کے لئے اجنبی نہیں ہیں بلکہ انسان کی فطرت ان سے آشنا ہے اور خالق نے اچھے اور برے کی تمیز اسے پیدائشی طور پر عطا کی ہے۔

(vi) انسان کی فلاح یا نامرادی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ نے جو قوتیں اس کی فطرت میں ودیعت کی ہیں انہیں استعمال کر کے وہ اچھے اور برے رجحانات میں سے کن کو ابھارتا ہے اور کن کو دباتا ہے۔

(vii) انسان کو اس دنیا میں امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس امتحان میں کامیابی کے لئے انسان کو سمیع و بصیر بنایا گیا یعنی عقل و فکر کی طاقتیں بخشیں گئی ہیں، پھر یہ طاقتیں دے کر یوں ہی چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ انسان کی راہ نمائی کے لئے کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے مظاہر و آیات کے ساتھ ساتھ اللہ نے اپنی کتابیں اور رسول بھیجے تاکہ انسان پر واضح ہو جائے کہ شکر و ہدایت کا راستہ کون سا ہے اور ناشکری (کفر) اور گمراہی کا راستہ کون سا ہے۔ اب انسان کا امتحان اس امر کا ہے کہ دونوں راہوں کے فرق سے بخوبی آگاہ ہونے کے بعد اپنی ان فطری قوتوں سے کام لے کر شکر کی راہ اختیار کرتا ہے یا کفر و ناشکری کی راہ پر چلتا ہے۔

(viii) دو آنکھوں سے مراد گائے بھینس کی آنکھیں نہیں ہیں وہ انسانی آنکھیں ہیں جن کو کھول کر انسان دیکھے تو ہر طرف وہ نشانات نظر آئیں گے جو حقیقت کا پتہ دیں گے اور صحیح و غلط کا فرق بتائیں گے۔ اسی طرح زبان اور ہونٹوں سے مراد محض بولنے کے آلات نہیں بلکہ نفس ناطقہ (Reasoning Mind) ہے جو ان آلات کے پیچھے سوچنے سمجھنے کا کام کرتا ہے. پھر عقل و فکر کی یہ صلاحیتیں دے کر یوں ہی شتر بے مہار کی طرح چھوڑ نہیں دیا گیا کہ خود ہی اپنا راستہ تلاش کرے بلکہ راہ نمائی کے لئے نیکی اور بدی کے دونوں راستے واضح کر دیئے گئے ہیں تاکہ خوب سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری پر جس کو چاہے اختیار کرے۔

(ix) حرص، طمع، خود غرضی، شہوت پرستی، نشہ بازی، کمینہ پن، غیظ و غضب غرض رذائل اخلاق کی ہر قسم جب انسان اختیار کرتا ہے تو اس کی گراوٹ کی کوئی حد نہیں رہتی بلکہ وہ ارذل المخلوقات بن کر رہتا ہے اور اخلاقی لحاظ سے سب نیچوں سے نیچے ہو جاتا ہے۔ درندہ تو صرف اپنی بھوک کی حد تک کمزور جانوروں کا شکار کرتا ہے لیکن انسان خود اپنے ہم جنسوں کا قتل عام کرتا ہے اور یہ احسن تقویم پر پیدا کیا گیا انسان ایسے ایسے مہلک ہتھیار بناتا ہے کہ ایک سیکنڈ میں بستی کی

بستی اجاڑ دیتا ہے۔ مذہب جو ہر انسان کے لئے مقدس شے ہے لیکن اس کو بھی وہ اتنا گراتا ہے کہ درخت، جانور، پتھر، سیارے، پوجتے پوجتے مرد و عورت کے اعضائے جنسی تک پوج ڈالتا ہے۔ اخلاقی معیارات کو جب گراتا ہے تو انفرادی حیثیت میں اپنے لئے اور معیار اور دوسرے کے لئے دوسرے معیار تجویز کرتا ہے۔ قومی حیثیت میں جب اخلاقی گراوٹ میں پڑتا ہے تو اپنی قوم کے لئے اعلیٰ معیار اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے لئے دوسرے کم تر معیار مقرر کر دیتا ہے۔

(x) ان حقائق کو بیان کر کے قرآن حکیم نے ایک نہایت اہم حقیقت یہ بیان کی ہے کہ انسانی ذات اپنی راہ نمائی کے لئے وحی (Divine Guidance) کی محتاج ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے اور کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے نشانات و آیات کے ذریعے مہیا کی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات قرآن:۔

(I) "ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنی کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے......" (۶:۷۰)

(II) "دیکھو تمہارے رب کے پاس سے بصیرت کی روشنیاں آگئیں ہیں، اب جو بینائی سے کام لے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا. میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں" (۶:۱۰۴)

(III) "یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اسے قبول کریں۔ (۷:۲۰۳)

اس کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات (۱۰:۱۰۸) (۳۹:۵۵ تا ۵۷) اور (۵۳:۲۳)

ان حقائق کو بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم نے انسانی نفس کو تین الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا ہے ہر قسم کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ انسان اپنی کاوش سے نچلے درجے سے

اوپر کے درجے کی طرف اور اپنی کم بختی سے اوپر کے درجے سے نچلے درجے کی طرف چلا جاتا ہے۔

(ا) نفسِ امارہ: وہ نفس جو انسان کو برائی پر اکساتا ہے۔ (۱۲:۵۳)

(ب) نفسِ لوامہ: اس کو ہم عام اصطلاح میں ضمیر بھی کہتے ہیں یعنی انسان کے اندر وہ کسوٹی جو اسے ہر اچھے کام پر تحسین کرتی ہے اور ہر برے کام پر ملامت کرتی ہے اور کشمکش حق و باطل میں واضح طور پر بتاتی ہے کہ صحیح راستہ کیا ہے اور غلط راستہ کیا ہے۔ یہ نفسِ لوامہ انسان کو برائی کے خیال، خواہش، ارادے اور فیصلے کے ہر مرحلے پر ٹوکتا ہے اور ارتکاب کر گزرنے پر لعنت ملامت کرتا ہے۔ (۷۵:۲)

(ج) نفسِ مطمئن: جب انسان پورے اطمینان قلب کے ساتھ برائی کو چھوڑ کر بھلائی و نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس کے دل میں یہ حسرت کبھی نہیں ابھرتی کہ اس نے برائی کی لذتوں اور فائدوں کو کیوں چھوڑا اور بھلائی کی خاطر کیوں محرومیاں، تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں تو ایسے نفس کو قرآن حکیم نے نفسِ مطمئن کہا ہے کیونکہ وہ مطمئن ہوتا ہے کہ اس نے برائی کی گندگی سے بچاؤ کیا اور بھلائی کی پاکیزگی حاصل کر لی۔ اس نفس کو قرآن نے حق تعالیٰ کا پسندیدہ نفس قرار دیا ہے اور اسے جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔ (۸۹:۲۷ تا ۳۰)

اخلاقیات کے باب میں اب تک جو بات کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو فطرتاً صالح پیدا کیا گیا ہے. اس کے اندر صالحیّت کی خواہش رکھی گئی ہے کیونکہ اسی میں انسانیت کی فلاح ہے. نیک و بد کو الگ الگ کرنے والی کسوٹی انسان کے اندر رکھ دی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دنیوی امتحان میں کامیابی کے لئے حق تعالیٰ نے انسان کو عقل و فکر کی قوتوں کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے ہدایت و گمراہی کی الگ الگ نشان دہی کر دی ہے۔ اس الٰہی رہنمائی (Divine Guidance) کے تحت (ا) انسان کو گمراہی کے سرچشمے وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، (ب) انسانی تاریخ میں سے صالح و بدکردار عناصر کا انجام الگ الگ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور

(ج) صالح و نیک معاشرے کے اصول و ضوابط اور خصوصیات بیان کر دی گئی ہیں۔ ہم ایک ایک کر کے ان تینوں پر قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کرتے ہیں۔

(ا) اسبابِ ضلالت

(i) باپ دادا کی اندھی تقلید و پیروی

اولین چیز دین آبائی کی اندھی تقلید ہے جو صرف اس بنا پر کی جاتی ہے کہ باپ دادا سے ایسا ہی ہوتا چلا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و فکر کی قوتوں، ضمیر کی آواز، نشانات کائنات اور دعوتِ کتب و انبیاء پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی اور اس اندھی تقلید کی صرف ایک دلیل ہوتی ہے کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے آرہے ہیں۔

یہی نامعقول دلیل حضرت نوحؑ کے خلاف قوم نوح نے دی (۷:۷۰) (۲۳:۲۴) اور یہ ہی جواب حضرت صالحؑ کو قوم ثمود نے دیا (۱۱:۶۲)۔ اہل مدین نے بھی حضرت شعیبؑ کی دعوت حق کے جواب میں یہی کہا کہ کیا تیری نماز تجھے یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں (۱۱:۸۷)۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کو بھی ان کی قوم نے مباحثے کے بعد یہی جواب دیا کہ ہم کسی دلیل کو نہیں مانتے ہمارے تو باپ دادا یہی کرتے رہے ہیں اور ہم ان کا طریقہ نہیں چھوڑیں گے (۲۱:۵۲ تا ۵۴) (۲۶:۷۰ تا ۷۴) حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ نے کھلے کھلے معجزات کی مدد سے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت حق دی تو ان کم بختوں نے بھی یہی کہا کہ تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے کو چھوڑ دیں۔ (۲۸:۳۶) (۱۰:۷۸) غرض اس حجت برائے حجت ہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش مکہ نے پیش کیا اور جاہل لوگوں کی طرح کسی علم، ہدایت اور روشنی دکھانے والی کتاب کے بغیر اللہ کے معاملے میں جھگڑا کیا اور جب انہیں کہا گیا کہ حق کی طرف آؤ تو کہنے لگے کہ ہم تو باپ دادا کے طریقوں ہی پر چلیں گے خواہ شیطان ان کے باپ دادا کو جہنم کی طرف ہی بلاتا رہا ہو۔ (۳۴:۴۳) (۱۴:۱۰) (۴۳:۲۳ - ۲۴) (۳۱:۲۰ - ۲۱) (۳۷:۶۹ تا ۷۱) (۱۱:۱۰۹) قریش

مکہ اپنے ہر شرمناک برے کام کو اپنے باپ داداکی طرف منسوب کر دیتے تھے حتیٰ کہ کعبہ کے برہنہ طواف جیسے شرمناک اور قبیح فعل کو بھی انہوں نے اپنے باپ دادا کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ (۲۸:۷) ہر قسم کی جاہلانہ اور غیر معقول رسموں کو وہ باپ دادا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس تعلیم کی طرف جو اللہ نے نازل کی اور آؤ رسولؐ کی طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے بس وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے جائیں گے خواہ وہ کوئی علم نہ رکھتے ہوں اور راہ راست پر نہ ہوں۔"

(۱۰۴:۵) اور بعینہٖ یہی بات (۱۷۰:۲ - ۱۷۱) میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مکمل اور موثر بیان سورہ انعام کی آیات (۱۳۶:۶ تا ۱۴۴) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حوالہ جات بھی ملاحظہ کر لیں۔

(۲۳:۵۳) (۴۰:۱۲) (۴۳:۳۴) (۶۹:۳۷ تا ۷۱) چنانچہ قرآن نہایت واضح الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے کہ:۔

"جو لوگ گزر گئے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا، وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے۔ تم سے نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

(۱۳۴:۲)

اور بعینہٖ یہی بات (۱۴۱:۲) میں وہرائی گئی ہے۔ یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ جن باپ داداکی اندھی تقلید کا تم دعویٰ کرتے ہو وہ روز قیامت تمہارے اس فعل سے مکمل برات کا اعلان کریں گے۔

"اور اے نبیؐ، لوگوں کو یاد دلاؤ کہ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے تمہیں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس (حقیقت) پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ

دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل میں پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا ہے؟ دیکھو اس طرح ہم اپنی آیات واضح طور پر پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ ہدایت پکڑیں اور پلٹ آئیں۔ (الاعراف ۷:۱۷۲ تا ۱۷۴)

اس کے علاوہ اس امر پر مندرجہ ذیل آیات بھی ملاحظہ ہوں جن میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ روز قیامت یہ متبعین (اندھی پیروی کرنے والے) اور متبوعین (باپ دادا جن کی اندھی تقلید کی جاتی ہے) آپس میں جھگڑا کریں گے اور ایک دوسرے کی گمراہی سے برات کا اعلان کریں گے۔ (۲:۱۶۶) (۷:۳۸ - ۳۹) (۳۸:۶۰ تا ۶۴) (۳۳:۶۶ تا ۶۸) (۱۶:۲۴ - ۲۵ - ۸۵ - ۸۶) (۲۶:۹۰ تا ۱۰۲) (۲۵:۱۷ تا ۱۹) (۱۴:۲۱ - ۲۲) (۴۰:۴۷ - ۴۸) (۴۱:۲۹) (۲۸:۶۲ تا ۶۴) (۳۴:۳۲ - ۳۳) غرض یہ کہ باپ دادا کی اندھی تقلید ہر گمراہ قوم کی حجت برائے حجت تھی اور اللہ کے رسولوں کو ہمیشہ یہی کہا جاتا رہا کہ ہم اپنے باپ دادا کا عمل کس طرح چھوڑ دیں۔

"اے نبیؐ! تم سے پہلے ہم نے جس بستی پر اپنا نذیر (ڈرانے والا) بھیجا، اس بستی کے کھاتے پیتے امیر لوگ یہی کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم اسی کی تقلید کر رہے ہیں۔" (۴۳:۲۳)

انبیاء کرام کبھی اندھی تقلید نہیں کرتے تھے وہ اپنے صالح باپ دادا کا طریقہ اسی صورت میں اختیار کرتے تھے جب ان کے پاس سند ہوتی تھی۔ یہ اصل میں آباء کی تقلید نہیں بلکہ قوانین اور احکام خداوندی کی تقلید ہوتی تھی۔ چنانچہ سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ اس بات کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں اپنے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا (یعنی اللہ کے رسولوں کا) یہ کام نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے

ہم پر اور تمام انسانوں پر (کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا)
لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔" (۳۸:۱۲)

(ii) بڑے لوگوں اور مذہبی پیشواؤں کی غلط پیروی

تقلید آبائی سے قریب تر ایک اور سبب گمراہی کی قرآن حکیم نے نشاندہی کی ہے جو لوگوں کو بگاڑنے اور معاشرے کو خراب کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنی قوم، دنیا کے بڑے لوگوں، لیڈروں، مذہبی پیشواؤں اور دولت مند سرداروں کی تقلید و پیروی اندھے بن کر غلط طریقے پر کی جائے اور یہ بھی نہ دیکھا جائے کہ یہ کس طرح ہمیں گمراہی میں لے جا رہے ہیں اور صرف یہی دیکھا جائے کہ یہ بڑے لوگ ہیں۔ اس بات کو قرآن حکیم نے ایک عالم گیر قانون کے طور پر بیان کیا ہے کہ کسی بھی معاشرے کو بالآخر جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس معاشرے کا کھاتا پیتا، خوش حال اور اونچا طبقہ ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آتی ہے تو اس کا دولت مند اور صاحب اثر و اقتدار طبقہ فسق و فجور میں مبتلا ہو کر بدکاریاں کرنے لگتا ہے، ظلم و ستم کی راہ پر چل نکلتا ہے، بالآخر یہ فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال طبقے کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں فسق کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں"۔ (۱۶:۱۷)

لہٰذا جو قوم اور معاشرہ اپنا دشمن نہیں ہوا اسے چاہئے کہ اپنے ہاں اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بداخلاق لوگوں کے ہاتھ میں نہ جانے دے ورنہ اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب وارد ہو کر رہے گا۔ قرآن حکیم نے کئی مقامات پر آخرت میں پیروی کرنے والے کمزور طبقات، خوشحال طبقوں، مذہبی پیشواؤں اور دنیا میں صاحب اثر و اقتدار لوگوں کے جھگڑے کا ذکر کیا ہے۔

(۳۳:۶۷ - ۶۸) (۴۱:۲۹) (۲:۱۶۶ - ۱۶۷) (۳۴:۳۱ تا ۳۳) (۷:۳۸ -

۳۹) (۱۶:۲۴ - ۲۵ - ۸۵ - ۸۶) (۳۸:۶۰ تا ۶۴) (۱۴:ع۲۱ - ۲۲) (۲۵:۱۷ تا ۱۹) (۲۶:۹۰ تا ۱۰۲) (۳۴:۳۲ - ۳۳) (۴۰:۴۷ - ۴۸) (۲۸:۶۲ تا ۶۴)

(iii) غرور و تکبر

انسان کئی دفعہ حق بات ماننے سے صرف اس لئے انکار کرتا ہے کہ اسے اپنے سابقہ رویہ کی غلطی تسلیم کرنے میں ہتک محسوس ہوتی ہے، یا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ حق کو تسلیم کر لیا تو گمراہ معاشرے میں مجھے جو اونچا مقام حاصل ہے وہ چھن جائے گا یا پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اپنی بات چھوڑ کر دوسرے کی بات مان لینا اس کے مقام سے فروتر ہے، قطع نظر کہ کتنی غلط بات پر وہ اڑا ہوا ہے اور کتنی برحق بات دوسرا شخص پیش کر رہا ہے، جس کو تسلیم کرنے میں اس کا غرور و تکبر آڑے آرہا ہے۔

حضرت نوحؑ نے اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت کرتے ہوئے ان کے اسی غرور و تکبر کی مذمت کی جس سے انہوں نے ان کی نصیحت کو رد کر دیا۔ (۷۱:۶ - ۷) فرعون اور اس کے ساتھیوں نے جس طرح دعوت موسیٰؑ اور خود ایک مرد صالح کی نصیحت کو رد کیا قرآن نے اس رویہ کو بھی متکبرانہ اور جابرانہ رویہ قرار دیا ہے۔ (۴۰:۳۵) (۴۰:۲۴) (۴۳:۵۲) (۷۹:۱۷)۔ تکبر اور جباریت کی ہوا جس نفس میں بھر جاتی ہے اس پر کوئی کلمہ حق اور قول نصیحت اثر نہیں کرتا (۷:۱۴۶)۔ اسی رویئے (تکبر و غرور) کی وجہ سے انسان گناہ پر جما رہتا ہے (۲:۲۰۶)۔ قرآن حکیم نے قریش میں سے ایک سردار کا کردار بے نقاب کیا ہے کہ وہ اپنے دل میں اور مجالس قریش میں دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا اقرار کرتا تھا لیکن ہر دفعہ تسلیم حق میں اس کا غرور و تکبر اور گھمنڈ آڑے آتا تھا۔ (۷۴:۱۸ تا ۲۵)۔ قرآن حکیم اعلان کرتا ہے ہر رسول کی دعوت کا انکار استکبار فی الارض کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر متکبر و جبار کے دل پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔ (۴۰:۳۵) اور متکبرین کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۷:۱۴۶ - ۱۴۷) (۱۶:۲۹) (۳۹:۶۰ - ۷۲) (۴:۱۷۳) (۴۰:۷۶) اور یہ انجام دنیا اور آخرت

دونوں جگہ ان کا مقدر ہو چکا ہے۔ پھر قرآن ان متکبرین کے اس باہمی جھگڑے کا بھی ذکر کیا ہے جو وہ روز قیامت آپس میں کریں گے۔ (۶۷:۳۳ - ۶۸) (۲۹:۴۱) (۴۷:۴۰ - ۴۸) (۲۱:۱۴) (۱۶۶:۳۴ - ۱۶۷) (۱۶۶:۲ - ۱۶۷)

تکبر و غرور انسان میں انکارِ آخرت پیدا کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ (۲۲:۱۶ - ۲۳)۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ تکبر و غرور اور منافقت لازم و ملزوم ہیں۔ (۵:۶۳)

قرآن نے تکبر و غرور کو محض ایک سبب ضلالت ہی قرار نہیں دیا بلکہ پچھلی قوموں کی مثالیں دے دے کر اس کے برے اثرات واضح کیے ہیں۔

___ قوم نوح = (۷:۷۱)

___ فرعون = (۳۵:۴۰) (۲۴:۲۰) (۵۲:۴۳) اور (۱۷:۷۹) (۴:۲۸ - ۳۹) (۱۳۳:۷) (۷۵:۱۰ - ۸۳) (۴۶:۲۳) (۳۹:۲۹)

___ بنی اسرائیل = (۸۷:۲)

___ قوم ثمود = (۷۵:۷ - ۷۶)

___ قوم شعیبؑ کا ایک سردار = (۸۸:۷)

___ قوم عاد = (۱۵:۴۱)

اس کے علاوہ انسان کو تکبر و استکبار سے باز رکھنے کے لئے تنبیہ کے لئے بتایا گیا کہ استکبار تو تمہارے ازلی دشمن ابلیس کا رویہ تھا جو اس نے خاص تمہارے معاملے میں اختیار کیا تھا۔ اور کیا تم اس متکبر لعین کی پیروی کرو گے جو تمہیں گمراہی کی طرف ہی لے جا سکتا ہے۔ (۳۴:۲) (۳۰:۱۵ - ۴۱) (۷۴:۳۸ - ۷۸) (۱۱:۷ - ۱۳ - ۱۸) (۷۴:۳۸ - ۷۵) (۱۶:۱۷) (۱۱۶:۲۰)

(iv) دنیا کی خوشحالی ہی کو معیار خیر و شر اور حق و باطل جاننا

قرآن ایک اور اہم سبب گمراہی اس خام خیالی کو قرار دیتا ہے کہ دنیا میں ظاہری نتائج ہی معیار خیر و شر ہیں۔ کوئی اگر خوشحال ہے تو وہ کامیاب ہے اور کوئی خستہ حال ہے تو ناکام

ہے خواہ وہ خوشحالی، حرام خوریوں اور بداخلاقیوں کا نتیجہ ہو اور وہ خستہ حالی نیک اعمالی، حسن عمل اور بلندی اخلاق کا سرمایہ رکھتی ہو۔ قرآن نے اس غلط اور بالکل غلط نقطۂ نظر کی مثالیں انسانی تاریخ سے بھی پیش کی ہیں اور خود مکہ اور عرب کے لوگوں کے گفتار و کردار میں بھی ان کی نشاندہی کی ہے۔

— قوم نوحؑ کے سردار بھی معاشرے کے کمزور طبقے کے ایمان کو دعوت نوح علیہ السلام کی ناکامی قرار دیتے تھے۔ (۲۶:۱۱۱) (۱۱:۲۷)۔ یہ سردار ہی اولین مخالفین حق تھے جو اپنی خوشحالی کو معیار حق بنائے بیٹھے تھے۔ (۷:۶۰ تا ۶۳) (۲۳:۲۴ - ۲۵)

— حضرت صالحؑ اور قوم ثمود کے قصے میں بھی یہی بتایا گیا کہ قوم کے سرداروں نے صرف اس لئے دعوت حق کو ماننے سے انکار کیا کہ قوم کے غریب طبقے نے آگے بڑھ کر پہلے دعوت حق کو قبول کر لیا تھا۔ (۷:۷۵ - ۷۶) (۲۶:۱۴۶ تا ۱۵۰)

— پھر قرآن عمومی رجحان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انبیاء کا اولین مخالف قوموں کا خوشحال طبقہ ہوتا تھا۔ ان کا نظریہ یہی تھا کہ دنیا میں جو مال و اولاد انہیں نصیب ہے وہ ان کے مبنی برحق ہونے کی دلیل ہے۔ (۳۴:۳۴ - ۳۵) (۶:۱۲۳) (۷:۶۰ - ۶۶ - ۷۵ - ۸۸ - ۹۰) (۱۱:۲۷) (۱۷:۱۶) (۲۳:۲۴ - ۳۳ تا ۳۸ - ۴۶ اور ۴۷) (۴۳:۲۳)

— یہی طرز عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر کفار مکہ اور اہل عرب نے اختیار کیا کہ ہم خوش حال ہیں یہی ہمارے اقرب الی اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ (۲۶:۱۱۱) (۲۸:۷۶ تا ۸۳) (۳۰:۹) (۷۴:۱۱ تا ۲۶) (۸۹:۱۵ تا ۲۰) (۲۰:۱۳۱) (۱۹:۷۳ تا ۷۷) (۱۸:۳۴ تا ۴۳) (۱۳:۲۶) (۱۱:۳ - ۲۷) (۱۹:۵۵ - ۶۹) (۲:۱۲۶ - ۲۱۲) (۲۳:۵۵ تا ۶۱)

— اسی بات کو سمجھانے کے لئے عاد، ثمود اور فرعون جیسی زبردست ترقی یافتہ قوموں اور سلطنتوں کی گمراہی اور سرکشی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ دنیا کی

دولت و عزت حقیقی عزت نہیں اور نہ ہی دنیوی غربت و تنگ دستی ذلت ہے۔
دولت و نعمت ہو یا غربت و تنگ دستی دونوں ہی انسان کے لئے آزمائش ہیں اور ان میں سے کوئی بھی معیار عزت و ذلت نہیں ہے۔ (۸۹:۱۵ - ۱۶) (۸:۲۸)

— اس کے علاوہ قرآن حکیم نے ایک اور اہم نقطے کی وضاحت بھی کی ہے کہ اسلام اور دین کی پیروی اور اقامت دین کی جدوجہد میں عملی حصہ لینا صرف اخروی فائدے ہی کے لئے ہے دنیوی فائدہ کبھی نہیں مل سکتا جب کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح ملے گی۔ (۵۵:۲۴) (۲:۴۷) (۲:۴۸) (۵:۶۶) (۷:۹۶) (۱۱:۳ - ۵۲) (۷۱:۱۰ تا ۱۴) (۱۶:۹۷) (۲۰:۱۲۴) ان تمام آیات میں یہ نہایت اہم حقیقت بیان کی گئی ہے کہ مسلم و کافر دونوں گروہوں میں کم نظر اور بے صبر لوگ یہ غلط فہمی رکھتے ہیں کہ سچائی دیانت اور پرہیز گاری کی روش اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت چاہے بن جاتی ہو لیکن دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے۔ (۲۸:۵۷) اور (۷:۹۰)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صحیح رویہ اختیار کرنے سے آخرت ہی نہیں دنیا بھی بنتی سنورتی ہے۔ جو لوگ ایمان دار، پاکباز اور معاملہ کے کھرے ہوتے ہیں ان کی دنیوی زندگی بھی بے ایمان اور بد عمل لوگوں کے مقابلے میں صریحاً بہتر ہوتی ہے۔ جو ساکھ اور سچی عزت اپنی بے داغ سیرت کی وجہ سے انہیں حاصل ہوتی ہے وہ بد عمل اور بے ایمان افراد کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ جو کامیابیاں انہیں ستھرے اور پاکیزہ طریقے سے حاصل ہوتی ہیں اور بوریا نشین ہو کر بھی قلب کے جس اطمینان اور ضمیر کے جس سکون سے وہ بہرہ مند ہوتے ہیں اس کا ادنیٰ سا حصہ بھی محلوں میں رہنے والے فساق و فجار نہیں پا سکتے۔

(v) خواہشات نفس اور قیاس و گمان کی پیروی کرنا

گمراہی و ضلالت کا ایک اہم سبب بتاتے ہوئے قرآن حکیم اس طرز عمل کی مذمت کرتا ہے کہ انسان محض قیاس و گمان کی بنا پر کسی چیز کو خدا بنا کر ان کی ایسی بندگی کرے کہ جدھر جدھر وہ چاہیں اسے گھسیٹتے پھریں، مگر اللہ کی دی ہوئی عقل اور اس کے بخشے ہوئے

ذرائع علم وہدایت سے کام لے کر وہ یہ نہ دیکھے کہ اپنے گمانوں اور قیاسات کی بنا پر اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے، یا اپنی خواہشات کی پیروی میں وہ جس راستے پر چلا جارہا ہے وہ صحیح اور معقول بھی ہے یا نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے اس طرز عمل اور اہم سبب ضلالت و گمراہی پر عمومی تبصرہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقامات قرآن (۷: ۱۷۳ تا ۱۷۹) (۸: ۲۲) (۱۰: ۳۱ تا ۳۶)۔ قرآن انہیں بہرے اور گونگے قرار دیتا ہے۔ جسمانی بہرے اور گونگے نہیں بلکہ حق سننے سے بہرے اور حق کہنے سے گونگے۔ چنانچہ قرآن غلط کار معذوب قوموں کے آثار و کھنڈرات کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

> "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ (ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈر دیکھ کر) ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔" (۲۲: ۴۶)

قوم نوحؑ، عاد، ثمود، اصحاب الرس، قوم فرعون اور قوم لوط کے انجام بد کی طرف توجہ دلانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا۔

> "کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کے ذمہ دار ہو سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے" (۲۵: ۴۳ - ۴۴)

> "اے نبی! کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں پھینک دیا. اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اب اللہ کے بعد کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ (۴۵: ۲۳)

— بلا علم و وحی خواہشات نفس کی پیروی کی قرآن نے جگہ جگہ پرزور الفاظ میں مذمت کی ہے۔ (۵۰:۲۸) (۱۷۶:۷) (۲۸:۱۸) (۱۶:۲۰) (۵۶:۶) (۷۱:۲۳) (۱۴:۴۷) (۳:۵۴) (۲۳:۵۳)

— اسی طرح قرآن نے قیاس و گمان کو "حق" کے مقابلے میں استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ ظن، حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا (۳۶:۱۰) (۲۸:۵۳) چنانچہ اس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ (۱۱۷:۶) (۶۶:۱۰) (۱۲:۴۹) (۷۸:۲) (۲۳:۴۱)۔ قوم شعیبؑ ہو یا قوم ہودؑ یا قوم نوحؑ سب نے اپنے پیغمبروں کے متعلق محض ظن کی بنا پر رائے قائم کی لہذا ہدایت سے بےبہرہ رہ گئے۔ (۱۸۶:۲۶) (۶۵:۷) (۲۷:۱۱)

(vi) برائی کو خوبی سمجھنا اور باطل پر جمے رہنا

ایک اہم سبب گمراہی جو انفرادی سے زیادہ اجتماعی حیثیت میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب افراد اور معاشرہ برے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور باطل پر عمل کرتے ہوئے کوئی بےاطمینانی محسوس نہیں کرتے۔ ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا اور وہ حق جاننے کی ضرورت کے قائل ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:۔

(i) "بھلا اس شخص کی گمراہی کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے جس کے لئے اس کا عمل خوش نما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو۔" (۸:۳۵)

(ii) "جہنم میں جب عذاب سے دوچار ہوں گے اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ تمہارا انجام اس لئے ہوا ہے کہ تم زمین میں غیر حق (اور باطل) پر مگن تھے اور اس پر اتراتے تھے۔" (۷۵:۴۰)

(vii) شفاعت کا مشرکانہ عقیدہ

یہ ایک نہایت اہم گمراہی و ضلالت کا سبب ہے۔ بنیاد اس کی یہ خام خیالی ہے کہ اللہ کے کچھ ایسے پیارے بندے ہیں جن کی بات کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ ان کا دامن تھام کر نذر نیاز اور پوجا پاٹ کر کے انسان انہیں خوش کرتا رہے، پھر دنیا میں جو چاہے کرتا رہے۔

ان کی سفارش بلکہ اختیار اسے ہر جرم و گناہ سے بچالے گی۔

اللہ کی بخشش پانے کے لئے یہ آسان طریقہ (Short Cut) ہوتے ہوئے کوئی بے وقوف ہی تقویٰ اور پرہیزگاری کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈالے گا اور ہر گناہ کی لذت اور ظلم و زیادتی اور حرام کاریوں کے فائدوں سے اپنے آپ کو محروم کرے گا۔ قریش مکہ یہی کہتے تھے کہ ہم تو اللہ تک رسائی کے لئے ان کی پوجا کرتے ہیں۔ (۳۹:۳)۔ یعنی اللہ کی بارگاہ بہت اونچی ہے اس تک ہم براہ راست پہنچ نہیں سکتے اس لئے ہم ان بزرگ ہستیوں کو ذریعہ اور سفارشی بناتے ہیں۔ (۱۰:۱۸)

کیونکہ ایسے غلط عقیدے کے ہوتے ہوئے اسلام جیسی نیکی اور بھلائی کی دعوت کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ایک بنیاد کو اکھاڑ پھینکا۔

(i) ظالموں کو بتایا گیا ہے کہ تمہارا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ٹھیک حق کے مطابق فیصلہ کرے گا اور تمہارے یہ معبود کسی چیز کا فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں۔ (۴۰:۱۸ تا ۲۰)

(ii) ظالم کی سفارش نہیں ہو سکتی۔ اللہ کسی کی سفارش ماننے کا پابند نہیں ہے اللہ ہی حاکم ہے جو ہر جرم سے پورا واقف ہے، وہ ایسے لوگوں کو سفارش کا حق کس طرح دے سکتا ہے جو جانتے ہی نہیں کہ جس کی سفارش وہ کر رہے ہیں وہ کیا کیا جرم کر کے آیا ہے اور سب سے بڑھ کر اس مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ محض قیاس و گمان اور خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ (۴۳:۸۶)۔ اسی کے ساتھ صحیح عقیدۂ شفاعت کی وضاحت بھی کی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ:۔

(i) شفاعت وہ کر سکتا ہے جس کو اللہ سے اجازت ملے۔ (۲:۲۵۵) (۷۸:۳۸)

(ii) اسی کی شفاعت ہو سکتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت دے۔ (۳۴:۲۳)

(iii) شفاعت کرنے والا عین حق بات کہے یعنی برحق سفارش کرے۔ (۷۸:۳۸)

(iv) پھر بھی شفاعت قبول کرنا مکمل طور پر اللہ کے اختیار میں ہے چاہے تو قبول کرے اور چاہے رد کر دے۔ (۴۴:۳۹)

لیکن اس سب کے ساتھ ساتھ اصول جزا و سزا یہی بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کے اعمال کے ظہور نتائج کے وقت کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا نہ کسی کی سفارش (شفاعت) قبول کی جائے گی۔ (۴۸:۲) (۱۲۳:۲ - ۲۵۴) (۹۱:۳ - ۱۱۶) (۱۰۹:۴ - ۱۲۳) (۳۶:۵) (۷۰:۶) (۱۸:۱۳) (۳۱:۱۴) (۱۰۹:۲۰) (۳۳:۳۱) (۴۲:۳۴) (۴۷:۳۹) (۱۸:۴۰) (۱۴:۵۷ - ۱۵)

(۲) تاریخ انسانی سے اچھے اور برے کرداروں کی مثالیں

قرآن حکیم نے صرف سات بڑے اسباب ضلالت ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان میں ملوث ہونے والی معذوب قوموں اور ان سے بچنے والی نیک اقوام اور افراد کا الگ الگ انجام بھی بیان کیا ہے، تاکہ ہر ایک یہ سمجھ جائے کہ اسلام کیسے کردار بنانا چاہتا ہے اور کیسے کردار اسے ناپسند ہیں جن سے معاشرے کو پاک کرنا چاہیے، چاہے وہ ان کی اپنی اصلاح کے ذریعے ہو یا پھر وہ اللہ کے غضب و عذاب کا نشانہ بن کر دنیا ہی میں تباہ و برباد ہو کر رہیں۔ قرآن میں یہ کردار تاریخی ترتیب سے یوں ملاحظہ فرمائیں۔

(i) آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ

تاریخ انسانی کا پہلا عبرت ناک واقعہ حضرت آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ہے۔ ایک نیک کردار اور دوسرا بد کردار تھا۔ (المائدہ ۵:۲۷ تا ۳۲) میں ان دونوں کرداروں کا اخلاق نہایت وضاحت سے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں عرب کے فساد زدہ ماحول جہاں پر ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا، ان کے ماحول پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے

بدلے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کوئی ایک جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔" (۳۲:۵)

(ii) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم

تاریخ انسانی کی اولین قوم جس نے سرکشی کا طوفان اٹھایا قوم نوحؑ تھی۔ قرآن نے جگہ جگہ ان کا قصہ بیان کر کے ایک طرف اس قوم اور ان کے سرداروں کا برا کردار پیش کیا ہے دوسری طرف ساڑھے نو سو برس تک دعوت حق کے صبر آزما لمحات سے گزرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کا کردار پیش کیا ہے۔ قوم نوحؑ کے سرداروں نے ان کی ایک نہ چلنے دی، انہیں مجنوں کہا اور سخت ڈانٹ پھٹکار کی گئی، ان پر ایمان لانے والے غرباء کی سخت تذلیل کی گئی، حضرت نوحؑ کو دعوت حق سے باز رکھنے کے لئے سنگ سار کرنے کی دھمکی دی گئی، انہیں چیلنج کیا گیا کہ ہم تو تمہاری دعوت ماننے کے نہیں جو چاہے عذاب لے آؤ. جب اللہ کے حکم کے تحت انہوں نے کشتی بنانی شروع کی تو ان کا مذاق اڑایا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی گھر والی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور کافروں میں شامل رہی، اپنے کافر بیٹے کو کافروں کے ساتھ ڈوبتے دیکھ کر شفقت پدری کے غالب آ جانے پر خدا سے اسے بچا لینے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کی۔ اس میں بھی ایک اخلاقی درس پنہاں ہے کہ کسی بڑے آدمی سے رشتہ داری بھی کسی کام نہیں آئے گی۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا۔ قصہ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے قرآن حکیم کے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:۔

سورۂ نوح (۷۱) مکمل + (۳:۱۷) (۵۸:۱۹) (۱۴:۲۹ - ۱۵) (۳۳:۳) (۷۱:۱۰ تا ۷۴) (۵۹:۷ تا ۶۴) (۷۶:۲۱ - ۷۷) (۱۳:۴۲) (۲۵:۱۱ تا ۳۴ اور ۳۵: تا ۴۸) (۱۰۵:۲۶ تا ۱۲۰) اور (۲۳:۲۳ تا ۱۳۱)

(iii) قوم عاد اور حضرت هود علیہ السلام

قوم نوحؑ کی جانشین اس قوم سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اور وہ تجارتی سفروں کے دوران احقاف کے آثار سے گزرتے تھے، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ قوم اللہ کے عذاب سے تباہ ہوئی تھی۔ قرآن حکیم بتایا ہے کہ شرک و بت پرستی اور انکارِ توحید کے علاوہ ان میں ہر طرح کی اخلاقی برائیاں موجود تھیں۔ وہ زمین پر زور آوری اور تکبر کرتے تھے، دنیا میں سرکشی اور فساد پھیلاتے تھے، جس پر ہاتھ ڈالتے تھے ظالم و جابر بن کر ڈالتے تھے اور ہر جبار دشمنِ حق کی پیروی کرتے تھے۔ حضرت ہودؑ نے دعوت حق کا پورا پورا حق ادا کیا لیکن قوم نوحؑ کی طرح یہ بھی یہی کہتے تھے کہ جو عذاب لانا ہے لے آؤ۔ حضرت هود علیہ السلام کو برے انجام کی دھمکیاں دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنے والی قوموں کے لئے نشانِ عبرت بنا ڈالا۔ قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر اس معذب قوم کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ (۴۱:۱۵ - ۱۶) (۸۹:۶ تا ۱۴) (۲۶:۱۲۳ تا ۱۴۰) (۵۱:۴۱ - ۴۲) (۷:۶۵ تا ۷۲) (۴۶:۲۱ تا ۲۶) (۱۱:۵۰ تا ۶۰) (۵۴:۱۷ تا ۲۲) (۶۹:۴ تا ۸) (۲۹:۳۸) (۹:۷۰) (۱۴:۹) (۲۲:۴۲) (۲۵:۳۸) (۳۸:۱۲) (۵۰:۱۳)

(iv) حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

ان کو اصحاب الحجر بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ ان کا دارالحکومت حجر تھا۔ قوم عاد کے بعد قوم ثمود ہی عرب کی اقوام قدیمہ میں سے مشہور ترین قوم تھی جس کے آثار قدیمہ پورے شمالی حجاز میں پھیلے ہوئے تھے اور اب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلے ان پر سے گزر کر شام کو جاتے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ایک خوفناک زلزلے نے اس قوم کو تباہ کیا تھا اور اس زلزلے کی وجہ سے آج تک ان مقامات کے پہاڑ کھیل کھیل ہو رہے ہیں۔ یہ قوم بھی شرک و بت پرستی کے ساتھ خدا کی زمین میں سرکشی اور فساد کا طوفان برپا کیے ہوئے تھی۔ اس کے سردار حد سے گزرے ہوئے مفسد لوگ تھے جن کے ہاتھ کوئی اصلاح

کا کام نہ ہوتا تھا۔ ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی طرح غریب لوگوں کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی تھی اور دوسری طرف امراء میدانی علاقوں میں شاندار قصر اور پہاڑوں کو تراش کر شاندار محلات تعمیر کرواتے تھے۔ ان کے معاشرے کے غریب لوگ ہی حضرت ھودؑ پر ایمان لائے اور اس چیز نے ان کے امراء کا غرور و تکبر اور بڑھا دیا تھا۔ ان کے بڑے بڑے فسادی جتھہ داروں نے حضرت صالحؑ اور ان کے گھر والوں پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اللہ کی ایک نشانی اونٹنی کو بھی مار ڈالا جس پر انہیں تین دن کی مہلت دی گئی لیکن انہوں نے مذاق سمجھا۔ چنانچہ حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا گیا اور باقی قوم تباہ کر کے رکھ ڈالی گئی۔ قرآن حکیم میں اس معذوب قوم کا قصہ مندرجہ ذیل مقامات پر بیان ہوا ہے:۔

(۱۴تا۹:۸۹) (۷۹تا۷۳:۷) (۱۵۹تا ۱۴۱:۲۶) (۵۳ تا ۴۵:۲۷) (۱۱:۶۱ تا ۶۸ - ۹۵) (۵۹:۱۷) (۱۵ تا ۱۱:۹۱) (۷۰:۹) (۲۳:۵۴) (۳۱:۴۰) (۱۳:۳۸) (۳۸:۲۹) (۳۸:۲۵) (۹:۱۴) (۶۹:۴ - ۵) (۵۱:۵۳) (۴۵تا۴۳:۵۱) (۱۲:۵۰) (۱۷:۴۱ - ۱۸) (۱۸:۸۵)

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام:۔

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی شاخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ (لقب اسرائیل) کی نسل بنی اسرائیل کہلائے اس طرح دونوں شاخوں بنی اسماعیل کے ابو الاباء اور بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ ہی ہوئے۔ چنانچہ آپؑ تمام انبیاء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

سب سے بڑا مثالی کردار قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیش کیا گیا ہے قرآن حکیم نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ کیا خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا دوست قرار دیا ہے۔ (۱۲۴:۴) اور انہیں تمام انسانوں کا امام بنایا ہے۔

(۱۲۴:۲)۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ آپؑ ایک لمحہ کی غفلت اور ضیاع کیے بغیر خدا پرستی کا مقام پالینے تک تلاشِ حق کی جدوجہد میں کس طرح سرگرداں رہے۔ انہوں نے علی الاعلان اپنے مشرک باپ کے دین سے برات کا اعلان کیا اور جب دلائل سے ان کی قوم نہ مانی تو انہوں نے بت خانے میں گھس کر ان کے تمام بت پاش پاش کر دیئے۔ نمرود کے دربار میں اپنے اس فعل کا دفاع کیا اور پورے جوش سے عقیدۂ توحید بیان کیا۔ آگ میں ڈالے گئے لیکن استقامت قائم رکھی۔ خدا کی خاطر گھربار، قوم اور وطن چھوڑ دیا اور غریب الوطنی اختیار کی۔ بڑھاپے کی اولاد کو اللہ کے حکم پر بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ آئے اور جب وہ بچہ جوان ہوا تو اللہ کے حکم پر اس کی گردن پر چھری تک پھیرنے کو تیار ہو گئے۔ خدا کے دین کی راہ میں کسی رو رعایت اور لحاظ کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہاں تک کہ مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کا وعدہ پورا کیا لیکن جب احساس ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو یہ تعلق بھی ختم کر دیا۔ اس اعلیٰ سیرت اور بے مثال کردار کو قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل مقامات پر پیش کیا ہے:۔

(۱۲۴:۲ تا ۱۳۳ - ۱۴۰ - ۲۵۸) (۱۲۴:۴) (۷۴:۶ تا ۸۹ - ۱۶۱) (۳۵:۱۴ تا ۴۱) (۸۳:۳۷ تا ۱۱۳) (۵۱:۲۱ تا ۷۳) (۲۶:۲۲ تا ۲۸) (۴:۶۰ - ۵) (۱۱۴:۹) (۳۳:۳ - ۹۶) (۱۲۰:۱۶ تا ۱۲۳) (۶۹:۲۶ تا ۸۹) (۱۶:۲۹ تا ۲۷ - ۳۱ - ۳۲) (۴۱:۱۹ تا ۵۰ - ۵۸) (۴:۶۰ تا ۹) (۱۹:۸۷) (۴۵:۳۸) (۳۷:۵۳) (۶۹:۲۶ تا ۸۹) (۷:۳۳) (۱۳:۴۲) (۲۶:۵۷) (۶:۱۲ - ۳۸) (۲۶:۴۳ تا ۳۰) (۶۹:۱۱ تا ۷۱) (۵۱:۱۵ تا ۶۰) (۲۴:۵۱ تا ۳۲)

(vi) حضرت لوط علیہ السلام اور قوم لوطؑ

اس قصے کے بیان کا بنیادی مقصد یہ بتاتا ہے کہ بدکردار قوم کیسی ہوتی ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے پیغمبروں نے کن کٹھن حالات میں دعوت حق کا کام کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے فلسطین آئے تھے۔ (۷۱:۲۱) (۲۶:۲۹)۔ انہیں جس قوم پر مامور کیا گیا وہ ایک نہایت خبیث قوم تھی۔ یہ قوم اغلام (لونڈے بازی) جیسی قبیح اور انسانیت سوز عادت میں مبتلا تھی۔ اس ناپاک فعل کا ارتکاب کھلے عام بغیر کسی شرم و حیا کے مجالس میں کرتے تھے۔ مزید بر آں یہ ایک رہزن قوم تھی اور کسی شخص یا قافلے کا ان کے علاقے سے بخیریت گزر جانا محال تھا۔ حضرت لوطؑ نے برسوں انہیں ان کی حرکات کی برائی سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے اثر نہ لیا۔ بلکہ الٹا وہ حضرت لوطؑ کو اپنی بستی سے نکالنے کی دھمکی دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینے کے لئے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس بھیجے۔ جو اپنے مشن کی اطلاع حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیتے آئے۔ ساری قوم نے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ حضرت لوطؑ بے چارے فریاد کرتے رہے کہ میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ لیکن خدا کا حکم آچکا تھا چنانچہ حضرت لوطؑ کو رات بھر کی مہلت دی گئی کہ وہ بستی سے نکل جائیں اور اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لے جائیں ماسوائے اپنی بیوی کے جو ظالم قوم میں سے تھی چنانچہ اسے بھی پیچھے رہنا پڑا اور اس کا انجام بھی قوم کے ساتھ ہی ہوا۔ آخر عذاب الٰہی کا کوڑا برسا۔ حملہ آور اندھے ہو گئے۔ رات گزرنے کے بعد قوم لوط کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ان کی بستیاں تلپٹ کر دی گئیں اور ان پر ایسے پتھر برسائے گئے جن میں سے ہر ایک پتھر نشان زدہ تھا کہ کس پتھر کو کس انسان کا خاتمہ کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر حضرت لوط علیہ السلام اور قوط لوط کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

(۵۴:۲۷ تا ۵۸) (۲۸:۲۹ تا ۳۵) (۱۶۰:۲۶ تا ۱۷۵) (۵۷:۱۵ تا ۷۷)
(۷۴:۲۱) (۲۴:۵۱ تا ۳۷) (۶۹:۱۱ تا ۸۳) (۳۳:۵۴ تا ۴۰) (۱۳:۵۰)
(۱۳:۳۸) (۴۳:۲۲) (۱۰:۶۶)

(vii) حضرت یوسف علیہ السلام

آپ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تھے اور آپ کو یہ منفرد مقام حاصل ہے کہ آپؑ کا قصہ قرآن میں پوری تفصیل کے ساتھ اور سورۂ یوسفؑ (۱۲) میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن نے اس کو "احسن القصص" (۱۲:۳) قرار دیا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے۔ (۶:۸۴)۔ قرآن نے دربارِ فرعون میں ایک مردِ مومن کی تقریر کا ذکر کیا ہے، اس نے بھی حضرت یوسفؑ کا ذکر کر کے بنی اسرائیل کو شرم دلائی کہ تم نے یوسفؑ کی صداقت کے بارے میں بھی شک کیا تھا اور جب وہ فوت ہوئے تو مطمئن ہو گئے تھے کہ اب اللہ کا کوئی رسول نہیں آئے گا۔ (۴۰:۳۴)

سورۂ یوسف میں بیان کردہ اس "احسن القصص" میں اللہ تعالیٰ نے مثبت اور منفی دونوں کردار پیش کیے ہیں۔ مثبت اخلاقی کرداروں میں سب سے پہلے حضرت یوسفؑ کا کردار ہے انہوں نے قید ہونا گوارا کر لیا لیکن اپنے دامن کو گناہ سے داغ دار نہ کیا۔ جیل کے اندر بھی وعظ و نصیحت کرتے رہے، جب اپنے خواب کی تعبیر جان کر بادشاہ ان کا گرویدہ ہو گیا تو بھی انہوں نے پہلے اپنی بے گناہی کی شہادتیں طلب کرنے کا مطالبہ کیا۔ مصر میں شاہانہ اقتدار کے وقت بھی انہوں نے اپنے ظالم سوتیلے بھائیوں کو بھی غلہ فراہم کیا اور ساتھ ساتھ بہترین انتظام سے قحط سے دکھی انسانیت کی بھرپور خدمت کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس عروج پر کسی فخر و غرور کا اظہار نہیں کیا بلکہ ہر دم اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے دعا کی کہ

> "اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کو بنانے والے، تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ مسلم کی حیثیت سے کر اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا"۔ (۱۲:۱۰۱)

مثبت اخلاقی کرداروں میں حضرت یوسفؑ کے والد مجسمۂ صبر و شکر حضرت یعقوبؑ کا کردار بھی بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اپنی تمام تکلیفوں اور پیارے بیٹے کی جدائی پر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی کہ:۔

(i) "اچھا، صبر کروں گا اور بخوبی صبر کروں گا. جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے"۔ (۱۸:۱۲)

(ii) "اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے"۔ (۶۴:۱۲)

(iii) "اللہ کی مشیت سے کوئی نہیں بچا سکتا. حکم اس کے سوا کسی کا نہیں چلتا اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر بھروسہ کرے"۔ (۶۷:۱۲)

(iv) "اچھا میں صبر کروں گا اور بخوبی صبر کروں گا...... میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا...... اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو. اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں"۔ (۱۲: ۸۳ تا ۸۷)

دوسری طرف منفی کرداروں میں سب سے پہلے برادران یوسفؑ کا کردار ہے۔ انہوں نے صرف اس لئے اپنے چھوٹے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنالیا کہ ان کے والد اس سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ پھر اس تجارتی قافلے کا کردار ہے کہ ایک بے گناہ اور لاوارث بچے کو تجارتی مال بنا کر بیچ ڈالا گیا۔ عزیز مصر کی بیوی کا کردار ہے کہ جس چھوٹے سے بچے نے اس کے اپنے گھر میں پرورش پائی تھی اسے ہی گناہ میں ملوث کرنا چاہا۔ صرف اس ایک عورت ہی کا نہیں بلکہ بڑے گھروں کی تمام عورتوں کا کردار ایسا ہی تھا کہ جب حضرت یوسفؑ ان کے سامنے پیش کیے گئے تو مجلس میں موجود تمام عورتوں کی رالیں ٹپک پڑیں۔ مصر کے حکمران طبقے کا کردار دیکھیں کہ انہوں نے اپنی عورتوں کا گناہ جانتے ہوئے بھی سزا حضرت یوسفؑ کو دے ڈالی۔ اس مصری معاشرے کا کردار دیکھیں جس میں عزیز مصر کی بیوی اور حضرت یوسفؑ کا قصہ پوری طرح پھیل گیا۔ یہ کسی اخلاقیات سے عاری معاشرے ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

(viii) حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل مدین و اصحاب الائیکہ

اہل مدین اور اصحاب الائیکہ کا علاقہ شمالی حجاز میں واقعہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ ہم عصر تھے اور حضرت موسیٰؑ کی شادی مدین میں انہی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔

ان اقوام کی شرک کے علاوہ اخلاقی برائیوں کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ خاص طور پر وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور اللہ کی زمین میں فساد برپا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو اہل مدین کی طرف نبی بنا کر بھیجا اور ائیکہ والوں کی اصلاح کا کام بھی ان کے سپرد کیا۔ وہ مدتوں ان کی اصلاح کرتے رہے لیکن بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے۔ باقی ساری قوم اپنی بداعمالیوں میں مست اور کرتوتوں میں مگن رہی۔ ان کے سرداران نے وہی باپ دادا کی تقلید کا بہانہ کیا۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ہمیں اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق ہر طرح کے تصرف کی آزادی ہے، خواہ وہ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ہو یا تجارت میں بے ایمانی ہو، یا معاشی طور پر کمزور طبقوں پر ظلم و ستم ہو۔ ان سرداروں کے نزدیک ان کی قوم کا پھلنا پھولنا ناجائز طور طریقوں پر حاصل کردہ دولت پر منحصر تھا۔ سرداروں نے حضرت شعیبؑ کو دھمکیاں بھی دیں اور یہ بھی کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا ان قوموں پر برسا اور یہ آثار قدیمہ بن کر رہ گئیں۔ اہل قریش اپنے شام کے تجارتی سفروں میں ان کے آثار سے گزرتے تھے اسی لئے قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر تفصیل کے ساتھ حضرت شعیبؑ اہل مدین اور اصحاب الائیکہ کا ذکر ملتا ہے۔

(۷:۸۵ تا ۹۳) (۱۱:۸۴ تا ۹۵) (۱۵:۷۸ تا ۸۴) (۲۶:۱۷۶ تا ۱۹۱) (۲۸:۲۲ - ۲۳ - ۴۵) (۹:۷۰) (۳۸:۱۳) (۵۰:۱۴) (۲۲:۴۴) (۲۹:۳۶ - ۳۷) (۲۰:۴۰)

(ix) قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون

قرآن حکیم میں یہ قصہ سب سے زیادہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ عرب میں یہود و

نصاری کثرت سے موجود تھے اور ان کی زبانی یہ کشمکش قریش میں بھی ہر خاص و عام کو معلوم تھی۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ تم ہمیں اس طرح معجزے کیوں نہیں دکھاتے جس طرح موسیٰؑ نے دکھائے تھے۔ (۴۸:۲۸)

اس واقعہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اخلاقی لحاظ سے اچھے اور برے دونوں کردار واضح کیے ہیں۔

مثبت کرداروں میں حضرت موسیٰؑ کا کردار ہے کہ ایک دبی ہوئی قوم کے فرد تھے جو ذلت کی آخری حد تک پہنچا دی گئی تھی خود حضرت موسیٰؑ پر ایک مصری حکمران طبقے کے فرد کے قتل کا الزام تھا۔ وہ ملک چھوڑ کر کئی سال سے مدین میں پناہ گزین تھے اور پھر حق تعالیٰ نے انہیں نبی مقرر کیا اور بس ایک لاٹھی اور ید بیضاء کا معجزہ دے کر فرعون جیسے جبار کی حکومت سے جاٹکرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اللہ کی مدد پر بھروسہ کر کے بغیر کسی لاؤ لشکر کے فرعون کے دربار میں اس کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ فرعون نے جب انہیں قتل کی دھمکی دی تو انہوں نے یہ کہہ کر دھمکی اس کے منہ پر مار دی کہ "میں نے پناہ لی اپنے اور تمہارے رب کی ہر اس متکبر سے جو روز جزاء پر یقین نہیں رکھتا"۔ مدین میں موسیٰؑ کا قیام اور حضرت شعیب سے ایفائے عہد بلکہ وعدے سے زیادہ مدت تک ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ ادھر جب بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو فرعون نے پیچھا کیا لیکن انہوں نے اپنے خدا اور دعوت حق پر بھروسہ کیا اور فرعون غرق ہوا۔ پھر اسی بنی اسرائیل نے اپنی کٹ حجتیوں سے انہیں قدم قدم پر تنگ کیا لیکن اس داعیٔ حق نے اپنی سوچی سمجھی متعین راہ سے انحراف نہ کیا۔

اس طرح کا ایک مثبت کردار حضرت ہارون علیہ السلام کا ہے۔ انہوں نے دعوت حق کے مراحل میں اپنے بھائی کا ساتھ دیا۔ جب حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل سامری کے جال میں پھنس کر شرک میں مبتلاء ہوئے تب بھی انہوں نے مداہنت کا اظہار نہ کیا بلکہ تمام دھمکیوں کے باوجود دین حق پر قائم رہے اور شرک سے برات کا اعلان

کیا۔

پھر ایک اور اہم مثبت اخلاقی کردار فرعون کے درباریوں میں سے ایک درباری کا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھرے دربار میں بے خوف اٹھ کھڑا ہوا اور کہا "تم لوگ ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے" اس کے بعد اس مرد مومن نے ایک طویل وعظ میں فرعون اور اس کی سلطنت کے اعیان وارکان اور فرعون کی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس حق گوئی کی پاداش میں کسی خوف و خطر کی پرواہ نہ کی۔ (۴۰:۲۸ تا ۴۴)

اور پھر ایک اہم، عبرت انگیز اور سبق آموز کردار ساحرانِ مصر کا ہے۔ جنہیں دین فرعون کی حمایت میں حضرت موسیٰؑ کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام مصر سے جمع کیا گیا تھا. لیکن جب جادوگر ہونے کی بنا پر وہ یہ جان گئے کہ موسیٰؑ کے پاس جادو نہیں بلکہ خدائی معجزہ ہے تو بغیر کسی ڈر، خوف اور لالچ کے وہ سجدے میں گر کر دعوت موسیٰؑ کی حقانیت کا اعلان کرنے لگے۔ فرعون نے انہیں ہاتھ پاؤں کٹوانے اور سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی ــــ (الاعراف ۷:۱۱۳ تا ۱۲۶) (طٰہٰ ۲۰:۷۰ تا ۷۳) (الشعراء ۲۶:۴۱ تا ۵۱)

منفی کرداروں میں سب سے بڑا کردار فرعون لعین کا ہے۔ اس نے اللہ کی زمین میں سرکشی کی. اللہ کے بندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا, اور یہی اس کا انداز سیاست تھا۔ ملک کے باشندوں کو دو گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا حد یہ تھی کہ ملک کا قانون بھی یہی تھا۔ ایک گروہ کو حکمران طبقہ قرار دے کر انہیں مراعات اور امتیازات دیئے گئے تھے اور دوسرے طبقے کو محکوم بنا کر دبایا اور پیس کر رکھ دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل کے اس محکوم گروہ پر انہوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ ان کے لڑکوں کو قتل کروا دیا جاتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا تاکہ رفتہ رفتہ ان کی نسل ختم ہو جائے اور ان کی عورتیں مصریوں کے تصرف میں آکر مصری نسل پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔

فرعون کا خود اپنی مصری قوم کے ساتھ جو معاملہ تھا اس کی تصویر سورۂ زخرف

(۴۳) میں حق تعالیٰ نے یوں کھینچی ہے:-

"اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، در حقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ" (۴۳:۵۴)

اس ایک فقرے میں فرعون کی سیاست اور اس کی مصری قوم کی گری ہوئی اخلاقی حالت کا مکمل نقشہ دکھا دیا گیا ہے۔ یعنی ایک طرف فرعون کی سیاست اور طرز حکمرانی فریب، مکر و دغا اور ضمیر کی خرید و فروخت پر مبنی تھی تو دوسری طرف مصری قوم بھی بزدل، بےوقوف اور بے ضمیر تھی۔ چنانچہ قرآن انہیں "فاسق" قرار دیتا ہے، جنہیں اس بات سے بحث نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، انصاف کیا ہے اور ظلم کیا ہے۔ سچائی، دیانت اور شرافت قدر کے لائق ہیں یا جھوٹ، بےایمانی اور رذالت۔ وہ صرف اپنے ذاتی مفادات کے لئے ہر جبار کے آگے دبنے، ہر باطل کو قبول کرنے اور ہر صدائے حق کو دبانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے صریح معجزے کے ذریعے فرعون کے دربار میں اپنی ماموریت الی اللہ ثابت کر دی لیکن وہ انہیں جادو ہی قرار دیتا رہا، اس کے بے ضمیر درباری اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ پے در پے معجزات اور تنبیہی عذاب آتے رہے۔ جب عذاب آتا تو کہتے عذاب ہٹوا دو، ہم ایمان لے آئیں گے لیکن پھر مکر جاتے۔ یہاں تک کہ فرعون لعین غرق ہوتے ہوئے ایمان کا اعلان کرنے لگا مگر اس وقت خدا حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دکھانے کا حکم دے چکا تھا۔

غرض حضرت موسیٰؑ اور فرعون لعین کے واقعات میں اخلاق آموز نصائح کی بھرمار ہے۔ قرآن میں یہ واقعات مندرجہ ذیل مقامات پر بیان کیے گئے ہیں:-

(۲:۴۹ - ۵۰) (۳:۱۰ - ۱۱) (۲۸:۴ تا ۴۲) (۴۳:۴۶ تا ۵۶) (۷:۱۰۳ تا ۱۳۷) (۲۷:۷ تا ۱۴) (۱۰:۷۵ تا ۹۲) (۴۰:۲۳ تا ۵۰) (۲۶:۱۰ تا ۶۸) (۷۹:۱۵ تا ۲۶) (۱۷:۱۰۱ تا ۱۰۴) (۵۱:۳۸ تا ۴۰) (۸:۵۲ تا ۵۴) (۱۱:۹۶ تا ۹۹) (۵۰:۱۳) (۵۴:۴۱ - ۴۲) (۶۹:۹ - ۱۰) (۸۵:۱۸ تا ۲۰) (۸۹:۱۰ تا ۱۴)

(۳۹:۲۹ - ۴۰) (۱۱:۳۸ تا ۱۴) (۱۶:۷۳) (۱۱:۶۶) (۶:۱۴)

(x) بنی اسرائیل

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل (یہودی اور عیسائی) اقوام کا ذکر بھی بہت تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہی اہل کتاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ان کے صالح عنصر کی مداح فرمائی ہے تو دوسری طرف انہیں اپنے ان گنت احسانات کے باوجود قدم قدم پر ان کی نمک حرامیاں اور کتمان حق سرگرمیاں بھی یاد کروائیں۔ انہیں بتایا گیا کہ کس طرح ہر مرتبہ حق تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا۔ ایک دفعہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے بابل و آشور کے حکمرانوں کے ہاتھوں برباد ہوئے تو دوسری مرتبہ رومیوں نے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ قرآن حکیم نے ان کے ہر اخلاقی عیب کو آشکار کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم جانتے تھے۔ دوسری قوموں کا مال کھانے اور ان کے ساتھ بدمعاملگی کرنے کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کے علماء اور درویش تک غلط طریقوں سے مال کھاتے تھے. اللہ کے احکام میں ردو بدل کرتے تھے. سود خواری ان میں عام تھی۔ اس کے علاوہ بھی ذرائع آمدنی میں کسی حلال و حرام کی تمیز کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے جادو ٹونے اور عملیات کا جھوٹا کاروبار چلا رکھا تھا اور اسے حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اپنی ہر بدعملی اور اخلاقی برائی کے لئے وہ انبیاء کرام کے طرز عمل کے بارے میں جھوٹی کہاوتیں گھڑتے تھے۔ ایک دوسرے کو غلط کام پر روکتے ٹوکتے نہ تھے۔ غرض بداخلاقی کی ہر قسم اس قوم میں موجود تھی. جس کی وجہ سے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی نوع انسان کی قیادت و سیادت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔

بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلیل القدر پوتے حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے جن کا لقب "اسرائیل" تھا یعنی مرد خدا (۵۸:۱۹) یہ بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں یہودہ اور بن یامین کی اولاد ہیں۔ پہلے یہود اور بنی اسرائیل الگ الگ کہلاتے تھے لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ بنی اسرائیل اور یہودی ہم معنی اور مترادف المعنی

الفاظ ہو گئے۔ قرآن نے الگ الگ فرعون کے ہاتھوں عذاب، فرعون سے نجات اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کی باطل سرگرمیاں۔ ان پر نعمت ہائے خداوندی، ان کا عروج و زوال نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ غیروں کی محکومی میں قومیں کس طرح تباہ ہوتی ہیں اور اس محکومی کی کیا وجوہات ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ اختیار کر کے قوموں کو کس طرح عروج حاصل ہوتا ہے اور کس طرح وحی الٰہی کی پیروی چھوڑ کر ذلت و رسوائی قوموں کا مقدر بن جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کا قصہ قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل مقامات پر بیان ہوا ہے۔

(۲:۴۹تا۱۴۲) (۷:۱۳۸تا۱۵۶) (۲۸:۴۳تا۵۱) (۷:۱۵۹تا۱۷۱) (۴۴:۳۰تا ۳۳) (۲۰:۸۰ تا ۹۸) (۲۰:۴۷) (۲۶:۲۲) (۴:۱۵۳ تا ۱۶۲) (۶۱:۵ تا ۹) (۳۳:۶۹تا۷۱) (۵:۲۰ تا ۲۶) (۱۶:۱۱۸تا۱۲۴) (۵:۵۷تا۸۶) (۲:۲۱۱ - ۲۴۶ تا ۲۵۳) (۶۲:۵ تا ۸) (۴۵:۱۶تا ۱۷) (۳:۱۹) (۳۲:۲۳ تا ۲۵)

بحیثیت قوم بنی اسرائیل کے جرائم کی قرآن حکیم میں مکمل فہرست دی گئی ہے یعنی انہیں قیادت و سیادتِ اقوام سے معزول کرتے ہوئے انہیں ان کی چارج شیٹ بھی دی گئی۔ یہ چارج شیٹ ان جرائم پر مشتمل ہے جن کو قرآن حکیم نے فضائل اخلاق کی ضد اور رذائل اخلاق قرار دیا ہے۔ نہایت مناسب ہے کہ ہم اس مرحلے پر قرآن حکیم کے حوالوں کے ساتھ اپنی بساط کے مطابق یہ لسٹ بھی درج کر دیں:۔

بنی اسرائیل کی رذائل اخلاق صفات

(۱) انہوں نے حق کو جانتے بوجھتے مشکوک بنایا اور علم آجانے کے بعد اس میں جھگڑے اور اختلافات پیدا کیے۔ (۳:۱۹) (۴۵:۱۶ - ۱۷) (۴۳:۶۵)

(۲) ان کے مذہبی پیشوا جانتے بوجھتے دنیاوی مفادات کی خاطر حق کو بیچ ڈالتے تھے یعنی نذر نیاز دے کر ان سے احکام خداوندی کی جو چاہے تعبیر کروالو۔ (۲:۴۱ - ۴۲ - ۷۹ - ۸۶ - ۱۰۲) (۳:۱۸۷) (۵:۴۴) (۷:۱۶۹)

(۵:۶۳)

(۳) جانتے بوجھتے کہ حق کیا ہے محض اپنے نفس کی تسلی کے لئے حق آنے پر اس کا انکار کرتے تھے (یعنی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے)۔ (۲:۸۹ - ۹۰)

(۴) اللہ کی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں یعنی احکام الٰہی کو یا تو چھپا دیتے ہیں یا بدل دیتے ہیں:۔ (۲:۷۵ - ۷۹) (۴:۴۶) (۵:۱۳ - ۴۱)

(۵) حق و باطل کو مخلوط کرتے اور جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں اور باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔ (۲:۴۲) (۳:۷۱ - ۱۸۷ - ۱۸۸)

(۶) خود تو بے راہ ہیں ہی ساتھ میں چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کو بھی راہ راست سے ہٹا دیں۔ (۳:۶۹ - ۷۰) (۱۰:۱۵) (۶۸:۸ تا ۱۱) (۲:۱۲۰)

(۷) اللہ کی نعمتوں کا جواب شقاوت و کفر سے دیتے ہیں۔ (۲:۲۱)

(۸) ان میں سے اکثر فاسق ہیں اگرچہ ان میں بہت کم اچھا عنصر بھی ہے۔ (۳:۱۱۰)

(۹) خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ (۱۹:۵۹)

(۱۰) دین کے اہم ستون (صلوۃ و نماز) کو ضائع کرتے ہیں۔ (۱۹:۵۹)

(۱۱) دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف کرتے ہیں۔ (۲:۴۴)

(۱۲) قانون مکافاتِ عمل کو بھول کر شفاعت اور کفارہ کے باطل عقائد میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ (۲:۴۸ - ۸۰ - ۹۴ تا ۹۶) (۲:۱۲۳)

(۱۳) ان کی جھوٹی تمنا کہ ان کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ (۲:۱۱۱) (۲:۹۴ تا ۹۶) (۵:۱۸) (۶۲:۶ - ۷)

(۱۴) ان کا یہ زعم کہ وہ اللہ کی چہیتی اور لاڈلی قوم ہیں۔ (۵:۱۸) (۶۲:۶) (۲:۹۴ تا ۹۶)

(۱۵) بنی اسرائیل کا ناحق قتل انبیاء۔ (۲:۶۱ - ۸۷ - ۹۱) (۳:۱۱۲) (۴:۱۵۵ تا ۱۵۷) (۵:۷۰)

(۱۶) ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کہ حق کی کوئی بات ان پر بالکل اثر نہیں کرتی ہے۔ (۲:۷۴)

(۱۷) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں ان پر کسی غیر اسرائیلی کی بات کا اثر نہیں ہو سکتا۔ (۲:۸۸) (۴:۱۵۵)

(۱۸) بنی اسرائیل ہی کے دو گروہ یہود و نصاریٰ. کتاب اللہ کی پیروی کے دعوے دار ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو باطل قرار دیتے تھے۔ (۲:۱۱۳)

(۱۹) انہوں نے باہم گروہ بندی اور فرقہ بندی کر رکھی ہے۔ (۳:۱۰۵) (۳۰:۳۱ - ۳۲) (۶:۱۵۹)

(۲۰) حضرت عیسیٰؑ کے خلاف ان کی خفیہ تدبیریں اور سازشیں (۳:۵۲ تا ۵۵)

(۲۱) ان کا یہ بےبنیاد دعویٰ کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل (صلیب) کیا ہے۔ (۴:۱۵۷) (۵:۱۱۰)

(۲۲) انہوں نے حضرت مریمؑ پر بہتان لگایا۔ (۴:۱۵۶)

(۲۳) ان کے جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حلال چیزیں حرام کر دیں۔ (۴:۱۶۰) (۶:۱۴۶) اور کچھ پابندیاں ان کے فقیہوں نے قانونی موشگافیاں کر کے خود اپنے پر لاگو کر لی تھیں۔ (۷:۱۵۷)

(۲۴) بنی اسرائیل کے صالح عنصر کی توصیف۔ (۴:۱۶۲) (۵:۶۶) (۵۷:۲۷) (۵:۸۲) (۷:۱۵۹)

(۲۵) بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا گیا تھا کہ خون نہ بہانا اور کسی کو بے گھر نہ کرنا لیکن انہوں نے عہد توڑا. بھائی بندوں کو قتل کیا. برادری کے لوگوں کو بے خانماں کیا. ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندی کی اور جب وہ لڑائی میں ان کے

پاس قید ہو کر آتے تو فدیہ کا کاروبار کرتے تھے۔ (۲:۸۴ - ۸۵)

(۲۶) بنی اسرائیل کا زعم کہ دوزخ کی آگ ان پر حرام ہے۔ (۲:۸۰ - ۸۱)

(۲۷) سحر، کہانت، توہم پرستیوں میں ملوث تھے۔ (۲:۱۰۲)

(۲۸) لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے تھے لیکن بداخلاقی اور بری باتوں سے نہ روکتے۔ (۴:۱۶۰) (۵:۶۳ - ۷۹)

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان کا وطیرہ یہی تھا کہ جھوٹ کے لئے کان لگاتے تھے، جاسوسی کرتے تھے، کتاب اللہ کے الفاظ کو واضح ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے تھے۔ حق سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور حرام کھاتے تھے۔ (۵:۴۱ - ۴۲) (۴:۴۶) ۔ اسی لئے ان پر ذلت و خواری کا عذاب ہمیشہ کے لئے مسلط کر دیا گیا تھا۔ (۴:۴۷) (۷:۱۶۶) (۱۶:۱۲۴) (۲:۶۵) (۴:۱۵۴)

(۳۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۵:۵۷)

(۳۱) بنی اسرائیل کا انجام بد فاسقین سے بھی بدتر ہو گا۔ ان پر خدا نے لعنت کی ہے اور وہ خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے کیونکہ انہوں نے طاغوت کی بندگی کی۔ وہ بندر اور سور بنا ڈالے گئے بلکہ ان کا درجہ اور بھی زیادہ برا ہوا۔ (۵:۵۹ - ۶۰) (۲:۶۱ - ۶۵) (۱۶:۱۲۴) (۵:۸۰)

(۳۲) اہل ایمان کو طعن کرتے تھے کہ کیا تمہارا خدا محتاج ہو گیا ہے کہ قرضے مانگتا ہے۔ (۵:۶۴)

(۳۳) بنی اسرائیل میں سے اکثر سخت بے عمل ہیں۔ (۵:۶۶)

(۳۴) اہل ایمان کے مقابلے میں مشرکین کو دوست رکھتے تھے۔ (۵:۸۰ - ۸۱)

(۳۵) ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں کی اطاعت کریں گے لیکن انہوں نے اس پختہ عہد کی تکذیب کی کسی رسول کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔ (۵:۷۰ -

۷۱)

(۳۶) بنی اسرائیل کے لوگوں نے علم آنے کے باوجود باہم اختلاف کیا۔ (۱۰: ۹۳)
کیونکہ وہ ایک دوسرے پر ناحق زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ (۴۵: ۱۶ - ۱۷)
(۴۲: ۱۳ - ۱۴) (۲: ۲۱۳) (۲: ۲۵۳) (۹۸: ۴ - ۵) (۳: ۱۹)
(۵: ۴۴ تا ۵۰)

(۳۷) بنی اسرائیل حاملین تورات کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ (۶۲: ۵)

(۳۸) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں۔ (۹: ۳۲) (۶۱: ۸)

(۳۹) اپنے علماء و درویشوں (احبار و رہبان) کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا ہے اور یہ علماء ان کی کمائی ناحق کھاتے ہیں۔ (۹: ۳۱ - ۳۴) (۴۲: ۲۱) (۱۰: ۵۹)

(۴۰) ان سب کرتوتوں کے باوجود چاہتے ہیں کہ ان کے تقویٰ، دینداری، پارسائی اور خدمت کا زمانہ معترف ہو جائے۔ (۳: ۱۸۸)

(۴۱) بنی اسرائیل کی عہد شکنیاں اور احسان فراموشیاں (۲: ۴۰ تا ۱۴۱) (۷: ۱۳۸ تا ۱۶۷) (۱۰: ۹۳) (۱۱: ۱۱۰)

(۴۲) ان کے عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفارہ کی تردید جو ان کی تمام گمراہیوں کی جڑ تھی۔ (۴: ۱۷۱) (۵: ۱۱۶) (۴۳: ۵۹)

(۴۳) فاسق ہیں اور رہبانیت کا طریقہ انہوں نے خود اختراع کر لیا ہے۔ (۵۷: ۲۶ - ۲۷)

(۴۴) ان کا نسلی تعصب۔ (۲: ۸۹ تا ۹۱) (۳: ۷۵ - ۷۶)

(۴۵) دعوت جہاد پر ان کی بزدلی۔ (۵: ۲۱ تا ۲۵)

(۴۶) اہل ایمان کی مخالفت میں سب سے متشدد یہودی ہیں اور دوستی میں قریب تر نصاریٰ ہیں۔ (۵: ۸۲ - ۸۳)

(۴۷) بنی اسرائیل کا حضرت ہارونؑ پر الزام کہ وہ بھی گوسالہ پرستی میں ملوث ہوئے

تھے۔ قرآن اس الزام کی تردید کرتا ہے۔ (۲۰: ۹۰ - ۹۱)

(۴۸) حضرت سلیمانؑ کے بارے میں غلط اور گھناؤنی اسرائیلی روایات کی بھی قرآن مجید نے تردید کرتے ہوئے صحیح صورت حال بیان کی ہے۔ (۲۷: ۲۷ تا ۴۴)

(۴۹) حضرت داؤدؑ پر زنا کی تہمت اور قرآن حکیم کی صفائی۔ (۳۸: ۲۶)

(۵۰) حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی جن کے ذریعے اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون اور مصریوں سے نجات دی، کو بھی انہوں نے طرح طرح سے اذیتیں دیں۔
(۵: ۶۱) (۲: ۵۱ - ۵۵ - ۶۰ - ۶۷ تا ۷۱) (۴: ۱۵۳) (۵: ۲۰ تا ۲۶)
(۷: ۱۳۸ تا ۱۴۱) (۷: ۱۴۸ تا ۱۵۱) (۲۰: ۸۶ تا ۹۸)

(۵۱) فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ٹیڑھ ڈال دی ہے۔ (۶۱: ۵)

(۵۲) مدینہ کے یہودیوں کی اخلاقی حالت۔ (۶۲: ۲ تا ۸) (۲: ۸۵ تا ۹۲)

(۵۳) معاملات کے بہت کھوٹے ہیں۔ (۳: ۷۵ تا ۷۷)

(۵۴) مدینہ کے اہل ایمان سے ان کے منافقانہ تعلقات۔ (۳: ۱۱۸ تا ۱۲۰)

(۵۵) مدینہ کے یہودیوں کی معاندانہ روش اور معاہدے سے بدعہدی۔ (۲: ۵۹ تا ۵)

(۵۶) اہل ایمان کو ان سے نہایت تکلیف دہ باتیں سننی پڑتیں تھیں۔ (۳: ۱۸۶)

(۵۷) اہل ایمان کے مقابلے میں جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں۔ (۴: ۵۱)

(۵۸) کسی کو ایک پھوٹی کوڑی دینے کے روادار نہیں تھے۔ (۴: ۵۳)

(۵۹) اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۵: ۵۸)

(۶۰) وہ خود اپنی دینی کتابوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ (۴۲: ۱۴)

قرآن حکیم نے اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں کی اخلاقی پستی کا حال تفصیلاً بیان کیا ہے۔ قرآن جب بنی اسرائیل کے احوال بیان کرتا ہے تو اس سے مراد بھی اہل کتاب ہی ہوتے ہیں کیونکہ بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مشرکین مکہ کے علاوہ یہ دوسرا گروہ تھا جو اپنی مذہبی اجارا داری کو قائم کیے ہوئے تھا۔ ان

کے اخلاقی رذائل کو لوگ مذہب کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ ہمارے لئے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جن اخلاقی برائیوں کو قرآن ان کی طرف منسوب کر رہا ہے کیا وہ ہمارے مسلمانوں کے اندر بھی تو پیدا نہیں ہو گئیں. اگر ہو گئیں ہیں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ اگر ہم میں وہی اخلاقی برائیاں عود کر آئیں ہیں تو ہم بھی اس ذلت و رسوائی سے کیونکر بچ سکتے ہیں جو ان اخلاقی رذائل کی وجہ سے اہل کتاب یہودیوں اور عیسائیوں یا دوسرے الفاظ میں بنی اسرائیل کا مقدر بن گئیں تھیں۔ جب کوئی بھی قوم اللہ کی لاڈلی نہیں ہے تو ہم ایسے رشتے کا دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں۔

دوسری تاریخی مثالیں

اب تک ہم نے قرآن حکیم میں بیان کردہ مختلف گروہوں اور افراد میں سے نو (۹) مثالیں پیش کی ہیں ان میں وہ مثبت اخلاقی کردار بھی ہیں جن کی قرآن نے بھرپور توصیف کی ہے اور منفی اخلاقی کردار بھی جن کی قرآن نے مذمت کی ہے۔ اس طرح ہمیں وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح کے اخلاق کو قرآن حکیم نے پسند کیا ہے اور کسے ناپسند کیا ہے؟ اب ہم قرآن کے تاریخِ انسانی کے استدلال میں سے ان کرداروں کو لیتے ہیں جن کا بیان اگرچہ مختصر ہے لیکن قرآنی اعجاز کے مطابق دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

(ا) مثبت اخلاقی کرداروں میں مندرجہ ذیل کردار قابل تقلید ہیں۔

(i) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے روشن کردار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان اقتدار سے نوازا لیکن وہ خدا ترسی اور آئینِ بندگی سے ذرا نہیں ہٹے، غرور و تکبر کے بجائے شکر و اطاعت کا رویہ اپنایا اور جہاں بھی انہیں محسوس ہوا کہ انہیں اللہ کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا ہے فوراً عاجزی و انکساری سے اپنا سر جھکا دیا۔ یہودیوں نے نہایت اخلاق سوز افسانے حضرت سلیمانؑ کی ذات کے متعلق تراشے لیکن قرآن حکیم نے اس عظیم پیغمبر کی زندگی کو

نہایت منزّہ شکل میں پیش کیا ہے اور احسان فراموش بنی اسرائیلیوں کے الزامات سے برأت کی سند عطاء فرمائی ہے۔

یہی حال حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی تھا، انبیائے بنی اسرائیل میں آپؑ کے دور حکومت میں بھی اس قوم کو نہایت شوکت و عظمت حاصل ہوئی۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عطا فرمائی اور اپنے خاص فضل سے کئی معاملات میں (مثلاً زرہ بنانا) مہارت عطا فرمائی، انہیں دانش و بینش اور معاملات میں صحیح صحیح فیصلہ کرنے کی بڑی وافر استعداد بھی عطا ہوئی تھی۔ تاکہ لوگوں میں حق کے مطابق فیصلہ کریں اور کسی کے جذبات کی پرواہ نہ کریں۔ آپؑ نہایت "اواب" یعنی اللہ کے احکام کے پابند اور اللہ کے احکام کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ان اخلاقی خوبیوں کے مالک حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ہمیں مندرجہ ذیل مقامات پر ملتا ہے۔ (۲:۱۰۲ - ۲۵۱) (۴:۱۶۳) (۶:۸۴) (۲۷:۱۵ تا ۴۴) (۱۷:۵۵) (۳۴:۱۰ تا ۱۴) (۲۱:۷۸ تا ۸۲) (۳۸:۱۷ تا ۴۰)

(ii) ملکہ سباء کا کردار ہے جو ایک مشرک قوم کی فرمانروا ہونے کے باوجود جب حق سے آگاہ ہو جاتی ہے تو بلاتأمل اسے قبول کر لیتی ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتی کہ اس کی مشرک قوم اس کا ساتھ دیتی ہے یا نہیں۔ (۲۷:۲۲ تا ۴۴)

(iii) سورۂ یٰسٓ میں ایک مرد حق پرست کا کردار ہے جس کی قوم تین تین پیغمبروں کی سخت مخالفت کرتی ہے اور انہیں سنگسار کرنے پر تیار ہو جاتی ہے. لیکن وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے ایمان کا اعلان کرتا ہے، قوم کی گمراہیوں پر تنقید کرتا ہے اور اس پاداش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی قوم کے لئے بددعا نہیں کرتا بلکہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی قوم بھی جان لے کہ اسے اپنے رب کے حضور کیا عزت اور مغفرت حاصل ہوئی ہے۔ (۳۶:۱۳ تا

۱۷)

(iv) اسی طرح اصحاب کہف ہیں جو ایک مشرک قوم کے ظلم سے اپنا ایمان بچانے کی خاطر محض اللہ کے بھروسے پر ایک غار میں جا چھپتے ہیں۔ اس بات کی بالکل فکر نہیں کرتے کہ اس پناہ گاہ میں وہ کب تک بے سہارا رہ سکیں گے۔ انہیں فکر ہوتی ہے تو صرف یہ کہ وہ ایمان کی راہ سے ہٹنے نہ پائیں۔ (الکھف ۱۸: ۱۳ تا ۲۰)

(v) حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کردار ہے جنہیں قرآن میں "صادق الوعد" کہا گیا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھے۔ (۱۹: ۵۵)۔ ایک اور جگہ انہیں حلیم و بردباد کہا گیا ہے۔ (۳۷: ۱۰۱)۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب بشارت دی گئی تو حضرت اسماعیلؑ بخوشی اپنی قربانی کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ انہوں نے اس کو محض حضرت ابراہیمؑ کا خواب ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھا تھا، اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا۔

"ابا جان جو کچھ حکم آپ کو دیا جارہا ہے اس کو کر ڈالئے، آپؑ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ (۳۷: ۱۰۲) (۲۱: ۸۵)

(vi) حضرت ایوب علیہ السلام ہی کو لیجئے کہ صبر کا دوسرا نام ایوب کر دکھایا۔ جسمانی تکلیف کو نہایت تحمل اور استقامت سے برداشت کیا۔ اہل و عیال کی جدائی بھی برداشت کی اور آخر کار انہیں صبر ایوب کا پھل ملا اور رفقاء و دولت سب مل گئے۔ آپؑ نہایت اطاعت گزار بندے تھے۔ قرآن حکیم نے آپؑ کا قصہ مندرجہ ذیل مقامات پر بیان کیا ہے۔ (۴: ۱۶۳) (۶: ۸۴) (۲۱: ۸۳-۸۴) اور (۳۸: ۴۱ تا ۴۴) قرآن حکیم نے انہیں صابر، بہترین بندہ اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے نیک بندے جب مصائب و شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو

اپنے رب سے شکوہ سنج نہیں کرتے بلکہ صبر واستقامت سے آزمائش خداوندی کو برداشت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اللہ کی مدد اگر فوری نہ ملے تو ہرگز دوسرے آستانوں پر ٹکریں نہیں مارنے لگ جاتے۔ بلکہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بھی ملنا ہے اللہ ہی کے در سے ملنا ہے اس لئے مصیبتوں کا سلسلہ کتنا ہی دراز ہو جائے وہ ہر حال میں اللہ ہی کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ چنانچہ آخر کار اللہ کی الطاف و عنایات سے اسی طرح سرفراز ہوتے ہیں جس کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے ملتی ہے۔ یہ سب کچھ اس ہوش مندی، علم و حکمت اور عبادت گزاری کا صلہ تھا جس کے پیکر حضرت ایوب علیہ السلام تھے۔

(vii) حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار (حواری۔ نصاریٰ) کے کردار کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان میں عبادت گزار عالم، تارک الدّنیا فقیر بھی ہیں اور ان میں غرور نفس بالکل نہیں ہے" (۸۲:۵)۔ حضرت عیسیٰؑ سے براہ راست تعلیم پانے والے یہ حواری حضرات اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے اور اپنے آپ کو مسلم قرار دیتے تھے، حالانکہ بنی اسرائیل میں سے بڑے گروہوں کی سخت مخالفت کا انہیں سامنا تھا، لیکن انہوں نے اقامتِ حق کے لئے یہ قربانی دی۔ ان حواریوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ترس اور رحم ڈال دیا تھا۔ (۲۷:۵۷)۔ انہوں نے اقامت دین میں حضرت عیسیٰؑ اور اللہ کے مددگار ہونے کا اعلان کیا۔ (۱۴:۶۱) (۵۱:۳)

(viii) حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے۔ حضرت خضرؑ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت اور خاص علم و دانش سے نوازا تھا۔ (۶۵:۱۸)۔ وہ صبر (تحمل) پر خاص زور دیا کرتے تھے اور یہ ہی قرآن میں ان کے قصے کے بیان کی بڑی وجہ ہے۔ (۶۷:۱۸ - ۶۸ - ۷۲ - ۷۵ - ۷۸) اور یہ کہ انسان کا ذہن نارسا معاملاتِ کائنات کی حقیقت میں مصلحت رب تعالیٰ کو نہیں پا سکتا

(۱۸:۷۸ تا ۸۲)

(ix) ذوالقرنین کا ذکر ہے جو نہایت عادل اور خدا پرست حکمران تھا اور قرآن حکیم میں اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ :۸۳ تا ۹۸)

(x) حضرت ذوالکفل ؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے صالحین اور صابرین میں شامل کیا ہے۔ (۲۱:۸۶)۔ پھر انہیں اخیار (نیک لوگوں) میں شمار کیا گیا ہے۔ (۳۸:۴۸)

(xi) پھر ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ ہے کہ جب حکمتِ تبلیغ میں ان سے نادانستہ ایک غلطی سرزد ہو گئی تو انہوں نے فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا اور اس کی مغفرت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں برگزیدہ فرمایا اور صالحین میں شامل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس وقت حضرت یونس ؑ کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ اس قدر پسند آئے کہ غفور الرحیم نے رہتی دنیا تک طلبِ مغفرت کے لئے ایک بہترین قرآنی دعا کے طور پر اہل ایمان کو سکھلا دیا۔ حضرت یونس ؑ کے واقعہ کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل قرآنی مقامات سے رجوع کریں۔ (۱۰:۹۸) (۳۷:۱۳۹تا۱۴۸) (۲۱:۸۷ - ۸۸) (۳۷:۱۳۹تا۱۴۸) (۶۸:۴۸ تا ۵۰) (۴:۱۶۳) (۶:۸۶)

(xii) حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ اولاد کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کے حضور دعا کی کہ انہیں نیک اولاد عطا ہو اور وہ صالحین میں سے تھے۔ وہ نیکی کے کام میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور رغبت اور خوف سے اللہ کے حضور جھکے رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (۳:۳۷ تا ۴۱) (۶:۸۵) (۱۹:۲ تا ۱۱) (۲۱:۸۹ - ۹۰)

(xiii) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کی طرف آنے والے آخری نبی تھے وہ دنیا اور آخرت میں معزز کیے گئے اور اللہ کے مقرب بندوں میں شمار ہوئے۔ وہ ایک مرد صالح تھے انہیں بابرکت

بنایا گیا، نماز و زکوٰۃ کے پابند تھے، انہیں اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا گیا اور جبار اور شقی نہیں بنایا گیا، انہیں دنیا بھر کے لئے نشانی بنایا گیا۔ وہ ایک نہایت سچے انسان تھے۔ اللہ نے ان کی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ قرآن حکیم میں اس جلیل القدر نبی کا ذکر اور ان کی تعلیمات کا بیان مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے:۔

(۳:۴۴ تا ۶۰) (۴:۱۵۶ - ۱۵۷ - ۱۶۳) (۵:۱۱۰ تا ۱۱۹) (۱۹:۲۷ تا ۳۵) (۲۱:۱۹) (۴۳:۵۷ تا ۶۵) (۲:۸۷ - ۲۵۳) (۹:۳۰ - ۳۱) (۶:۸۵) (۴۲:۱۳) (۵۷:۲۷) (۳۳:۷) (۶۱:۱۴) اور (۵:۷۸)

(xiv) حضرت مریم علیہ السلام جیسی نیک اور پاک سیرت خاتون کو اللہ تعالیٰ نے جس آزمائش میں ڈالا اور جس طرح وہ سرخرو ہوئیں وہ بھی اسلامی اخلاقیات کا ایک بہت اہم باب ہے، حضرت مریمؑ کو حفاظتِ عصمت کا نشان (Symbol) بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ انہیں مقام الوہیت حاصل نہیں تھا جیسا کہ عیسائی دعویٰ کرتے ہیں۔ قرآن انہیں "صدیقہ" کہہ کر (۵:۷۵) حفاظتِ عصمت کو ان کی خصوصیت کبریٰ کے طور پر بیان کرتا ہے۔ (۲۱:۹۱) اور (۶۶:۱۲) اس کے علاوہ قرآن حکیم میں ان کے سبق آموز واقعہ کے حوالہ جات کے لئے پیرا (xiii) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حوالے ہی ملاحظہ فرمالیں تاکہ بے جا طوالت سے بچا جا سکے۔

(xv) حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا کہ وہ اللہ کے فرمان کی تصدیق فرماتے تھے، ان میں سرداری اور بزرگی کی شان تھی، کمال درجے کا ضابطہ و اصول پسندی تھی اور وہ صالحین میں سے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ انہیں پسندیدہ انسان بنایا گیا تھا۔ انہیں بچپن ہی میں "حکم" (قوت فیصلہ، قوت اجتہاد اور تفقہ فی الدین) سے نوازا گیا اور انہیں اللہ

تعالیٰ نے خاص نرم دلی، پاکیزگی اور والدین کی حق شناسی عطا فرمائی۔ وہ نہ جبار تھے اور نا ہی نافرمان۔ وہ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے اور حق تعالیٰ کے حضور رغبت اور خوف سے جھکتے تھے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۳۹:۳ تا ۴۱) (۸۵:۶) (۸۹:۲۱ - ۹۰) (۵:۱۹ تا ۱۴)

(xvi) حضرت الیسع علیہ السلام بھی نیک (اخیار) لوگوں میں سے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی فرمائی اور انہیں تمام عالم کے انسانوں پر فضیلت دے کر دین حق کی خدمت کے لئے چن لیا۔ (۸۷:۶) (۴۸:۳۸)

(xvii) اس کے علاوہ قابلِ تقلید افراد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جگہ جگہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اور اخلاقی خوبیاں بیان کی ہیں جن پر ہم اسی کتاب کے باب نمبر ۴ (iv) میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بمع حوالہ جات اپنی گزارشات رقم کر چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ فرمایئے۔

(ب) منفی اخلاقی کرداروں میں حضرت آدمؑ کے بیٹوں کا قصہ، قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود، فرعون، قوم لوطؑ، اہل مدین اور اصحاب الایکہ اور بنی اسرائیل کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن میں ایسے منفی کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے جو گو مختصر ہے لیکن اپنے اندر ایک اخلاقی سبق رکھتا ہے۔

(i) قابل مذمت کرداروں میں قارون کا کردار ہے جو اگرچہ حضرت موسیٰؑ کی مظلوم قوم کا فرد تھا لیکن دنیا پرستی کی خاطر فرعون کے مقرّب درباریوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے حرام کی دولت کے انبار لگا رکھے تھے اور ان پر خوب اتراتا تھا۔ صالح لوگوں نے اسے بھلائی کی تلقین کی تو کہنے لگا کہ یہ سب دولت میری قابلیت کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف دنیا پر فریفتہ لوگ اس کی شان و شوکت دیکھ کر اسے بڑا نصیب والا جانتے اور تمنا کرتے کہ ہمیں بھی یہ شان و شوکت مل جائے، آخر کار اللہ نے اس کے محل کو اس کی دولت سمیت زمین میں دھنسا کر

اسے ایک نشان عبرت بناڈالا۔ برائے تفصیل ملاحظہ کریں (۲۸:۷۶ تا ۸۲)
(۳۹:۲۹) (۴۰:۲۴)

(ii) قوم سباء کی مثال ہے کہ ان کے ملک کو حق تعالیٰ نے جنتِ ارضی بنا رکھا تھا، لیکن انہوں نے سرکشی اور اللہ کی ناشکری کا راستہ اختیار کیا تو اللہ نے ایک خوفناک سیلاب کے ذریعے انہیں تباہ کر دیا اور ایسا پراگندہ کیا کہ ان کی پراگندگی عرب کی تاریخ میں ایک ضرب المثل بن گئی۔ (۳۴:۱۵ تا ۱۹)

(iii) قریش مکہ کی اخلاقی حالت پر قرآن کا تبصرہ

قابل مذمت کرداروں میں قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین مخاطب قوم "قریشِ مکہ" کی اخلاقی حالت پر بھی نہایت واضح معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت سے روکتے تھے اور عبادت گاہوں کی ویرانی کے درپے تھے۔ (۲:۱۱۴ - ۲۱۷)

(۲) عبادت گاہوں میں اپنے لئے مخصوص مقام چاہتے تھے اور بے ہنگم شور اور آباؤ اجداد کی تعریفوں کے علاوہ ان کی عبادتیں کچھ بھی تو نہ تھیں۔ (۲:۱۹۹ - ۲۰۰) (۸:۳۵)

(۳) وہ غریب اہل ایمان پر طعن کرتے تھے۔ (۶:۵۳) (۱۱:۲۷)

(۴) قبول حق کے لئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ (۱۳:۲۷)

(۵) دعوت حق کا راستہ روکنے کے لئے اپنے مال و دولت تک خرچ کرتے تھے۔ (۸:۳۶)

(۶) راہ حق پر چلنے والوں کے ساتھ جھگڑا کرتے تھے۔ (۱۶:۴۲)

(۷) اپنے مضبوط جتھہ ہونے پر انہیں بہت ناز تھا اور کہتے تھے کہ ہم عذابِ الٰہی سے اپنا بچاؤ کر لیں گے۔ (۵۴:۴۴ - ۴۵)

(۸) اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے تھے اور انہیں اللہ کے ساتھ

شریک کرتے تھے۔ قرآن نے اس کو جگہ جگہ اہم ترین سبب ضلالت قرار دیا ہے۔ (۱۰۹:۱تا۶) (۴:۱۴۵ - ۱۴۶) (۷:۲۹) (۳۹:۲ - ۳ - ۱۱ - ۱۴ - ۱۵) (۴۰:۱۴ - ۶۴تا۶۶) (۹۸:۵)

(۹) سرکشی اور حق گریزی پر قریش کی مثال۔ (۶۷:۲۱ تا ۲۳) (۷۴:۴۹ تا ۵۱)

(۱۰) رسول اللہؐ اور اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۷۰:۵تا۷) (۷۰:۳۷) (۸۳:۲۹تا۳۲)

(۱۱) ان کا امیر طبقہ دعوتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین مخالف تھا اور انہیں غلط فہمی تھی کہ جو دنیوی نعمتیں انہیں حاصل ہیں وہ اللہ کے ہاں ان کی قبولیت کی دلیل ہیں۔ (۴۳:۲۳) (۶:۱۲۳) (۷:۶۰ - ۶۶ - ۷۵ - ۸۸) (۱۱:۲۷) (۱۷:۱۶ - ۱۷) (۲۳:۳۳) (۳۴:۳۴) (۴۳:۱۱) (۶۸:۳۵تا۴۱) (۷۰:۳۶تا۴۴)

(۱۲) ان کی اخلاقی پستی کا حال یہ تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ (۸۱:۸ - ۹) (۱۶:۵۸ - ۵۹)

(۱۳) قریش کے بعض سرداروں کی اخلاقی حالت پر قرآن کا تبصرہ (۶۸:۱۰ تا ۱۵) (۷۴:۱۱تا۲۵) (۳۵:۸) (۴۳:۵۷ - ۵۸) (۷۵:۳۱تا۳۵)

(۱۴) تقلید آبائی پر ان کا اصرار۔ (۷:۲۸) (۷:۷۰)

(۱۵) وہ اپنے شرک پر عیسائیوں کے شرک سے استدلال کرتے تھے۔ (۴۳:۵۷ - ۵۸)

(۱۶) قرآن کو جادو قرار دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر۔ (۴۳:۳۰) (۳۸:۴) (۲۱:۳) (۳۴:۴۳) (۴۶:۷)

قرآن سن کر آگ بگولہ ہو جاتے تھے۔ (۱۷:۷۳ تا ۷۷) (۶۸:۵۱) (۷۲:۱۹)

(۱۷) قرآن سنتے تھے اور نہ ہی دوسروں کو سننے دیتے تھے۔ (۲۶:۴۱) (۳۶:۷۰ - ۳۷)

(۱۸) ان کا انکار ہٹ دھرمی، شک، ضد اور تکبر کی وجہ سے تھا نہ کہ دلیل کی وجہ سے۔ (۳۸:۱ تا ۳) (۴۴:۴۱) (۵۳:۴۱ - ۵۴)

(۱۹) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اقتدار کی طلب کا الزام لگاتے تھے۔ (۶:۳۸)

(۲۰) وہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (۱۴۹:۳۷ تا ۱۵۷) (۱۱۷:۴) (۵۷:۱۶ - ۵۸) (۴۰:۱۷) (۱۶:۴۳ تا ۱۹) (۲۱:۵۳ تا ۲۷)

(۲۱) خوفِ آخرت کا فقدان ان کی گمراہی کا ایک اہم سبب تھا۔ (۵۳:۷۴) (۲۷:۷۶) (۱:۷۸ تا ۵) (۲۴:۴۵ - ۳۲) (۲۹:۶) (۷۸:۳۶) (۷:۵۱ تا ۱۴)

(۲۲) قیامت کا ذکر آنے پر مذاق اڑاتے تھے۔ (۵:۷۰ تا ۷)

(۲۳) جلدی ملنے والی چیز (دنیا) سے محبت کرتے تھے اور آگے آنے والے بھاری دن (قیامت) کو نظر انداز کیے ہوئے تھے۔ (۲۷:۷۶ - ۲۸)

اس کے ساتھ ان میں سے دو بدباطن کرداروں پر قرآن نے تفصیلاً تنقید کی ہے اور ان کا اخلاقی باولہ پن خوب واضح کیا ہے۔ ان میں سے پہلا ولید بن مغیرہ تھا جس کا ذکر سورہ مدثر (۱۱:۷۴ تا ۲۵) میں کیا گیا ہے اور اس کی بدبختی کو خوب آشکار کیا گیا ہے۔ وہ اپنے دل میں قرآن کی صداقت کا قائل ہو چکا تھا لیکن محض اپنی سرداری برقرار رکھنے کے لئے قرآن حکیم کو جادو اور انسانی کلام قرار دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر دولت، اولاد اور سرداری و ریاست غرض تمام دنیوی احسانات کیے لیکن اس نے نمک حرامی ہی سے جواب دیا۔ وہ مال و اولاد اور وجاہت و ریاست کے بغیر پیدا ہوا۔ اللہ کی تمام نعمتیں اسے حاصل ہوئیں لیکن اس کا حرص و لالچ ختم نہ ہوا۔ اللہ کی آیات سے سخت عناد رکھتا تھا اور قریش کی مجلسوں میں دعوتِ حق کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی کی تجاویز پر عمل کیا جاتا تھا۔ اس نے

دعوتِ حق کے مقابلے میں تکبّر اختیار کیا اور قرآن حکیم کو جادو اور انسانی کلام قرار دیا۔ حق تعالیٰ نے اعلان کیا کہ انتہائی برا انجام اس کا مقدر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد دوسرا کردار ابولہب کا ہے۔ دشمنان اسلام میں وہ واحد بدقسمت ہے جس کا نام لے کر قرآن میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ابو لہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور عرب کے قبائلی معاشرے میں اس کی مخالفت رسول اللہؐ کی دعوت حق کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھی، سطحی نقطہ نظر رکھنے والے سوال کرتے تھے کہ جب چچا ہی مخالفت کرتا ہے تو ضرور معاملہ گڑبڑ ہو گا۔ اسے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ وہ دین کے معاملے میں اپنے لئے خصوصی رعایت کا طالب تھا۔ وہ بدترین ہمسایہ تھا۔ اس کم بخت کے دباؤ کے تحت اس کے دو بیٹوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دی۔ اس شقی القلب شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں (قاسم اور عبداللہ) کی وفات پر باقاعدہ خوشی منائی۔ جب اہل قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی مقاطعہ کیا تو اس نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کے بجائے قریش کا ساتھ دیا۔ ابولہب نہایت دولت مند لیکن سخت بخیل اور زر پرست تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی (ام جمیل ــــ ابوسفیان کی بہن) بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت جانی دشمن تھی۔ اور راتوں کو آپؐ کے دروازے پر خار دار جھاڑیاں ڈلواتی تھی کہ صبح کو آپؐ یا آپؐ کے بچے باہر نکلیں تو کانٹے چبھیں۔ ابولہب حج کے دنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہتا اور آپؐ جس کسی کو بھی دعوت حق دیتے یہ کہتا جاتا کہ میں اس کا چچا ہوں یہ آبائی دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے، بلکہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ کو پتھر مارتا جاتا تھا اور آپؐ کو لہولہان کر دیتا تھا۔ شعب ابی طالب کے معاشی و معاشرتی مقاطعہ کے دوران وہ تاجروں کو محصورین کے ہاتھ کچھ بیچنے نہ دیتا اور مہنگے دام خریدنے کی پیشکش کرتا۔ اگرچہ بعد میں وہی چیزیں بازار کے بھاؤ خرید لیتا۔ (ابن سعد اور ابن ہشام)

سورہ لہب (۱۱۱) میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہو گیا۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی بھی، لگائی بجھائی کرنے والی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔"

اس کا انجام بد یہ ہوا کہ جنگِ بدر کی شکست کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور سات دن کے اندر اندر مر گیا۔ اس کی موت بھی عبرتناک ہوئی اسے عدسہ (Malignant Pustule) کی بیماری لاحق ہوئی۔ مرنے کے بعد تین دن تک اس کی لاش کے پاس چھوت کے ڈر سے کوئی نہیں آتا تھا اور اس کی لاش پڑی سڑتی رہی۔ جب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت کی تو وہ حبشی غلاموں کو اجرت پر لائے اور انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل دھکیل کر ابولہب کی لاش کو اس گڑھے میں گرایا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔

قریش کی مخالفت کی بڑی وجہ معاشی اور سیاسی تھی وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے دعوت محمدؐ قبول کر لی تو عرب میں جو معاشی اور سیاسی مقام ہمیں حاصل ہے وہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ (۲۸:۵۷)۔ تمام عرب ہمارے خلاف بھڑک اٹھیں گے، ہماری تولیتِ کعبہ خطرے میں پڑ جائے گی، بت پرست قبائل کے ساتھ ہمارے معاہدات ختم ہو جائیں گے اور ہمارے تجارتی قافلے جو ہماری معاشی قوت کی شہ رگ ہیں خطرے میں پڑ جائیں گے۔ قرآن حکیم نے ان کی سیاسی وجوہات کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لئے جائے قیام بنایا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" (۲۸:۵۷)

یعنی تمہاری یہ قیادت وسیادت عرب اگر اس پُرامن کعبۃ اللہ کی وجہ سے ہے تو یہ غلط فہمی تمہیں کیونکر ہو گئی کہ جس خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہے اس سے باغی ہو کر تو تم پھلو پھولو

گے اور اس کے دین کی پیروی کر کے تم برباد ہو جاؤ گے؟

اسی سورۂ قصص میں آگے چل کر فرمایا:۔

"اور کتنی ہی بستیاں ہم تباہ کر چکے جن کے لوگ اپنی معیشت پر اتراتے تھے، سو دیکھ لو کہ ان کے مسکن (بے آباد پڑے ہیں) جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔ آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے۔ اور تیرا رب بستیوں کو تباہ کرنے والا نہ تھا جب تک ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے رہنے والے ظالم نہ ہو جاتے۔ تم لوگوں کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے۔ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو کبھی اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے صرف حیاتِ دنیا کا سرو سامان دیا ہو اور پھر وہ روز قیامت سزا کے لئے پیش کیا جانے والا ہو؟ (۲۸:۵۸ تا ۶۱)

یعنی یہ دنیوی دولت و ثروت تو تمہارے اپنے ملک عرب میں عاد اور ثمود اور سباء اور مدین اور قومِ لوط کے لوگوں کو بھی حاصل تھی لیکن یہ انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکی اور کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت ہے کہ جن گمراہیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے تم سے بڑی اور خوشحال تر قومیں تباہ ہوئیں ان کی طرح تمہاری شامت نہیں آئے گی؟ پھر دیکھو تم لوگ ظالم تھے لیکن تمہاری ہدایت کے لئے اللہ کا رسول بھی آ گیا ہے۔ اب جس تباہی کا تمہیں خطرہ ہے وہ ایمان لانے سے نہیں بلکہ تمہارے انکار سے آئے گی جس طرح پچھلی تمام قوموں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اور دیکھو یہ دنیوی سیادت و دولت جس پر تم ریجھے جا رہے ہو بہت کمتر دولت ہے اور تم اس سے دنیوی زندگی ہی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو اس کے برعکس جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی ہے۔ تم لوگ محض عارضی دنیوی مفاد کی خاطر شرک و بت پرستی اور انکار نبوت کا جو سودا کر رہے ہو وہ سراسر

نقصان کا سودا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر قریش اور مشرکین عرب کا ردعمل نہایت بے بنیاد تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے "اللہ کی آیات کا انکار" قرار دیا۔ (۶:۳۳) قریش اور مشرکین عرب نے اعتراضات کا ایک طوفان اٹھا دیا۔

(i) کبھی وہ اعتراض کرتے کہ ہمارے جیسا ہی انسان جو کھاتا ہے، پیتا ہے، بال بچے رکھتا ہے اور دنیا داری کے تمام کام کرتا ہے کیونکر اللہ کا رسول ہو سکتا ہے؟ (۲۱:۳) (۲۵:۷ - ۸) (۱۳:۳۸) (۲۱:۷ - ۸) (۶۴:۵ - ۶) (۱۷:۹۴ - ۹۵) (۱۲:۱۰۹) (۱۰:۲) (۱۶:۴۳)

(ii) کبھی یہ اعتراض کیا کہ محمدؐ بن عبداللہ ہی کو کیوں چنا گیا؟ کے اور طائف میں بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ (۳۸:۸) (۴۳:۳۱ - ۳۲) (۴۰:۵۶) (۱۶:۲)

(iii) کبھی یہ اعتراض کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اگر برحق ہوتی تو ہماری قوم کے بڑے لوگ ضرور ایمان لاتے۔ (۴۶:۱۱)

(iv) کبھی یہ اعتراض کرتے کہ محض بڑائی و سرداری پانے کے لئے یہ دعوت شروع کی گئی ہے۔ (۱۰:۷) (۲۳:۲۴ - ۳۳ - ۳۴)

(v) کبھی یہ اعتراض کرتے کہ آپؐ کاہن ہیں اور آپؐ پر شیطان نازل ہوتا ہے۔ (۵۲:۲۹) (۸۱:۲۵ - ۲۶) (۲۶:۲۱۰ تا ۲۱۲)

(vi) کبھی یہ اعتراض کیا کہ کوئی دوسرا شخص آپؐ کو سکھاتا پڑھاتا ہے۔ (۴۴:۱۴) (۱۶:۱۰۳)

(vii) کبھی مجنوں ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ (۳۷:۳۶) (۲۵:۸) (۲۳:۷۰) (۳۴:۴۶) (۶۸:۲ تا ۴) (۷:۱۸۴)

(viii) کبھی شاعری کا الزام لگایا جاتا تھا۔ (۲۶:۲۲۴ تا ۲۲۶)

(ix) کبھی معجزات کا مطالبہ کیا جاتا اور اعتراض کیا جاتا کہ تمہیں عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کی طرح معجزات کیوں نہیں دیئے گئے؟ (۱۷:۹۰ تا ۹۳) (۲۹:۵۰ - ۵۱)

(۵۲:۷۴ تا ۵۵) (۶:۳۷ تا ۳۹) (۳۱:۱۳) (۴۸:۲۹) (۱۶:۱۰)
(۸۶:۲۸)

(x) کبھی اعتراض کیا جاتا کہ اس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔
(۸:۶ - ۹)

(xi) کبھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرآن خود تصنیف کر لیا ہے۔ (۲:۳۲ - ۳)
(۳۷:۱۰ - ۳۸) (۸۸:۱۷) (۱۶:۱۰) (۱۳:۱۱ - ۱۴)
(۳۳:۵۲ - ۳۴) (۳۲:۲۵ - ۳۳) (۱۰۱:۱۶ - ۱۰۲) (۲:۴۱ تا ۴
- ۴۴) (۴:۲۵ تا ۶)

قرآن حکیم ان کے الزامات کے تضاد پر گرفت تو ہر اعتراض پر ساتھ ساتھ کرتا ہے لیکن ان کی اس حق دشمنی کی وجوہات الگ بھی بیان کرتا ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ یہ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے عناد میں حد سے گزر گئے ہیں۔ (۲۹:۵۲ تا ۳۲)، محض باتیں چھانٹتے ہیں، بھٹک گئے ہیں اور راستہ نہیں پا سکتے۔ (۴۸:۱۷)۔ حق شناس نہیں رہے بلکہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۵:۵۰)۔ ان کا احساسِ کمتری انہیں کھسیانے ہو کر مذاق اڑانے پر مجبور کر رہا ہے۔ (۴۱:۲۵ - ۴۲)۔ غرض قریش نے اس دعوت حق کی مخالفت کے لئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے جو ان کے اخلاقی دیوالیہ پن کی واضح مثال ہے۔

(۱) قرآن سن کر بے ہنگام شور مچانا۔ (۲۶:۴۱) (۳۶:۷۰ - ۳۷) (۱۱۰:۱۷)

(۲) دھمکیوں پر اتر آئے۔ (۵۱:۶۸ - ۵۲)

(۳) کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے دلوں اور تمہاری دعوت میں حجاب حائل ہے۔ (۵:۴۱)

(۴) قرآن حکیم کو الٹے معنی پہنا کر لوگوں کو بہکانا۔ (۴۰:۴۱)

(۵) اہل ایمان کو فضول بحثوں میں الجھاتے تھے۔ (۱۶:۴۲)

(۶) اہل ایمان کی تضحیک و تذلیل کرتے تھے۔ (۲۹:۸۳ تا ۳۳)

بلاذری نے انساب الاشراف میں حضرت عروہؓ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات عمارؓ بن یاسر، خبابؓ بن الارت، صہیبؓ بن سنان، بلالؓ بن رباح، ابو فکیہہؓ اور عامرؓ بن فہیرہ جیسے لوگوں کو قریش کے سردار مسجد حرام میں بیٹھے دیکھتے تو مذاق اور ٹھٹھہ اڑاتے تھے کہ یہ ہیں اس شخص کے ساتھی جن کو اللہ نے ہم میں سے اپنی فضل ورحمت کے لئے چنا ہے؟

(۷) ناواقف لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا۔ (۱۶:۲۴)

ان اعتراضات کے ساتھ ساتھ قریش نے ایمان لانے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کمزور افراد پر تو ظلم کا کیا کہنا خاندانی اور اشراف اہل ایمان بھی ان کے ظلم وستم سے نہ بچ سکے۔ ہم اس کی تفصیل اخلاق صحابہ میں بیان کر چکے ہیں۔

(iv) قابل مذمت کرداروں میں قرآن حکیم نے آذر، حضرت ابراہیمؑ کے والد کا ذکر بھی کیا ہے کہ جس کے گھر میں توحید کی شمع روشن ہوئی لیکن بت گر باپ پر ظلمت کا اندھیرا ہی چھایا رہا۔ ملاحظہ ہو۔

(۶:۷۴) (۹:۱۱۴) (۶۰:۴) (۱۹:۴۷) (۱۴:۴۱) (۲۱:۵۲ تا ۷۱)

(۲۶:۶۹ تا ۸۹) (۳۷:۸۵ تا ۹۹) (۴۳:۲۶ - ۲۷)

(v) پھر قرآن میں سورۂ فیل (۱۰۵:۱ تا ۵) میں ایک اور سبق آموز قصہ ابرہہ کا بیان ہوا ہے جس نے یمن میں صنعاء کے مقام پر اپنے تعمیر شدہ کلیسا کی خاطر خدا کے گھر خانہ کعبہ پر حملہ کر کے ڈھانے کی جسارت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے انجام سے ہمکنار کیا۔

تاریخ انسانی کے ایک روشن اور تاریک کرداروں کا بیان ختم کرنے سے پہلے ایک نہایت اہم بات گوش گزار کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ سابقہ امتوں کے ذکر کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ ان میں سے مثبت کرداروں کی تقلید کریں اور منفی کرداروں کے طریق کار سے بچ کر اس انجام بد سے بچ جائیں جو ان کا

مقدر ہوا۔ یہ ذکرِ اقوام قرآن حکیم نے اپنے بیانات کی صداقت میں بطور ثبوت فراہم کیا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ ہم دنیا میں (سیروفی الارض) چلیں پھریں۔ اقوام سابقہ کے کھنڈرات کو دیکھیں پڑھیں اور ان سے عبرت حاصل کریں۔ سیرو فی الارض کی اصطلاح کا مطلب یہی ہے کہ اقوام معذوب کے انجام و عواقب کی عبرت آموز داستانوں سے ہم اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں۔ (۱۳۶:۳) (۱۱:۶) (۳۶:۱۶) (۶۹:۲۷) (۱۰۹:۱۲) (۴۲:۳۰) وہ قومیں ہم سے ہر لحاظ سے زیادہ طاقت ور تھیں لیکن اپنے کرتوتوں کے انجام سے نہ بچ سکیں۔ (۹:۳۰) (۸۴:۷ - ۸۶ - ۱۰۳) (۲۹:۱۰ - ۴۳) (۱۴:۲۷ - ۵۱ - ۶۹) (۴۴:۳۵) (۲۱:۴۰ - ۸۲) (۸۲:۲۷) (۹:۳۰ - ۱۰ - ۴۲) (۸:۶۵ - ۹) (۳۸:۲۹) (۱۳۸:۳۷) (۲۶:۳۲)۔ اب جو بھی اقوام سابقہ جیسا کردار اپنائے گا یہی انجام بد اس کا بھی مقدر ہوگا۔ (۸:۴۷ تا ۱۳) انہیں ایک داستان پارینہ بنا کر رکھ دیا جائے گا۔ (۱۹:۳۴) (۴۴:۲۳)

(۳) صالح معاشرے کی خصوصیات

قرآن حکیم کا وجہ نزول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد صرف صالح افراد تیار کرنا ہی نہیں بلکہ انہیں باہم جوڑ کر ایک صالح معاشرہ بنانا بھی ہے۔ کیونکہ اسی سے نوع انسانی خسران سے بچ کر فلاح پا سکتی ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:۔

(i) ”کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور (بھلائی اور برائی) کے دو راستے نمایاں نہیں کر دکھائے؟ مگر انسان نے دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر یہ کہ آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایک دوسرے کو صبر اور رحم دلی کی تلقین کرتے ہیں۔“ (البلد ۹۰:۸ تا ۱۷)

(ii) ”زمانے کی قسم انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں

کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے ہے۔ " (سورۂ عصر: ۱۰۳)

سورۂ عصر (۱۰۳) قرآن حکیم کی جامع ترین اور مختصر ترین سورہ ہے۔ اس کے متعلق امام شافعیؒ کا قول ہے "اگر لوگ صرف سورۂ عصر ہی کو تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھ ڈالیں تو ان کے دین اور دنیا و آخرت کی درستگی کے لئے کافی شافی ہو جائے۔"

اخلاقی تعلیمات کے لحاظ سے قرآن کی اوپر نقل کردہ آیات میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور و تفکر ہیں:۔

(۱) آیات ۹۰: ۸ تا ۱۷ میں غلام کو آزاد کرنا، یا قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، حقوق العباد اور انفرادی نیکیاں ہیں۔ یہ بے شمار انفرادی نیکیوں میں سے بطور نمونہ پیش کی گئیں ہیں۔ آخری آیات میں نہایت اہم بات یہ کہی گئی ہے کہ ایسے نیک کام کرنے والے افراد بکھرے نہ رہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ مل کر ایک جماعت بن جائیں جو ایمان لانے والے اور ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کھانے کی تلقین کرنے والے ہوں۔ تاکہ ان کا ایک صابر اور رحمدل معاشرہ وجود میں آئے، ایسا معاشرہ جو پاکیزہ اخلاق پر ثابت قدم ہو، برائیوں اور برائی کی ترغیبات سے اپنے آپ کو روکے، راہ حق کی مشکلات اور مزاحمتوں کا پامردی سے مقابلہ کرے، راستی پر مضبوطی سے قائم رہے اور خلقِ خدا کے لئے ظالم و جابر اور سنگدل نہ ہو بلکہ رحیم و شفیق ہو سورہ عصر کی آیات جن کو حوالہ نمبر (۲) کے تحت جمع کیا گیا ہے میں حق تعالیٰ نے ماضی اور حال دونوں زمانوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ انسان بحیثیت شخص، بحیثیت قوم اور بحیثیت نوع، فلاح نہیں بلکہ خسارے میں ہے۔ مگر اگر وہ چار (۴) اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کر لے تو پھر اس کے لئے فلاح ہی فلاح ہے۔ اور وہ چار صفات ہیں:۔ (۱) ایمان (۲) حسن عمل (۳) ایک دوسرے کو حق کی نصیحت (۴) ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت۔

(۱) ایمان فلاح پانے اور خسارے سے بچنے کے لئے شرط اول ہے کیونکہ ایمان ہی سیرت و اخلاق اور کردارِ انسانی کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کے

بغیر انسان کی زندگی ایک بے لنگر کا جہاز ہے جو اغراض، خواہشاتِ نفس اور تخیلات کی موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑتا۔ ایمان کا مطلب ہے اللہ وحدہ لاشریک ہی خالق، مالک، رازق، حاجت روا، معبود اور حاکم ہے۔ اسی کی بندگی و اطاعت اور پرستش کرنی چاہیئے اور اللہ کے رسول کی لائی ہوئی ہدایت ہی برحق ہے اور یہ دنیا کی زندگی ہی واحد اور آخری زندگی نہیں بلکہ ایک دوسری مستقل اور پائیدار زندگی آئے گی جس میں دنیوی اعمال کا حساب کتاب دینا ہو گا اور جزا و سزا ہو گی۔ ایمان انسان میں خود داری و عزتِ نفس کو ابھارتا اور غلط توقعات کا خاتمہ کر دیتا ہے، انسان میں رجائیت اور اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے، انسان صبر و توکل کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، انسان میں قناعت اور استغناء پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کے یہ پھل صرف اسی لئے انسان کو حاصل ہوتے ہیں کہ وہ ربِ واحد پر بھروسہ کر چکا ہے جو خبر گیری و کفالت کرنے والا ہے، مکمل بالادستی رکھنے والا آقا و مالک ہے اور مافوق البشر امور و معاملات کے ساتھ ساتھ جملہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور قانونی امور و معاملات کا مختار کل اور نگران ہے۔

(۲) ایمان کے بعد دوسری صفت جو سورہ عصر (۱۰۳) میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ حسنِ عمل ہے۔ ایمان اور نیک عمل کا تعلق بیج اور درخت کا ہے۔ ایمان وہ بیج ہے جس کے بغیر نیک اعمال کا درخت پیدا نہیں ہو سکتا خواہ بعض لوگوں کی زندگیوں میں ایمان کے بغیر کچھ ظاہری اور ناپائیدار خوبیاں اور نیکیاں پائی جاتی ہوں۔ اگر کسی ایمان والے کے اعمال نیک نہیں ہیں تو اس کا واحد مطلب یہ ہے کہ اس کا ایمان ہی درست نہیں ہے، کیونکہ اگر ایمان درست ہوتا اور ایمان کا بیج صالح دل میں بویا گیا ہوتا تو حسن عمل اور نیک اعمال کا درخت پھوٹنا اور پھلنا پھولنا لازمی تھا۔ یہ ایمان کے ساتھ حسن عمل کی صفت اگر معاشرے میں انفرادی حیثیت سے پائی جائے تو انفرادی فلاح ہی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ لیکن

اجتماعی فلاح اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ایسے نیک افراد کا ایک نیک معاشرہ بنے جس کی دو ضروری صفات اگلے دو پیروں میں بیان ہوں گی۔ ہم قرآن حکیم کے ان چند مقامات کی لسٹ نقل کرتے ہیں جن میں ایمان کے ساتھ نیک عمل کا لزوم ضروری قرار دیا گیا ہے:۔ (۸:۳۱) (۳:۳۴) (۳۷:۳۴) (۷:۳۵) (۸:۴۱) (۲۲:۴۲ - ۲۶) (۲۱:۴۵) (۳۰:۴۵) (۳:۶۶) (۲۵:۸۴) (۱۱:۸۵) (۱۷:۹۰) (۶:۹۵) کیونکہ قرآن مجید قول صالح (ایمان) اور عمل صالح کو لازم و ملزوم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اس لئے کوئی عمل محض اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی پشت پر عقیدۂ صالحہ نہ ہو اور کوئی عقیدہ صالح ایسی حالت میں معتبر نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کا عمل اس کی تائید و تصدیق نہ کر رہا ہو (۱۰:۳۵)۔ اسی لئے قرآن نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے والوں کو بہترین خلائق قرار دیا ہے (۷:۹۸) اور ہر جگہ عمل صالح بلا ایمان کو بے فائدہ قرار دیا ہے۔ (۴۰:۴۰) اور (۹:۳۳) اسی بنا پر قرآن میں جنتی بشارتیں دی گئی ہیں وہ انہی لوگوں کو دی گئی ہیں جو ایمان لا کر عمل صالح کریں۔ ایمان اور عمل صالح کے لزوم کے تناظر میں ہمیں حیرت ہونی چاہیئے ہے کہ ہمارے معاشرے میں مندرجہ ذیل رذائل اخلاق بھی مسلمانوں کے ساتھ منسلک نظر آتے ہیں۔ مثلاً۔
مسلمان اور سود خور، مسلمان اور راشی، مسلمان اور چور، مسلمان اور ظالم، مسلمان اور جھوٹا وغیرہ وغیرہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک شخص یا مسلمان ہو گا یا پھر سود خور، راشی، چور، ظالم اور جھوٹا ہو گا۔ ایمان کے ساتھ یہ رذائل اخلاق صفات جمع نہیں ہو سکتیں۔ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں یہ تصور پیدا ہو گیا ہے کہ نماز روزہ وغیرہ اپنی جگہ اور دنیوی معاملات اپنی جگہ۔ یعنی نماز، روزہ ادا کر کے اللہ کو الگ خوش رکھو اور دنیوی معاملات میں شیطان کو خوش رکھو۔ ایسے اسلام کا تصور

کبھی بھی فلاح کا باعث نہیں ہو سکتا بلکہ دوہری سزا کا موجب ہو گا۔

(۳) ایمان اور عمل صالح دو انفرادی خوبیوں کی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں، اب اگلی دو صفات اجتماعی ہیں ان میں اول یہ ہے کہ ایک دوسرے کو حق (صحیح، سچی، مطابق عدل و انصاف اور مطابق حقیقت بات اور ساتھ میں حق کا مطلب ہے بندوں کا اور خدا کا حق ادا کرنا) کی نصیحت کرنا یعنی اہل ایمان کا معاشرہ ایسا بے حس نہ ہو کہ باطل سر اٹھا رہا ہو اور حق کے خلاف کام کیے جا رہے ہوں مگر اہل ایمان اطمینان سے بیٹھ کر تماشا دیکھ رہے ہوں۔ بلکہ یہاں معاشرے کا ہر ایک مومن فرد صرف خود ہی حق پرستی، راست بازی اور عدل و انصاف پر قائم رہنے اور حق داروں کا حق ادا کرنے والا نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرے اور یہ طرز عمل ایسے معاشرے کو اخلاقی زوال و انحطاط سے بچانے کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس خوبی کے فقدان کی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسٰیؑ کی زبان سے بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی۔ (۵:۷۸ - ۷۹)۔ جو یہ فرض ادا کرتے ہیں اللہ انہیں عذاب سے بچالیتا ہے۔ (۷:۱۶۳ تا ۱۶۶) (۱۱:۱۱۶ - ۱۱۷)۔ ایک اور جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ان باطل پرستیوں کی سزا صرف براہ راست ملوث رہنے والوں ہی پر لاگو نہیں ہو گی بلکہ خاموش بیٹھ جانے والے بھی نہیں بچیں گے چاہے وہ ملوث نہ ہوں (۸:۲۵)۔ اسی لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نیکی اور حق کا حکم دینا اور برائی اور بدی سے روکنا) امت مسلمہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ (۳:۱۰۴ - ۱۱۴) (۹:۶۷ - ۷۱) (۹:۱۱۲) (۷:۱۵۷) (۲۲:۴۱) (۳۱:۱۷) اور اس امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے جو یہ فریضہ سرانجام دے۔ (۳:۱۱۰)

(۴) دوسری اجتماعی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ یعنی حق کی پیروی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے مقابلے میں صبر کے ساتھ ثابت قدمی کی تلقین کرتے ہیں۔ "صبر" اور "رحم" کیونکہ نہایت اہم

اخلاقی صفات ہیں اس لئے ہم ان پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

صالح اہل ایمان کی پوری زندگی ہی صبر سے عبارت ہوتی ہے۔ ہوش سنبھالنے سے مرتے دم تک کسی شخص کا اپنی ناجائز خواہشات کو دبانا، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی پابندی کرنا، اللہ کے عائد کردہ فرائض کو بجالانا، اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا وقت، مال، محنتیں، قابلیتیں، قوتیں، غرض ضرورت پڑنے پر اپنی جان تک نثار کرنا، ہر اس لالچ اور ترغیب کو ٹھکرا دینا جو خدا کی راہ سے ہٹانے والی ہو، ہر اس خطرے اور تکلیف کو برداشت کر لینا جو راہ راست پر چلنے میں پیش آئے، ہر اس فائدے اور لذت سے دست بردار ہو جانا جو حرام طریقے سے حاصل ہو، ہر اس نقصان، رنج اور اذیت کو نظر انداز کر جانا جو حق پرستی کی وجہ سے پیش آئے اور پھر یہ سب کچھ اللہ کے اس وعدے پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس نیک رویئے کے ثمرات اس دنیا کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی میں بھی ملیں گے، ایک ایسا طرز عمل ہے جو مومن کی پوری زندگی کو صبر کی زندگی بنا دیتا ہے۔ یہ ہر وقت کا صبر ہے، دائمی صبر، ہمہ گیر صبر اور عمر بھر کا صبر۔ قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل مقامات پر صبر کی ان تمام قسموں کی وضاحت کی ہے۔ (۲:۴۵) (۳:۱۶ - ۱۷) (۳:۱۴۷ - ۱۸۶) (۶:۳۴ - ۳۵) (۸:۴۵ تا ۴۷ - ۶۵) (۱۱:۹ تا ۱۱) (۱۳:۲۰ تا ۲۲) (۱۶:۹۶ - ۹۷) (۱۹:۶۵) (۲۵:۷۰ تا ۷۵) (۲۸:۵۳ تا ۵۵ - ۱۰۰) (۲۹:۵۶ تا ۵۹) (۳۱:۱۷ - ۳۱) (۳۲:۲۴) (۳۳:۳۵) (۳۹:۱۰) (۴۱:۳۴ - ۳۵) (۴۲:۴۳) (۹۰:۱۷) (۱۰۳:۳)۔ قرآن حکیم نے بھوک، خوف، نقصِ اموال و ثمرات و نفوس اور ہر قسم کی مشکلات میں ثابت قدم رہنے والوں کو بھی صابر قرار دیا ہے۔ (۲:۱۵۳ تا ۱۵۷)۔ میدان جہاد میں ثابت قدم رہنے والوں کو بھی صابر کہا ہے۔ (۲:۱۷۷) (۲:۱۴۲ تا ۱۴۵) (۸:۴۵ - ۴۶)۔ ضبطِ نفس کرنے والوں کو بھی صابر کہا ہے۔ (۲:۲۴۹) (۱۸:۶۷ - ۶۸ - ۷۲ - ۷۵ - ۸۲) (۴۹:۵) (۴:۲۵) مخالفین کی تکذیب پر ہمت نہ ہارنے والے بھی صابر ہیں۔ (۶:۳۴) (۱۶:۱۲۶ - ۱۲۷) (۴۲:۳۹ تا ۴۳) (۲۳:۱۱۰ - ۱۱۱)۔ ناساعد حالات میں مایوس نہ ہونے والے اور خوش حالی کے زمانے

میں اترانے سے بچنے والے بھی صابر ہیں۔ (۱۱:۹ تا ۱۱) (۷۰:۱۹ تا ۲۱) اور حق پر جمے رہنے والے اور باطل سے مفاہمت کا خیال تک دل میں نہ لانے والے بھی صابر ہیں (۱۷:۷۴)۔ ہر حادثے پر ثابت قدمی دکھانے والے صابر ہیں۔ (۲۲:۳۵) (۴۷:۳۱) اور سب سے بڑھ کر نظام فطرت پر غور و فکر کرنے والے اور تاریخی شواہد سے عبرت حاصل کرنے والے بھی صبار و شکور ہیں (۱۴:۵)۔ اللہ نے ہماری مثال کے لئے اپنے انبیاء کرام کی مثالیں دیں ہیں کہ وہ صابر لوگ تھے۔ مثلاً صبر ایوب علیہ السلام (۳۸:۴۴) صبر یعقوب علیہ السلام (۱۲:۱۸ - ۸۳)

— حضرت اسماعیل علیہ السلام صابرین میں سے تھے۔ (۱۰۲:۳۷)
— حضرت یونس علیہ السلام نے صبر سے کام نہیں لیا تھا۔ (۶۸:۴۸)
— اللہ کے رسول اذیتوں پر صبر سے کام لیتے تھے۔ (۱۴:۱۲) (۲۱:۸۵)
— مہاجرین صبر سے کام لیتے تھے۔ (۱۶:۴۱ - ۴۲)
— رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ثابت قدم رکھا (۱۱:۱۲۰) (۱۷:۷۴)
— حضرت یوسف علیہ السلام (۱۲:۹۰)
— سخت مشکلات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بعض اوقات گھبرا جاتے تھے انہیں تسلی دی گئی کہ اللہ کی راہ میں بڑی بڑی تکالیف اٹھائی گئی ہیں۔ (۲۹:۲ - ۳) (۲:۲۱۴) (۳۳:۱۰ - ۱۱) (۳:۱۴۲ - ۱۷۹) (۹:۱۶) (۴۷:۳۱) اور حق تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس کے ذریعے کھوٹا اور کھرا پرکھا جاتا ہے۔ کھوٹا خود بخود اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور کھرا چھانٹ لیا جاتا ہے، تاکہ ان صادق الایمان صابرین کو اللہ تعالیٰ دنیوی اور اخروی انعامات سے سرفراز فرمائے۔

اس کے بعد مومنین دوسری اہم صفت جو فلاحِ دنیا و آخرت کے لئے ضروری ہے "رحم" کی صفت ہے۔ رحم جو سب سے بڑی صفتِ خداوندی ہے قرآن حکیم میں اللہ کی صفت رحمان (بڑا مہربان) ۵۷ بار، رحیم (رحم کرنے والا) ۹۷ بار، خیرالراحمین

(۲۳:۱۰۹ - ۱۱۸) اور ارحم الراحمین (۷:۱۵۱) (۱۲:۶۴ - ۹۲) (۲۱:۸۳) روف الرحیم ۱۱ بار، کریم (کرم کرنے والا) (۴۰:۲۷) (۶:۸۲) اور ذوالرحمت (رحم کرنے والا) (۱۸:۵۸) (۶:۱۳۳) بیان ہوئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ:۔

(i) "اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں، صرف ایک اپنی مخلوق کو دی اور باقی ایک کم سو اللہ کے پاس ہیں۔ اس ایک ہی حصہ کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑی اپنا سم اٹھا لیتی ہے اور اپنے بچے کو نہیں لگنے دیتی۔"

(روایات از حضرت سلمان فارسیؓ (مسلم) اور حضرت ابوہریرہؓ (باب الادب۔ بخاری)

(ii) "اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا" روایت حضرت جریر بن عبداللہؓ۔ (بخاری۔ مسلم)

(iii) رحم کرنے والے پر رحمان رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" روایت حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(iv) "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

(روایت ابوسعید خدریؓ (بخاری فی الادب المفرد)

(v) "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کی عزت و توقیر نہ کرے۔" (روایت ابن عباسؓ ترمذی)

(vi) "جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھایا اور ہمارے بڑے کا حق نہیں پہچانا وہ ہم میں سے نہیں۔" (روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابوداؤد)

(vii) "بدبخت ہے وہ شخص جس کے دل سے رحم سلب کر لیا جاتا ہے۔" (روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ مسند احمد۔ ترمذی)

(viii) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے افراد جنتی ہیں اور ان میں ایک وہ ہے "جس کے دل میں ہر مسلمان کے لئے رحم اور رقیق القلبی ہو" (روایت حضرت عیاضؓ بن حمار۔ مسلم)

(ix) "تم مومنوں کو آپس کے رحم اور محبت اور ہمدردی کے معاملہ میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے اگر ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (روایت حضرت نعمانؓ بن بشیر بخاری و مسلم)

(x) "مومن دوسرے مومن کے لئے اس دیوار کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔" (روایت حضرت ابو موسیٰؓ اشعری۔ بخاری و مسلم)

(xi) "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اس کی مدد سے باز رہتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کے پورا کرنے میں لگا ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگ جائے گا اور جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو مصیبت سے نکالے گا اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی مصیبتوں سے نکال دے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی عیب پوشی کرے گا۔" (روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ بخاری و مسلم)

پھر یہ صفت رحم ہر مسلمان کی صفت عزیز کیوں نہ ہو جبکہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ (۱۰۶:۲۱) (۶۱:۹) (۱۵۸:۳)

غرض اہل ایمان کا معاشرہ ایک سنگدل، بے رحم اور ظالم معاشرہ نہیں ہوتا بلکہ انسانیت کے لئے رحیم و شفیق اور آپس میں ایک دوسرے کا ہمدرد و غم خواہ معاشرہ ہوتا ہے۔ فرد کی حیثیت سے بھی ایک مومن اللہ کی شانِ رحیمی کا مظہر ہے اور جماعت کی حیثیت سے مومنوں کا گروہ بھی ایک رحم دل اجتماع افراد ہے جو باہم رحم و ہمدردی کے ناتے میں پروئے

ہوتے ہیں۔

آخر میں ایک بار اس حقیقت پر ہم قرآن کے حوالہ جات دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ ایک صاحب رحمت ہستی ہے، جس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر رکھی ہے، اس کی رحمت ہر شے پر محیط ہے اور جب وہ رحمت کا ارادہ کرے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ (۶:۱۲-۵۴ - ۱۳۳) (۷:۱۵۶) (۴۰:۷) (۳۹:۳۸) (۱۸:۵۸)۔ فلاح کا سب سے بڑا ذریعہ یہی تو ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اپنے خالق حقیقی کی صفت عظیم یعنی "رحمت" کے رنگ میں رنگ لیں۔ ہماری نجات کی اس سے بڑی سفارش اور کون سی ہو سکتی ہے۔

قرآن حکیم نے براہ راست ان برے اوصاف اور اعمال اور اخلاق کی مذمت کی ہے جو قریش عرب اور عام انسانی معاشرے میں پائے جاتے تھے اور ہیں۔ یہ ایسی برائیاں ہیں جنہیں اچھا کہنے کی ہمت کسی بھی معاشرے کو نہیں۔ ان کو ہم آنے والے صفحات میں "رذائل اخلاق" کے عنوان کے تحت پیش کریں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآن صرف بدی پر تنقید ہی کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ نیکی اور مطلوبہ معیار بھی نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اسلام ان اعلیٰ اوصاف، اخلاق اور اعمال سے افراد، معاشرے اور قوموں کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ ان خوبیوں کو فضائل اخلاق ماننے سے انکار کرنا دنیا کے بس میں نہیں ہے۔ ان اخلاقی ہدایات کی خوبیاں دلوں میں کھب جانے والی ہیں، اور کسی سلیم الطبع انسان کے لئے ان کو برحق ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ اس بنا پر اور بھی زیادہ پرکشش تھیں کہ انھیں صرف بیان ہی نہیں کیا گیا، بلکہ ان کو پیش کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملاً ان پر کاربند تھے۔ (Not theoratical but totally Practical)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ نے عملاً یہ دکھا دیا کہ وہ بھلائیاں صرف زبان سے کہنے ہی کی نہیں ہیں بلکہ اسلام نے جن شخصیتوں کی زندگی میں بھی راہ پائی ہے وہ ان بھلائیوں سے آراستہ ہو گئیں۔ ایک اور نقطہ یہاں اہم ہے کہ ان فضائل اخلاق کو

ایک یکجان اکائی کی حیثیت حاصل ہے ان کا ثمر پانے کے لئے پورے کے پورے تربیتی نظام پر عمل ضروری ہے تب ہی "عمل صالح" کا مطلوبہ اسلامی معیار حاصل ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اس "عمل صالح" کی بنیادی قوت (Driving force) "ایمان" سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم فضائل اخلاق کی اس لسٹ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیں کہ یہ تمام اپنے اندر پیدا کرنا مشکل ہے۔ آپ ایک ایک خوبی اپنے اندر پیدا کریں اسے راسخ کریں انشاللہ اس کی برکت سے دوسری خوبیاں آپ کے اندر خود بخود پیدا ہوتی جائیں گی یہاں تک کہ آپ اسلامی اخلاق اور سیرت کا انفرادی طور پر نمونہ بن جائیں گے اور آپ کا معاشرہ انہی خوبیاں کا اجتماعی نمونہ بن جائے گا۔

فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق کو ہم چار الگ الگ بابوں میں بیان کریں گے۔
(۱) اصولی، اعتقادی اور عباداتی (۲) معاشرتی (۳) معاشی اور معاملاتی (۴) ذاتی اور انفرادی۔

فضائل اخلاق

وہ پسندیدہ اخلاق جو اسلام انسانی زندگی میں رائج کرنا چاہتا ہے۔

(I) اصولی، اعتقاداتی اور عباداتی فضائل اخلاق

(۱) ایسی باتوں سے اجتناب کرو جن کا منشا گو برا نہ ہو لیکن نتیجہ برا ہو یا برا ہو سکتا ہو۔
(۲:۱۰۴) (۴:۴۶)

(۲) حلال و طیب کھانے اور ہر دم شکر گزار رہنے کا حکم کیونکہ اس سے ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو اخلاق فاضلہ سے محبت اور اخلاق رذیلہ سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ نیک عمل میں رزق حلال کو بڑا دخل ہے۔ ہمیشہ رزق حلال کے لئے جدوجہد کرو۔ (۲:۱۷۲) (۲۳:۵۱) (۳۴:۱۱) (۲۹:۱۷)
(۲:۱۸۸)

(۳) یسر و عسر یعنی تنگی و فراخی میں اپنے خالق و رب کی رضا پر مطمئن رہو، نعمت ملے تو شکر گزار بندے بنو مغرور نہ ہو اور اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اگر کبھی تنگیٔ رزق سے آزمائے جاؤ تو مایوس و دل شکستہ ہونے کے بجائے اس حالت پر بھی صابر و قانع رہو اور اپنے رب کے فیصلے پر راضی رہ کر راضیۃً مرضیۃً کا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کرو کیونکہ اللہ ہی جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے۔ (۸۹:۲۷ تا ۳۰) (۱:۹۳ - ۲) (۳:۱۵۳) (۵۷:۲۲ - ۲۳) (۳۳:۵۳ - ۵۸ - ۵۹) لیکن یاد رکھو کہ ہماری استطاعت کو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا اور وہ انسان کو کبھی بھی اس کی استطاعت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ (۲:۲۸۶) (۷:۴۲) (۲۳:۶۲) اور اللہ تو انسان پر نرمی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا۔ (۲:۱۸۵)

(۴) دنیوی زندگی کا مقصد محض فکر اولاد و مال ہی نہیں ہے بلکہ اخروی زندگی کی کامیابی کی فکر کرنا ہے۔ (۸:۲۷)

(۵) مالِ دنیا ختم ہو جاتا ہے لیکن اعمالِ حسنہ اپنے نتائج سمیت کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ (۱۶:۹۶۔ ۹۷)

(۶) دنیوی مال و دولت کی بے مائیگی کہ اہل علم اس سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ توکل علی اللہ رکھتے ہیں اور اعمالِ حسنہ کے ذریعے کمائی ہوئی اُخروی دولت ہی پر ناز رکھتے ہیں۔ (۲۸:۷۹۔ ۸۰) (۲۹:۶۴ تا ۶۶)

(۷) تمہارے دنیاوی مفادات کا اُخروی مفادات سے ٹکراؤ ہو تو ہمیشہ آخرت کو ترجیح دو۔ (۴:۷۷) (۶:۳۲) (۷:۱۶۹) (۸۷:۱۷) (۴۳:۳۵) (۱۶:۳۰) (۱۳:۲۶) (۱۲:۵۷) (۹:۳۸) (۱۷:۲۱) (۲۹:۶۴) (۳۳:۲۹) (۱۲:۱۰۹)

(۸) اسلام کا تصور رواداری۔ (۴۲:۱۵۔ ۱۶)

(۹) درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیان (۱۶:۲۱ تا ۲۰)

(۱۰) نیکی خود بھی کرو اور دوسروں کو بھی اس کا احساس دلاؤ وگرنہ تمہاری نیکی ادھوری رہ جائے گی۔ (۱۸:۸۹) (۸:۹۰ تا ۱۲ - ۱۷) (۳:۱۰۳) (۲:۵)

(۱۱) برائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ (۲۲:۱۳)

(۱۲) مکارم اخلاق کی بوھوتی یعنی تزکیہ نفس کے دو ذرائع ہیں (i) برے خیالات اور گناہ سے بچنا اور برے خیالات کو قول و فعل میں نہ ڈھالنا اور (ii) اپنے قصور اور عاجزی کا معترف رہنا اور اللہ کی پناہ مانگنا کیونکہ اللہ کے سامنے کمزوری کا اعتراف موجبِ قوت ہوتا ہے۔ (۳۲:۵۳)

(۱۳) اقول و افعال میں عدل و انصاف کی رعایت کرنے اور دوہرے معیاروں سے چھٹکارا پانے کا حکم۔ (۳۵:۱۷) (۹:۴۹۔ ۱۰)

(۱۴) جاہلیت (لاعلمی) سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (۶۷:۲)

(۱۵) اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو کسی دوسرے سے نہیں یہی ایمان اور اخلاقی جرات کا تقاضا ہے۔ (۳۷:۳۳) (۹:۱۳ تا ۱۸) (۳:۵۔ ۴۴۔ ۵۴) (۱۵۰:۲)

(۱۶) اگر بہ اطمینان قلب حق پر ہو تو اپنے موقف میں کسی قسم کی لچک پیدا نہ کرو۔ (۸:۶۸۔ ۹)

(۱۷) زمین میں اقتدار (خلافت)، اللہ کی رحمت و فضل، فلاح اور فائز المرام مرتبے کے لئے کن صفات و علامات کی ضرورت ہے۔ (۴۶:۲۴ تا ۵۶)

(۱۸) دنیا میں اپنا حصہ بھی نہ بھولو اور آخرت کے طلب گار بھی ضرور بنو۔ (۷۷:۲۸) (۲۰۱:۲۔ ۲۲۰)

(۱۹) اپنی پریشانی و مصیبت پر اپنے رب سے شکوہ کرنا کوئی برائی نہیں بلکہ عین عبادت ہے۔ (۸۶:۱۲)

(۲۰) وقتی نقصان و آزمائش پر رنجیدہ افراد کے لئے آیات تسلی (۳:۱۳۹ تا ۱۴۱)

(۲۱) اللہ کے دین میں ٹیڑھ اور کج نہ نکالو۔ (۷:۱۴۲)

جن کے دلوں میں خوفِ آخرت ہے وہ شیطان کی وسوسہ اندازی پر چونک جاتے ہیں۔ (۷:۲۰۱۔ ۲۰۲)

(۲۲) احسان و حسنات وہ اثر رکھتے ہیں کہ برائیاں اور سیّئات خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ (۱۱:۱۱۴)

(۲۳) ایمان پر خاتمے کی دعا کرتے رہو۔ (۱۲:۱۰۱)

(۲۴) اپنے رب سے عادتاً نہیں بلکہ اس کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے ڈرو (۱۳:۲۱)

(۲۵) زمین پر چلو پھرو تاکہ اللہ کی حکمت و قدرت اور معذوب قوموں کا انجامِ بد دیکھو اور عبرت پکڑو۔ (۶:۱۱) (۳:۱۳۷) (۲۹:۱۰) (۱۲:۱۰۹) (۴۸:۱۰) (۳:۱۳۷) (۱۶:۳۶) (۲۷:۶۹) (۲۲:۴۶) (۴۰:۲۱۔ ۸۲) (۳۵:۴۴) (۳۰:۹) (۳۰:۴۲)

(۲۶) غم و دکھ سے اللہ تعالیٰ عزوجل آزماتا ہے۔ اسی بھٹی سے گزر کر ہی داعی حق کندن ہوا ہے۔ (۲۰:۴۰) (۲۹:۲۔ ۳) (۲:۲۱۴) (۳:۱۴۲) (۹:۱۶) (۳۳:۱۰۔ ۱۱)

(۲۷) یہودیوں کی طرح احکام خداوندی میں موشگافیاں نہ کرو۔ (۲:۱۰۸) (۳:۷) (۵۹:۷) (۵:۱۰۱۔ ۱۰۲)

(۲۸) حج اسلامی اخلاق کی بہترین تربیت گاہ ہے۔ (۲:۱۹۷)

(۲۹) رضائے الٰہی کے لئے اپنی جان کھپا دینے والوں کا کردار۔ (۲:۲۰۷)

(۳۰) اللہ کی آیات و احکام کو کھیل نہ بناؤ بلکہ ان کا احترام اور ان پر عمل کرو۔ (۲:۱۵۰ تا ۱۵۲۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱)

(۳۱) مقصد کی پاکیزگی کے ساتھ حصولِ مقصد کے لئے اخلاقی ذرائع ہی اختیار کرو۔

(۱۶:۹۲)

(۳۲) اخلاقِ فاضلہ کی دشوار گزار گھاٹیاں جنہیں نظر انداز کر کے انسان گمراہیوں میں لڑھکنا پسند کرتا ہے۔ (۹۰:۱۱ تا ۲۰)

(۳۳) دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ (۲:۲۵۶) (۹:۶) (۱۸:۲۹)

(۳۴) کوئی مشرک و کافر بھی قابو آ جائے تو اسے دعوت اسلام سنا کر مقامِ محفوظ تک پہنچا دو تاکہ وہ اس دعوت پر سوچ بچار کرے۔ (۹:۶)

(۳۵) کسی کو بھی غلط کام سے روکنے کے تین طریقے اور مراحل ہیں ان میں ایک خاص ترکیب و حکمت ہے۔ (۴:۳۴۔ ۱۲۸)

(۳۶) شعائر اللہ کا احترام کرو۔ (۲۲:۳۰۔ ۳۲) (۵:۲)

(۳۷) طاغوت و طغیان کی پیروی نہ کرو۔ (۲:۲۵۶۔ ۲۵۷) (۱۶:۳۶) (۵۰:۲۷) (۵:۶۰۔ ۶۴) (۴:۵۱۔ ۷۶)

(۳۸) گرد و پیش اور واقعات عالم سے عبرت و نصیحت حاصل کرو۔ (۲:۱۳) (۲۹:۳۰) (۲۴:۴۴) (۵۹:۲) (۳۳:۲۱) (۱۶:۶۶) (۱۲:۱۱) (۷۹:۲۶) (۲:۶۶) (۳:۱۳۷) (۷:۱۷۵) (۵:۴۶) (۱۱:۱۲۰) (۲۴:۳۴) (۱۰:۵۷) (۲:۲۲۱)

(۳۹) دین میں مخلص رہو اور عمل خالص اللہ ہی کے لئے کرو، لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ کرو اور نہ ہی کسی مدح و شکریئے کی امید رکھتے ہوئے کرو۔ (۲:۱۳۹)

(۴۰) جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے یعنی اگرچہ کسی کام سے فائدہ بھی ہو لیکن ساتھ میں مضرت زیادہ ہو تو مضرت سے بچنے کے لئے منفعت کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ (۲:۲۱۸)

(۴۱) صحیح علم نہ رکھنے والے کو مسائل و احکام بتلانے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ (۲:۱۵۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱)

(۴۲) اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم و قدرت پر انسان کا ایمان و استحضار رہو تو انسان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو گا۔ (۶:۵۹۔ ۶۰)

(۴۳) اللہ کے حکم کے اچھے اور بہتر پہلو کی پیروی کرو۔ (۳۹:۱۸ - ۵۵)

(۴۴) اللہ سے ڈرو اور یہ سوچو کہ آخرت کے لئے کیا آگے بھیج رہے ہو۔ (۵۹:۱۸)

(۴۵) عمل صالح کرنے والے مومنین کے لئے اطمینانِ قلب اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (۳۲:۱۷)

(۴۶) حق بات کہنے والوں کے اعمال اللہ تعالیٰ سدھارتا اور سنوارتا ہے۔ (۳۳:۷۰۔ ۷۱)

(۴۷) انسان فطرتاً جذبات سے مغلوب ہونے والا اور ظلم کرنے والا ہے لیکن محض رضائے الٰہی کے لئے عدل کا راستہ اختیار کرنے والوں کا درجہ فرشتوں سے بلند ہے۔ (۳۳:۷۲) (۹۵:۴ تا ۶)

(۴۸) خوف و امید کے ساتھ اللہ ہی کو پکارنے کا حکم ہے (۷:۵۶) (۴۰:۶۰)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی واحد حاجت روا ہے وہی تمام اختیارات اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔ خلق، نعمت، امر اور قوت و اختیار صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حاجت روائی، مشکل کشائی، خبر گیری اور مستجاب الدعوات ہے۔ وہی حاکم و شارع ہے وہی مالک الملک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔ (۳۵:۳) (۱۶:۱۷ تا ۲۲۔ ۶۰) (۲۸:۷۰ تا ۷۲) (۱۱۴:۱ تا ۳) (۷:۳۔ ۵۴) (۲۱:۹۲۔ ۹۳) (۱۱:۱۲۳) (۳۰:۲۶ تا ۳۰) (۴۰:۶۱ تا ۶۵) (۴۵:۳۶۔ ۳۷) (۱۹:۶۵) (۴۳:۹) مزید تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "دعا" ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۹) اہل ایمان کو دلاسا کہ مصیبت ہٹانے پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے لیکن یہ آزمائشیں انسان کی روحانی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات

پر توکل کرتے ہوئے انہیں برداشت کرو۔ (۹:۵۱)

(۵۰) دعا میں اخفاء اور تضرع کا مقام اور اس حقیقت کا بیان کہ اللہ سے دعا کر کے کبھی کوئی محروم و مایوس نہیں رہ سکتا۔ (۱۹:۳۔ ۴) (۷:۵۵۔ ۵۶) (۱۷:۱۱۰) (۱۰:۸۹) (۷۱:۵تا۲۸) (۵۴:۹تا۱۶) (۷:۲۰۶۔ ۲۰۷) (۶:۶۳) (۵۷:۱۶) (۲۰:۷۔ ۸) (۲:۱۸۶)

(۵۱) نماز انسان کو حق اور نیکی کی طرف مائل کرتی ہے۔ (۱۴:۳۷)

(۵۲) غلط کام کر بیٹھو تو اس پر اصرار نہ کرو بلکہ اللہ کو یاد کرو اور اس کی مغفرت طلب کرو۔ (۳:۱۳۵)

(۵۳) شیطان گناہ پر ابھارے تو اللہ سے پناہ مانگو۔ (۷:۲۰۰)

(۵۴) قرآنِ مجید ہی روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج ہے۔ (۱۰:۵۷)

(۵۵) عقل و تدبر اور غور و فکر کرو اور اللہ کی دی ہوئی عقلِ سلیم استعمال کرو۔
(۳۰:۸) (۷:۱۸۴) (۶:۵۰) (۲:۲۶۶) (۳۴:۴۶) (۲:۲۱۹)
(۳:۱۹۱) (۷:۱۷۶) (۱۰:۲۴) (۱۳:۳) (۱۶:۱۱) (۳۰:۲۱)
(۳۹:۴۲) (۷:۱۶۹) (۱۰:۱۶) (۱۱:۵۱) (۲:۴۴۔ ۷۳
(۵۹:۲۱) (۴۵:۱۳) (۶:۳۲۔ ۱۵۱) (۳:۶۵۔ ۱۱۸) (۲:۷۶۔
۲۴۲) (۱۲:۲۔ ۱۰۹) (۲۱:۱۰۔ ۶۷) (۵۷:۱۷) (۴۳:۳)
(۴۰:۶۷) (۳۷:۱۳۸) (۳۶:۶۲) (۲۸:۶۰) (۸:۲۲) (۵:۵۸۔
۱۰۳) (۲:۱۶۴۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱) (۲۹:۴۳) (۱۰:۴۲۔ ۱۰۰
(۱۳:۴) (۱۶:۱۲۔ ۶۷) (۲۲:۴۶) (۲۵:۴۴) (۲۹:۳۵۔ ۶۳
(۵۹:۱۴) (۴۹:۴) (۴۵:۵) (۳۶:۴۳۔ ۶۸) (۳۰:۲۴۔ ۲۸

ان تمام آیات کے علاوہ ایک نہایت اہم آیت سورۃ الملک سے ہم نقل بھی کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

”بھلا سوچو جو شخص منہ اوندھائے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ

پانے والا ہے یا جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار راستے پر چل رہا ہو؟ ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے، مگر تم کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔ (۶۷:۲۲ - ۲۳)

اس کے علاوہ سورۂ رحمٰن (۵۵) میں اللہ تعالیٰ بار بار اپنی نعمتیں، اپنے کمالات و عجائبات، قدرتوں اور احسانات کو یاد دلا دلا کر انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ تم رب جلیل و کریم کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(۵۶) جب کسی بات پر سوچ بچار کے بعد رائے مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ و توکل کرو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (۳:۱۵۹)

(۵۷) جب کوئی کامیابی یا خوشی حاصل ہو تو پہلے سے زیادہ اللہ کی تسبیح و حمد بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ (النصر۔ ۱۱۰)

(۵۸) اخلاق فاضلہ یہی ہے کہ جب اللہ کی دی ہوئی نعمت و دولت حاصل ہو تو ہر وقت اللہ کے شکر گزار رہو اور اچھے وقت کو بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تصور کرو۔ (۸۹:۱۵)

(۵۹) جو تم سے طالبِ راہنمائی ہو اس پر خاص لطف و کرم کرو۔ (۲۶:۲۱۵)

(۶۰) اللہ تعالیٰ سے بھلائی و خیر کی دعا ہمیشہ کرتے رہو۔ (۲۸:۲۴)

(۶۱) باطنی اور روحانی پاکیزگی طلب کرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے طالبین کو پسند کرتا ہے۔ (۹:۱۰۸)

(۶۲) یسمعون (کھلے کانوں سے معقول بات سننا)، یعقلون (عقل سے کام لینا) یتفکرون (غور و فکر اور تدبر کرنا) اور تذکرون (اسرار کائنات پر غور کر کے حقیقت کو پالینا) یہ صفات ہی انسانیت کا جوہر ہیں۔ (۱۶:۶۵ تا ۶۷۔ ۹۰)

(۶۳) نیک صفاتِ اخلاق پر استقامت کی دعا کرتے رہو۔ (۳:۸)

(۶۴) احکامِ الٰہی کے طرف پاک دل، سننے والے کان، قلبِ سلیم، قلبِ متوجہ اور قلب

منیب لے کر آؤ۔ (۲۷:۵۰) (۷۹:۲۶) (۳۳:۵۰) (۱:۱۴)
(۳۵:۴۰)

(۶۵) صبر و شکر اور توکل علی اللہ فتح و کامیابی کی کلید ہیں۔ (۳:۲۰۰) (۱۲۸:۱۶)
(۳:۱۲۹۔ ۱۵۹) (۶۱:۴) (۲:۲۴۹) (۸:۱۹)

(۶۶) آزمائش میں توجہ الیٰ اللہ کرو۔ (۲:۴۵)

(۶۷) اللہ کے احکام مت چھپاؤ۔ (۲:۱۷۴۔ ۱۷۵)

(۶۸) کسی جائز کام کے لئے قسموں کو آڑ نہ بناؤ۔ (۲:۲۲۴۔ ۲۲۵)

(۶۹) دلائلِ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی غلط بات کی سخن پروری نہ کرو۔ یہ قہرِ خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ (۷:۱۰۱)

(۷۰) جو بات نہیں جانتے وہ صاحبِ علم حضرات سے پوچھ لو۔ (۱۶:۴۳)

(۷۱) اللہ کی توفیق ہی پر ہر کام کا ہونا قرار دینا درست رویہ ہے۔ (۱۸:۳۹)

(۷۲) مسارعت فی الخیرات (یعنی دوڑ دوڑ کر بھلائی کرو) (۲:۱۴۸) (۲۳:۶۱)

(۷۳) دنیا و آخرت دونوں کی سرفرازی طلب کرو۔ (۲:۲۰۱) (۳:۱۴۷)
(۱۶:۴۱) (۱۴:۲۷) (۷:۱۵۶) (۱۰:۶۴) (۴:۱۳۴)

(۷۴) اگر بتقضائے بشریت گناہ میں ملوث ہو جاؤ تو فوراً اللہ کی طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرو۔ (۳:۱۳۵ تا ۱۳۸)

(۷۵) اپنے کسی نیک عمل پر ہرگز فخر و ناز نہ کرو بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عمل صالح پر عامل رہنے کی دعا کرتے رہو۔ (۳:۱۴۶ تا ۱۴۸)

(۷۶) قوتِ ایمان انسان کو آزمائشوں سے بخوبی نکال دیتی ہے۔ (۶۴:۱۱)

(۷۷) عاجزی اختیار کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ (۲۲:۳۴۔ ۳۵)

(۷۸) اسلام کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ اہل ایمان ہر ایک کو اپنا دشمن بنالیں، عملی طور پر دین حق کی مخالفت کرنے والوں کے علاوہ ہر ایک سے دینِ اسلام نے دوستی، موالات اور صلۂ رحمی کا پیغام دیا ہے۔ (۶۰:۷ تا ۹)

(۷۹) قرآنِ حکیم ایک مسلمان میں بادلوں کی سی سخاوت، آسمان جیسی رفعت، پہاڑوں جیسا استقلال اور زمین جیسی فراخی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (۸۸:۱۷ تا ۲۰)

(ii) معاشرتی فضائل اخلاق

(۸۰) اخلاق فاضلہ یہ ہے کہ کسی کی شکل و صورت، ذہانت و فطانت، حسب و نسب اور مال و دولت پر حسد نہ کرو۔ ان جیسا بننے کی حسرت میں اپنی زندگی تلخ نہ کرو۔ یاد رکھو کہ عزت و شرف کا حقیقی معیار اور قربِ الٰہی کا صحیح راستہ صرف ذاتی جدوجہد براستہ تقویٰ میں مضمر ہے۔ (۴:۳۲)

(۸۱) حقوق العباد کی ادائیگی میں احسان و انفاق کا حکم دیا گیا ہے اور بخل، تکبر اور ریاء کی نفی کی گئی ہے۔ (۴:۳۷۔ ۳۸)

(۸۲) حق کی راہ عین ادائیگی حقوق العباد کی راہ ہے۔ (۹۰:۱۰ تا ۱۶)

(۸۳) بِر یعنی نیکی حقوق العباد کی ادائیگی کا نام ہے۔ (۲:۱۷۷)

(۸۴) حقوق العباد خود بھی ادا کرو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دو۔ قرآن ایسے خوش قسمتوں کو اصحاب الیمین کہتا ہے۔ (۳:۱۰۴) (۹۰:۸ تا ۱۸) (۸۹:۱۷ تا ۲۰)

(۸۵) حقوق العباد کا نچوڑ حکمِ خداوندی۔ (۱۶:۹۰)

(۸۶) مساکین اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم۔ (۲:۸۳۔ ۱۷۷۔ ۲۱۵) (۹:۶۰) (۱۰۷:۱ تا ۳) (۱۷:۲۶) (۲۴:۲۲) (۳۰:۳۸) (۵۱:۱۹) (۵۹:۷) (۷۰:۲۴) (۸:۴۱) (۴:۳۶) (۹۳:۱۰) (۹۰:۱۳ تا ۱۶)

(۸۷) یتیم پر سختی اور سائل کو ڈانٹنے کی ممانعت، ان کے حقوق ادا کرنے اور ان سے بہترین سلوک کرنے کا حکم اور ساتھ ساتھ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر گزاری کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۹۳:۹ تا ۱۱) (۶:۱۵۳) (۴:۲۔ ۱۰)

(۱۲۶:۴) (۸۳:۲۔ ۲۱۵۔ ۲۲۰) (۹۳:۳) (۶:۴) (۳۶:۱۷)

(۸۸) اقارب (رشتہ وار) کے حقوق اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم۔
(۷۴:۲۵ تا ۷۶) (۹۰:۱۶) (۲۲:۲۴) (۲۱:۱۳۔ ۲۲۔ ۲۵)
(۴۱:۸۔ ۷۵) (۱:۴ تا ۳ - ۳۶ - ۱۲۷) (۸۳:۲) (۲۷:۲-
۱۷۷ - ۲۱۵ - ۲۲۰ - ۲۷۷) (۹۳:۶ - ۱۵۲) (۳۴:۱۷ - ۸۹)
(۸۹:۱۷) (۱۰۷:۲) (۷۶:۸) (۵۹:۷)

(۸۹) ابن السبیل (مسافر) کے حقوق کا خیال رکھو۔ (۱۷۷:۲ - ۲۱۵)
(۲۶:۱۷) (۳۶:۴) (۴۱:۸)

(۹۰) مہمانوں کی عزت و تواضع کرو۔ (۳۷:۵۴) (۶۷:۱۵ تا ۶۹)
(۶۹:۱۱ - ۷۸) (۵۱:۲ - ۲۴) کہ یہ پیغمبرانہ صفت ہے۔ (۵۹:۱۲)

(۹۱) ہمسایہ خواہ رشتہ دار ہو یا غیر اس کے حقوق کا خیال رکھو۔
(۳۵:۴ - ۱۱۴ - ۱۲۸) (۱۴۱:۷) (۱:۸) (۹:۴۹ - ۱۰)

(۹۲) صلہ رحمی یعنی محبت اقرباء و عزیزان کا حکم - (۷۵:۸) (۱:۴ - ۳۶)
(۲۵:۱۳) (۲۷:۲) (۲۰:۱۳) (۶:۳۳) (۲۲:۴۷) (۲۳:۴۲)

(۹۳) ملازمین سے اچھی طرح پیش آؤ۔ (۳۶:۴)

(۹۴) اصلاح بین الناس کے اقدامات کرو۔ (۱۸۲:۲ - ۲۲۰ - ۲۲۴ - ۲۲۸)
(۶۰:۷) (۸۸:۱۱)

(۹۵) غیروں کو رفیق و راز دار نہ بناؤ۔ (۱۱۸:۳) (۱۴۴:۴)

(۹۶) مسلمانوں سے دوستی بڑھاؤ اور قائم رکھو۔ (۱۰۲:۳) (۶۳:۸) (۷۱:۹)
(۷۲:۸) (۶۱:۲۴) (۲۵:۲۹) (۱۰:۴۹) (۳۴:۴۱)

(۹۷) ضعیفوں اور خاص طور پر عورتوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے۔ (۲۳:۲۸ -
۲۴)

(۹۸) اہل حاجت کی بڑھ کر مدد کرو۔ (۲۷۳:۲)

(۹۹) غلام، لونڈی اور ملازم سے حسن سلوک کا حکم۔ (۱۷۷:۲) (۱۱۳:۹۰)
(۲۴:۳۲ - ۳۳) (۴:۳۶) (۴:۹۲) (۵:۸۹) (۵۸:۳)
(۹:۶۰)

(۱۰۰) ظلم سے بچو (۲:۱۱۲) (۳۰:۲۹) (۳۷:۲۲ - ۲۳) (۳:۹۳)
(۱۰:۱۷) (۱۱:۱۸ - ۱۹) (۲۴:۴۹ - ۵۰) (۳۲:۲۲) (۶:۱۵۸)
(۳۹:۳۲) (۱۲:۲۳) (۱۱:۱۱۳) (۶:۱۲۳) (۱۳:۱۶) (۳۵:۲۰)

(۱۰۱) اپنے حقوق کو معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ (۲:۲۳۷)
(۱۶:۱۲۶) (۴۲:۲۰) (۳:۱۸۶) (۳۱:۱۷) (۴۲:۴۳) لیکن ظالم پر
واضح کر دو کہ تم نے معاف کیا اور ظالم پر کوئی ملامت نہیں رہی۔ (۲۰:۹۲ -
۱۰۰)

(۱۰۲) کوئی اذیت دے تو غصے میں مشتعل نہ ہو جاؤ بلکہ دل سے معاف کر دو، احسان کا
سلوک کرو اور انتقام نہ لو۔ (۴۱:۳۴ تا ۳۶) (۳:۱۳۴ - ۱۵۹)
(۴۱:۴۲) (۴۲:۳۷ - ۴۰ - ۴۲) (۴۳:۴۰ تا ۴۲)

(۱۰۳) تم نے ایسا معاملہ کیا (یعنی معاف کر دیا اور احسان کیا) تو اللہ بھی تمہارے ساتھ
ایسا ہی معاملے کرے گا۔ (۴:۱۴۸۔ ۱۴۹) (۶:۱۲۶) (۷:۱۹۹)
(۴۱:۳۴) اور ہو سکتا ہے تمہارا دشمن ایسا رویہ اختیار کرنے پر تمہارا دوست
بن جائے۔ (۴۲:۳۶ تا ۴۳) (۵:۸)

(۱۰۴) غصے سے بچو گے تو غلط اقدام سے بھی بچ جاؤ گے۔ (۴۲:۳۷) (۲۱:۸۷)
(۳:۱۲۳ تا ۱۳۴)

(۱۰۵) ظلم و زیادتی ہونے پر انتقام لو پہل ہرگز نہ کرو۔ (۴۲:۳۹)

(۱۰۶) برائی و ظلم کا جواب برابر ہی دو ظلم نہ کرو۔ (۴۰:۴۰۔ ۴۱) (۴۲:۴۰)
(۴۲:۳۵)

(۱۰۷) تقویٰ اور نیکی میں تعاون کرو اور ظلم و تعدی میں عدم تعاون۔ (۵:۲)

(۴۸:۵)

(۱۰۸) مظلوم قیامت کو سب سے پہلے اپنی مظلومیت کی داد پائیں گے یہی اُخروی عدالت کا مزاج ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی طرف سے خود مدعی ہو گا۔ (۸:۸۱۔ ۹)

(۱۰۹) تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں متحارب گروہوں میں صلح کروا دو۔ زیادتی کرنے والا فریق اگر باز نہ آئے تو اس سے مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ عدل و انصاف کے فیصلے کی طرف رجوع کرنے کو تیار ہو جائے۔ (۴۹:۹۔ ۱۰) (۴:۳۵۔ ۱۲۸)

(۱۱۰) ظلم کا بدلہ لینا عین جائز ہے۔ (۴:۱۴۸) (۲۲:۳۹۔ ۴۰) (۲۶:۲۲۷) (۴۲:۳۹۔ ۴۱)

(۱۱۱) بدی کا بدلہ برابری کا ہے زیادہ نہیں ہے۔ (۴۲:۴۰) (۲:۱۹۴)

(۱۱۲) مظلوم کو فریاد اور داد رسی کا حق ہے۔ (۴:۱۴۸)

(۱۱۳) ظالم کا مقابلہ کرو۔ (۴۹:۹)

(۱۱۴) اپنے مالک و مربی (یہ حق تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور دنیوی معنوں میں اپنے مالک و مربی بھی شامل ہیں) سے احسان فراموشی کرنے والے ظالم ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ (۱۲:۲۳)

(۱۱۵) مظلوم بدلے کا حق رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ منصورِ حق ہونے کی قدر کرے، بدلہ لینے میں حق سے نہ بڑھے اور نعمتِ حق کو ضائع نہ کرے۔ (۱۷:۳۳)

(۱۱۶) اپنے اوپر ظلم کا بدلہ لینے والا حق بجانب ہے۔ اگر ظلم کا بدلہ لینے پر دوبارہ ظلم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ (۲۲:۶۰)

(۱۱۷) ظلم سے بچو۔ (۲:۱۱۴) (۳۰:۲۹) (۳۷:۲۲۔ ۲۳) (۳:۹۴) (۱۰:۱۷) (۱۱:۱۸) (۳۹:۳۲) (۶:۱۵۸) (۳۵:۲۰) (۱۳:۱۶)

(۱۲۳:۶) (۱۱۳:۱۱) (۲۳:۱۲) (۱۸:۱۱۔ ۱۹) (۲۴:۴۹۔ ۵۰)
(۳۲:۲۲)

(۱۱۸) فساد سے بچو اور اسے ختم کرو۔ (۲:۱۱۔ ۱۲۔ ۲۷۔ ۳۰۔ ۶۰۔ ۲۵۱)
(۷:۵۶) (۱۶:۸۸) (۱۳:۲۵) (۷:۷۴) (۲۱:۲۲) (۳۳:۷۱)
(۲۸:۸۳) (۱۱:۱۱۶) (۷:۱۰۳) (۱۰:۸۱) (۱۶:۸۸) (۲۹:۳۰)
(۵:۳۳۔ ۶۴)

(۱۱۹) اپنے اعزاء و اقربا، اولاد اور اہل و عیال کے ایمان کی فکر کرو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہو یہی انبیاء کرام کا شیوہ تھا۔ (۲۸:۱۳) (۲۵:۷۴)
(۲:۱۳۳) (۶۶:۶) (۲۶:۲۱۴) (۲۰:۱۳۲) (۴۶:۱۵) (۴:۶)

(۱۲۰) اہل ایمان کو اپنی بیویوں سے اعلیٰ درجے کے تعلقات اور حسنِ سلوک رکھنے کا حکم۔ (۶۶:۳ - ۴) (۲:۱۸۷)

(۱۲۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ماں باپ کا شکر بھی واجب ہے۔ (۳۱:۱۴)

(۱۲۲) ماں کا حق زیادہ ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت بچے کے لئے زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے۔ (۳۱:۱۴) (۱۶:۷۲ - ۷۸)

(۱۲۳) ایک دانش مند باپ کی اپنی اولاد کو پند و نصائح۔ (۳۱:۱۳ تا ۱۹)

(۱۲۴) والدین سے بہترین سلوک کرو۔ خالق و رب کے بعد والدین کا حق سب سے زیادہ ہے۔ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ والدین اللہ کی رحمت کا سایہ ہیں ذرا سی خدمت سے خوش ہو جاتے ہیں اور دعائیں دیتے نہیں تھکتے۔ اس لئے حق تعالیٰ خدمتِ والدین کا حکم دیتا ہے۔ (۶:۱۵۲) (۱۷:۲۴) (۲:۸۳) (۴:۳۶) (۱۷:۲۳)
(۲:۱۸۰۔ ۲۱۵۔ ۲۳۳) (۱۹:۱۴ - ۳۱ - ۳۲ - ۴۲ تا ۴۷)
(۱۷:۲۳ تا ۲۵۔ ۲۷) (۱۴:۴۱) + (۲۹:۸) (۴۶:۱۵ - ۱۷)
(۳۱:۱۴ - ۱۵)

(۱۲۵) والدین کو حق نہیں ہے کہ اولاد کو گمراہی پر مجبور کریں۔ (۸:۲۹) (۱۵:۳۱)

(۱۲۶) اولاد کی بہترین تربیت اور ان کی فلاح کی کوشش کرنے کا حکم۔ (۱۵۲:۶) (۴۱:۱۴) (۵:۱۹۔ ۶) (۵۵:۱۹) (۱۳۲:۲۰) (۷۴:۲۵) (۱۵:۴۶ تا ۱۸) (۳۱:۱۷) کیونکہ اولاد وہی اچھی ہے جو اخلاق کی اچھی ہو اور جس سے صلۂ رحمی متوقع ہو۔ (۸۱:۱۸)

(۱۲۷) اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (۶:۶۶) (۱۵:۳۹) (۴۵:۴۲)

(۱۲۸) رشتۂ رحم جو تمام انسانوں کا مشترکہ رشتہ ہے اس کا احترام کرو۔ (۴:۱ تا ۶)

(۱۲۹) اپنی عورتوں سے رحم و مروت اور عدل و انصاف پر مبنی سلوک کرو۔ (۱۹:۴) (۷۴:۲۵) (۲۱:۳۰)

(۱۳۰) اپنے والدین اور اولاد کے حق میں شکرِ نعمت، نیک عمل اور تابع فرمان مسلم بنائے جانے کی دعا۔ (۱۵:۴۶)

(۱۳۱) اچھی اولاد وہ ہے جو والدین کے ساتھ مشفق ہو اور پاکیزہ ہو۔ (۸۱:۸) (۳۲:۱۹) (۱۳:۱۹۔ ۱۴)

(۱۳۲) علیحدگی کی صورت میں زوجین کو حسنِ سلوک اور اخلاق برتنے کا حکم۔ (۱۹:۴ تا ۲۱) (۲۲۹:۲)

(۱۳۳) اطاعت شعار بیویوں پر دست درازی کے بہانے تلاش نہ کرو۔ (۳۴:۴)

(۱۳۴) اولاد کو اس لئے فتنہ قرار دیا گیا کیونکہ انسان ان کی خاطر ہمیشہ غلط قدم اٹھا لیتا ہے۔ (۱۴:۶۴) (۲۸:۸)

(۱۳۵) اہل ایمان کو باہم فیاضانہ برتاؤ کرنے کی تلقین۔ (۲۳۷:۲) (۲۴:۴)

(۱۳۶) اپنی نیکی پر طالبِ اجر نہ بنو۔ (۸:۷۶ – ۹) (۷۷:۲۸) (۴۶:۶۸) (۹۱:۲) (۳:۲۶ – ۱۰۹ – ۱۲۷ – ۱۴۵ – ۱۶۴ – ۱۸۰) (۲۱:۳۶) (۵۷:۲۵) (۷۲:۲۳) (۱۰۴:۱۲) (۲۹:۱۱ – ۵۱) (۷۲:۱۰) بلکہ

اہل ایمان میں باہمی الفت و محبت اجاگر کرو، اس طرح اللہ تعالیٰ نیکی پر خوبی کا اضافہ کر دیتا ہے۔ (۴۲:۲۳) (۵۷:۲۵) (۷۴:۶) (۴۴:۲۳۔ ۲۶)

(۱۳۷) ہر مسلمان بھائی کے لئے استغفار کرو۔ (۴۷:۱۹)

(۱۳۸) کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنا درست ہے۔ (۳:۷۵)

(۱۳۹) اسلام کا منشا یہ نہیں ہے کہ اہل ایمان ہر ایک کو اپنا دشمن بنالیں۔ عملی طور پر دین حق کی مخالفت کرنے والوں کے علاوہ ہر ایک سے دین اسلام دوستی، موالات اور صلہ رحمی کا پیغام دیتا ہے۔ (۶۰:۷ تا ۹)

(۱۴۰) غیر مسلموں سے دوستی نہ رکھو۔ (۵:۸۰ ۔ ۸۱) (۶۰:۱ ۔ ۴ ۔ ۸ ۔ ۹ ۔ ۱۳) (۳:۲۷ ۔ ۱۱۴ تا ۱۱۷) (۴:۷ ۔ ۸۸ ۔ ۸۹) (۹:۵۰) (۲:۱۲۰) (۵:۵۱) (۴:۱۴۴) (۲۹:۲۸) (۴:۱۳۹) (۶۳:۴) (۳:۹۹) (۵:۵۷ ۔ ۵۸) (۹:۲۳ ۔ ۲۴) (۵۸:۲۲) (۸:۸۹) (۷:۲۷) (۶۸:۸ ۔ ۹) (۶۰:۱) (۱۹:۴۵)

(۱۴۱) غیر معاندِ کافر سے دوستی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۶۰:۸ ۔ ۹)

(۱۴۲) امر بالمعروف (نیکی کی تلقین) اور نہی عن المنکر (برائیاں روکنا) کی تلقین۔ (۹:۶۷ ۔ ۷۱ ۔ ۱۱۲ ۔ ۱۱۳) (۷:۱۵۷) (۳:۱۰۴ ۔ ۱۱۰ ۔ ۱۱۴) (۳:۱۰۳) (۳۱:۱۷) (۲۲:۴۱) (۲:۲۲۴) (۴:۱۱۴) (۷:۱۹۹) (۱۵:۹۴) (۴۹:۹ ۔ ۱۰) (۹۰:۱۷) (۴۱:۳۳) (۸۷:۹) (۵۱:۵۵) (۱۱:۱۱۶) (۳۲:۲۴) (۵:۶۳ ۔ ۷۹) (۶:۲۶ ۔ ۱۶۵)

(۱۴۳) اہل ایمان کو باہم حسنِ ظن رکھنا چاہئے اس لئے کہ وہ بخوبی ایک دوسرے کا علم رکھتے ہیں کہ ان کا مومن بھائی بھی ان کی طرح اللہ کی رضا کا طالب ہے۔ (۲۴:۱۲)

(۱۴۴) انسان عدل و انصاف کے شعور اور اس کے وجوب کے ادراک سے عاری نہیں

ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی کرے۔ (۲:۸۳ - ۳)

(۱۴۵) اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت و نفرت کرو۔ (۴۳:۶۷)

(۱۴۶) ہر ایک سے نرمی سے بات کرو۔ (۲۰:۴۴) (۳:۱۵۹)

(۱۴۷) مدینہ کے اصلاحی معاشرے کی تصویر جہاں پر اہل ایمان ایک دوسرے کی مغفرت اور دلوں کو حسد سے بچاؤ کی دعا کرتے تھے۔ (۵۹:۱۰)

(۱۴۸) اپنے معاملات آپس کے مشورے سے طے کرو۔ (۴۲:۳۸) (۵۸:۹) (۵:۲) (۳۱:۱۸)

(۱۴۹) اپنے معاملات کو اپنوں سے بہتر سمجھ رکھنے والوں کے مشورے سے حل کرو تو کئی مشکلات سے بچے رہو گے۔ (۴۹:۷) (۵:۹۵)

(۱۵۰) اہم معاملات میں محض افواہوں اور غیر معتبر ذرائع سے ملنے والی خبروں پر یقین نہ کرو اور بلا تحقیق ہرگز عمل نہ کرو۔ (۴۹:۶)

(۱۵۱) دعائے باہمی ملاقات، سلام کا بہتر جواب دو ورنہ کم از کم ویسا ہی لوٹا دو۔ (۶:۵۴) (۴:۸۶) (۱۴:۲۳) (۴:۹۴) (۱۹:۴۷) (۱۱:۶۹) (۱۳:۲۴) (۲۴:۶۱) (۱۰:۱۰) (۵۱:۲۵) (۷:۴۶)

(۱۵۲) اہلِ علم خود بھی نصیحت و خیر خواہی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ (۷:۶۱ - ۶۲ - ۶۸ - ۷۹ - ۹۳) (۹:۹۱) (۶۶:۸) (۲۸:۱۲ - ۲۰) (۱۲:۱۱) (۱۱:۳۴)

(۱۵۳) تحفہ و ہدیہ کا تبادلہ کرو۔ (۲۷:۳۵ تا ۳۷)

(۱۵۴) معاشرتی ملاپ میں بردباری، احترام اور پاکیزگی کو برقرار رکھو۔ (۴:۸۶) (۲۴:۶۱) (۳۱:۱۸)

(۱۵۵) کسی کی ذمہ داری کسی دوسرے پر نہ ڈالو۔ (۶:۱۶۴) (۴:۱۱۲)

(۱۵۶) ایک دوسرے کے ہمدم اور رفیق بنو۔ (۹:۷۱)

(۱۵۷) اہل ایمان کے حق میں دعا کرو۔ (۴۷:۱۱)

(۱۵۸) اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھو۔ (۹:۱۰۳)

(۱۵۹) پرہیز گاروں اور متقین کی قیادت و سیادت کے لئے دعا کرو۔ (۲۵:۷۴)

(۱۶۰) سیاسی لیڈروں کی مطلوبہ صفات۔ (۲۶:۱۵۱ - ۱۵۲)

(۱۶۱) جس خدا نے تمہیں مال و دولت دیا اس کی مخلوق کو نہ بھولو۔ (۲۸:۷۷)

(۱۶۲) اہل ایمان کو اپنے اہل ایمان بھائیوں کے مقابلے میں کسی غیر مسلم کے قول و قرار کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ (۳:۷۳ - ۱۱۸)

(۱۶۳) ہدایت واضح ہو جانے کے بعد باہم اختلافات سے بچو نہیں تو تم میں پھوٹ پڑ جائے گی اور فلاح کے بجائے عذاب کے مستوجب ہو جاؤ گے۔ (۳:۱۰۴)

(۱۶۴) اہل ایمان کو کسی سے بے ضرورت بدزبانی اور سخت کلامی نہ کرنے کا حکم۔ (۴:۱۴۸ - ۱۴۹)

(۱۶۵) ناپسندیدہ افراد معاشرہ سے بھی حسن سلوک کرو۔ (۴:۱۹)

(۱۶۶) اپنے معاملات و معاہدات کی بنیاد باہمی رضامندی کو بناؤ۔ (۴:۲۹)

(۱۶۷) امانتیں حق داروں کو ادا کرو۔ (۴:۵۸) (۸:۲۶ تا ۲۸)

(۱۶۸) نظر بد کا اثر حق ہے، اس لئے کسی بھائی کی کوئی خوبی دیکھو تو "بارک اللہ" یا "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہو۔ (۱۲:۶۷ - ۶۸) (۱۸:۳۹)

(۱۶۹) "وقولوا للناس حسنا" یعنی حسن سلوک کا حکم۔ (۲:۸۳ - ۲۶۲ - ۲۶۳) (۴:۵ - ۸ - ۹)

(۱۷۰) دوسروں کے خلاف دل میں کدورت نہ رکھنا اہلِ جنت کی صفت ہے۔ (۱۵:۴۷)

(۱۷۱) کسی شخص کی برائی کی پردہ دری ہی کے درپے نہ رہو بلکہ اس کی نیکیوں کی بھی کھلے دل سے تحسین کرتے رہو۔ (۳:۷۵ - ۱۱۰ - ۱۱۳)

(۱۷۲) دوسروں کی بھلائی پر دل سے خوش ہو۔ (۳:۱۲۰)

(۱۷۳) افراد معاشرہ ایک دوسرے کو فضائل اخلاق کی تلقین کریں۔ (۴:۱۱۴)
(۱۷۴) حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بیان اور ان کی ادائیگی کو صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ (۶:۱۵۳)
(۱۷۵) لوگوں کے اعمال و اخلاق کو ظاہری علتوں کے ساتھ قبول کرو اور باطن کا حال اللہ پر چھوڑ دو۔ (۸:۷۰ - ۷۱) (۷:۱۹۹)
(۱۷۶) اپنے امام و اولی الامر سے اور آپس میں نزاع نہ پیدا کرو ورنہ نااتفاقی کم ہمت کر دے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (۸:۴۶)
(۱۷۷) وہ کام خود بھی نہ کرو جس سے دوسروں کو منع کرتے ہو۔ یعنی جو بات کہو اس پر عمل بھی کرو۔ (۵۳:۳۲) (۶۶:۶) (۲:۴۴) (۱۱:۸۸) (۶۱:۷۲)
(۱۷۸) خطا کاروں اور مجرمین سے بھی شفقت و ہمدردی اور حسن اخلاق کا معاملہ کرو۔ (۱۲:۳۶ تا ۴۱)
(۱۷۹) بہترین گفتار اور بات چیت سے اللہ کی طرف دعوت دو۔ (۴۱:۳۳) (۱۶:۱۲۵) (۲۰:۴۴) (۲۹:۴۶)
(۱۸۰) بحث و مجادلے میں کسی کو قائل کرنے سے پہلے اپنی اور دوسرے کی مشترکہ باتوں پر زور دو۔ (۳:۶۴)
(۱۸۱) اگر کسی بھائی کی برائی یا کمی کو جتلانا ہو تو اسے براہ راست مخاطب نہ کرو۔ (۲۶:۲۲) (۷:۱۷۵ تا ۱۷۷)
(۱۸۲) شاگرد کے لئے استاد کی عزت و تکریم اور اتباع فرض ہے۔ (۱۸:۶۷ تا ۶۹)
(۱۸۳) خدمت خلق سے اللہ تعالیٰ فلاح دین و دنیا کی راہیں کھول دیتا ہے۔ (۲۸:۲۳ تا ۲۸)
(۱۸۴) روابط معاشرت کا انقطاع نظام تمدن و اخلاق کی تباہی کا باعث ہوتا ہے قرآن حکیم نے اس کو فساد سے تعبیر کیا ہے۔ (۲:۲۷)

(۱۸۵) اجتماعی اخلاق میں احسان و انفاق کی اہمیت۔ (۱۹۵:۲) (۹۰:۱۶) (۲۱۵:۲)

(۱۸۶) پڑھے لکھے شخص کی اخلاقی ذمہ داری کیا ہے؟ (۲۸۲:۲)

(۱۸۷) باہم صلح اور اصلاح پسندی کی راہیں تلاش کرو اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ (۳۵:۴)

(۱۸۸) اسلام نے بین الاقوامی میدان میں کس اخلاق کی تلقین کی ہے۔ (۵۸:۸)

(۱۸۹) زندہ یا مردہ مسلمان بھائی کے لئے دل میں بغض نہ رکھو۔ (۱۰:۵۹)

(۱۹۰) غیر مسلموں سے اچھا سلوک کرو ان کے معبودوں کے حق میں گستاخی نہ کرو۔ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرو۔ (۱۰۹:۶) (۴۰:۲۲) (۸۳:۲) (۱۶۴:۴) (۳۶:۱۶)

(۱۹۱) دوسروں کو نصیحت کے ساتھ اپنی بھی اصلاح کرو، مداہنت ہرگز نہ برتو۔ (۱۰۵:۵) (۴۴:۲) (۲:۶۱) (۲۲:۵۳)

(۱۹۲) اہل ایمان کی باہمی دوستی (۵۴:۵ تا ۵۶) (۲۹:۴۸) (۷۲:۸) (۷۱:۹) (۱۰۳:۳) (۶۴:۸) (۹۶:۱۹) (۱۰:۴۹)

(۱۹۳) اصلاح بین الناس اور بھلائی کے کاموں میں خفیہ مشورے کی اجازت ہے۔ (۱۱۴:۴) (۹:۵۸ - ۱۲ - ۱۳)

(۱۹۴) باہمی عداوت خواہ شخصی ہو یا قومی اس سے بچو۔ (۳۶:۲ - ۳۷) (۵۳:۱۷) (۶:۳۵) (۲۴:۷) (۱۱۷:۲۰ - ۱۲۳) (۱۴:۵ - ۶۴) (۹۰:۱۸)

(۱۹۵) تہمت سے بچنے کے اسباب و علاج۔ (۲۷:۲۴ تا ۲۹)

(۱۹۶) دینی معاملات میں کسی پر جبر نہ کرو۔ (۶۶:۶ - ۱۰۵ - ۱۰۸) (۸۶:۱۱) (۴۱:۳۹) (۴۳:۲۵) (۵۴:۱۷) (۱۰۸:۱۰) (۲۱:۸۸ تا ۲۶) (۶:۴۲) (۸۰:۴)

(۱۹۷) جب کوئی معاشرہ اخلاق و اعمال کے فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے ذلت و مسکنت کی پستیوں میں گرا دیا جاتا ہے اور پھر ان ہی میں سے صالح افراد معاشرہ کو آگے لایا جاتا ہے۔ (۳۸:۴۷) (۳۹:۹) (۱۳۳:۴) (۱۰۵:۲۱) (۱۱۴:۳)

(۱۹۸) عہد پورا کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (۷۶:۳)

(۱۹۹) اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو جو توڑتا ہے نقضِ عہد کا وبال اسی پر ہے۔ (۱۰:۴۸) (۲۷:۸) (۹۲:۱۶) (۸:۹ تا ۱۰ - ۱۲)

(۲۰۰) عہد و معاہدات کو پورا کرو۔ (۱:۵) (۱۷۷:۲)

(۲۰۱) جب دو افراد باہمی رضامندی سے عہد کرتے ہیں تو گویا وہ اللہ سے عہد کرتے ہیں۔ (۱۵:۳۳)

(۲۰۲) ایفائے عہد پسندیدہ اخلاقی صفت ہے۔ (۹۵:۱۶) (۷۶:۳ - ۱۸۶) (۹۱:۱۶ - ۹۵) (۴:۹ - ۷) (۴۰:۲) (۱:۵) (۱۵۶:۶) (۱۷۲:۷ - ۱۷۳) (۳۴:۱۷) (۱۵:۳۳) (۱۷۲:۲) (۷۵:۳) (۱۹:۱۳ - ۲۰ - ۲۵) (۱۰:۴۸) (۱۱۱:۹) (۷۶:۹) (۲۵:۲) (۳۲:۷۰ - ۳۵) (۸:۲۳ - ۱۰ - ۱۱) (۲:۶۱ - ۳) (۲۵:۱۳) (۱۵۵:۴) (۱۳:۵) (۸:۹ تا ۱۰ - ۱۲ - ۱۳)

(۲۰۳) سچی گواہی دینے کا حکم۔ (۲:۶۵) (۱۳۵:۴) (۸:۵) (۱۴۰:۲ - ۲۸۳) (۷۲:۲۵) (۳۳:۷۰)

(۲۰۴) عدل و انصاف کرنے کا حکم۔ (۲۵:۵۷) (۵۸:۴ - ۱۰۵ - ۱۲۲ - ۱۳۵) (۲۶:۳۸) (۹:۴۹) (۱۵:۴۲) (۹۰:۱۶) (۸:۵ - ۱۸ - ۴۲ - ۴۵) (۱۵۳:۶ - ۱۶۳) (۷:۵۵ تا ۹) (۱۸۲:۲۶) (۳۵:۱۷) (۴۵:۵) (۸۵:۱۱) (۱۹:۷ - ۲۹) (۱۹۰:۲ - ۱۹۴) (۲۵:۵۷)

(۲۰۵) کھلا عہد و پیمان ہو یا بطور امانت کوئی ذمہ داری ہر حال میں ایفاء کرو۔

(۷۶:۳)

(۲۰۶) بد عہد بدترین مخلوق ہیں وہ کسی قرابت و تعلق کا لحاظ نہیں کرتے، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ہوتا ہے، ان سے اعلانِ برأت۔ (۵۶:۸) (۹:۸ تا ۱۰)

(۲۰۷) اللہ اور اس کے بندوں سے کیے گئے عہد و پیمان مکمل تقاضوں کے ساتھ پورے کرو (۹۱:۱۶ تا ۹۶) (۲۰:۱۳ - ۲۱)

(۲۰۸) عہد کا سچا ہونا انبیاء کرامؑ علیہم السلام کی صفت ہے۔ (۵۴:۱۹)

(۲۰۹) گواہ کو ستایا نہ جائے۔ (۲۸۲:۲)

(۲۱۰) گواہ کے معتبر ہونے میں ان کے اخلاق و سیرت کا لحاظ کرو۔ (۲۸۲:۲)

(۲۱۱) ہمیشہ بھلائی کی سفارش کرو۔ (۸۵:۴)

(۲۱۲) انصاف و عدل میں تعصب کو نہ داخل کرو۔ (۱۰۵:۴ تا ۱۰۸) (۱۵۲:۶)

(۲۱۳) اللہ کے لئے اور انصاف کے لئے گواہی اور شہادت دو۔ (۱۳۵:۴) (۸:۵)

(۲۱۴) قومی مفاد کے لئے عہد شکنی کی مذمت۔ (۹۲:۱۶)

(۲۱۵) مذہبی بہانوں سے عہد شکنی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ (۹۳:۱۶)

(۲۱۶) اہل ایمان عہد شکنی پر دوہرے جرم کے سزاوار ہیں۔ (۹۴:۱۶)

(۲۱۷) شہادت چھپانے والوں کا دل گناہ آلود ہے۔ (۲۸۳:۲) (۱۳۵:۴) (۸:۵)

(۲۱۸) ان مجالس میں نہ بیٹھو جہاں پر آیات و احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ بروں کی صحبت سے بچو اور ان کی مجالس میں نہ بیٹھو ورنہ ان جیسے ہو جاؤ گے۔ (۱۴۰:۴) (۶۹:۶ تا ۷۱) (۵۵:۲۸) (۷۲:۲۵) (۱۱۳:۱۱) (۱۳۴:۳) (۱۲۵:۱۶)

(۲۱۹) ہم مجلس کے حقوق کو اللہ تعالٰی نے حقوق العباد میں شامل کیا ہے۔ (۳۶:۴)

(۲۲۰) کسی کے گھر دعوت پر جاؤ تو نہ ہی بہت پہلے جا بیٹھو اور نہ ہی کھانے کے بعد بلا ضرورت ٹکے رہو۔ (۵۳:۳۳)

(۲۲۱) کسی کے گھر جانے کے آداب۔ (۲۷:۲۴ تا ۲۹)

(۲۲۲) کسی شخص کے سر پر ہمیشہ ہی سوار نہ رہو بلکہ اسے ذاتی معاملات اور حوائج ضروریہ کے لئے بھی وقت دو۔ (۵:۴۹)

(۲۲۳) اجتماعی محفل میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب (۷:۵۸ - ۹ تا ۱۲) (۲۹:۲۹) (۲:۴۹) (۲۷:۲۴) (۵۳:۳۳)

(۲۲۴) خلوت (Privacy) کی اہمیت۔ (۵۸:۲۴ - ۵۹)

(۲۲۵) قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے گھر کھانا کھانے جاؤ تاکہ معاشرے میں اخلاق فاضلہ کو ترقی اور محبت والفت کو فروغ ملے۔ (۶۱:۲۴)

(۲۲۶) مجلس میں کوئی آجائے تو اس کے لئے جگہ بناؤ۔ (۱۱:۵۸)

(۲۲۷) تقریر وخطبہ کے آغاز میں اللہ کی حمد اور اللہ کے انبیاء پر سلام وصلوٰۃ سے تقریر کا آغاز کرو۔ (۵۹:۲۷)

(۲۲۸) اگر گھر میں باجازت غیر مرد موجود ہوں تو گھر کی عورتوں کو کیا احتیاطیں کرنی چاہئیں۔ (۳۱:۲۴)

(۲۲۹) راہ چلتے عورتیں بھی اور مرد بھی نگاہیں قابو میں رکھیں۔ (۳۰:۲۴ - ۳۱) (۱۹:۴۰)

(۲۳۰) مجلس کی برخاستگی کا اعلان ہو تو اٹھ جاؤ۔ (۱۱:۵۸)

(۲۳۱) محفل میں ناشائستہ حرکات نہ کرو۔ (۲۹:۲۹)

(۲۳۲) کسی کے بلانے پر جاؤ تو اس کی اجازت ہی سے واپسی اختیار کرو۔ (۶۲:۲۴)

(۲۳۳) کسی کے گھر سے باہر کھڑے ہو کر چیز مانگو اندر نہ گھس جاؤ۔ (۵۳:۳۳)

(۲۳۴) کون سے گھروں سے بلاتکلف کھانے کی اجازت ہے۔ (۶۱:۲۴)

(۲۳۵) خواہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ (۶۱:۲۴)

(۲۳۶) جب کسی کے گھر جاؤ تو اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرو۔ (۶۱:۲۴)

(۲۳۷) کسی ساتھی کے ایمان پر شک نہ کرو۔ (۹۴:۴)

(۲۳۸) جہاد اسلامی اور کسی بھی معاشرتی جدوجہد میں پیش نظر اخلاقی مقاصد۔
(۷۵:۴ - ۷۶ - ۸۸ تا ۹۰ - ۹۴) (۳۹:۸) (۱۹۰:۲ تا ۱۹۴ -
۲۰۵ - ۲۱۷) (۳۹:۲۲ تا ۴۱) (۴۵:۸ تا ۴۷) (۶:۹) (۱۲۶:۶)
(۶۰:۲۲) (۲۹:۲۷) (۶۰:۳۳ - ۶۱)

(۲۳۹) اصلاح کرنے کا حکم۔ (۱۱۴:۴) (۵۶:۷) (۸۸:۱۱) (۱۵۲:۲۶)
(۸۵:۷) (۲:۴۷) (۱۵:۴۶) (۱:۸) (۳۳:۷۱) (۵:۴۷)

(۲۴۰) اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ۔ (۲۸۲:۲) (۱۲۲:۹)

(۲۴۱) اہل ایمان کو سچ اور سچوں کا ساتھ دینا چاہئے۔ (۱۱۹:۹) (۸:۳۳)
(۳۲:۳۹ تا ۳۵) (۲۳:۳۳ - ۲۴ - ۳۵) (۵۴:۵۴ - ۵۵)
(۲:۱۰) (۱۵:۴۹) (۸:۵۹) (۵:۹۲ تا ۷) (۴۱:۱۹ - ۵۰ - ۵۴ -
۵۷) (۱۷۷:۲) (۸۰:۱۷) (۹۳:۱۰) (۳:۲۹) (۴۳:۹)
(۱۱۹:۵) (۱۶:۳) (۸۳:۲۶) (۲۱:۴۷)

(۲۴۲) نیکیوں کے لئے بھاگ دوڑ کرنے کا حکم و ہدایت۔ (۱۴۸:۲) (۱۱:۴۶)
(۱۵:۲۰) (۹۰:۲۱ - ۹۴) (۶۰:۲۳ - ۶۱) (۳۲:۳۵) (۱۱۳:۳ -
۱۳۲) (۲۲:۷۶) (۹:۶۲) (۲۱:۵۷) (۴۸:۵) (۱۰۰:۹)
(۱۹:۱۷) (۳۵:۷۹) (۸:۸۰ تا ۱۰) (۸:۸۸ - ۹)

(۲۴۳) اخلاق کمال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی شیخی و وقار کو دل سے نکال دو۔
(۲۰۶:۲)

(۲۴۴) اہل ایمان کو ثبات (قائم اور مستحکم) رہنے کا حکم۔ (۳۰:۴۱) (۱۴۷:۳ -
۱۵۹) (۲۷:۱۴) (۷:۴۷) (۴۵:۸) (۱۳:۴۶) (۲۵۰:۲)
(۷۴:۱۷) (۹۴:۱۶)

(۲۴۵) انابت الی اللہ (یعنی اللہ اور حق کی طرف رجوع کرو) (۷:۱۶۸) (۴۲:۱۰)
(۶۰:۴) (۱۱:۷۵) (۳۹:۱۷ - ۵۴) (۷:۱۷۴) (۳۰:۳۱)
(۴۰:۱۳) (۱۱:۸۸) (۳۸:۲۴) (۴۲:۱۳) (۱۳:۲۵)
(۶۸:۳۲) (۴۶:۲۷) (۴۳:۲۸) (۹:۵۹)

(۲۴۶) ایثار کرنے کا حکم۔ (۳:۹۱) (۶۴:۱۹) (۹:۲۴) (۵۹:۹)

(۲۴۷) اللہ احسان کرنے والے کے قریب ہے۔ (۷:۵۶) (۲:۱۹۵)

(۲۴۸) احسان کرنے والے کا اجر اللہ بڑھا دیتا ہے۔ (۲:۵۸)

(۲۴۹) احسان کا رویہ اپناؤ (۲:۲۳۷)

(۲۵۰) جب بھی الگ ہو کر کوئی بات کرو گناہ اور زیادتی کی بات نہ کرو بلکہ تقویٰ اور نیکی کی بات کرو۔ (۵۸:۹)

(۲۵۱) ایک دوسرے کو برے کام سے نہ روکنا یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۵:۷۹)

(۲۵۲) کسی کی محبت کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ مداہنت کر کے اسے خدا کے غضب کے حوالے کر دیا جائے بلکہ انہیں مناسب طریقے سے سیدھا راستہ دکھاؤ۔
(۷:۱۶۴ - ۱۶۵) (۶۶:۱ تا ۶)

(۲۵۳) سرگوشیوں اور کانا پھوسیوں کی مذمت۔ (۷:۵۷ - ۸) (۴:۱۱۱)
(۵۸:۹ - ۱۰ - ۱۲) (۲۱:۳) (۶۲:۲۰) (۱۷:۴۷)

(۲۵۴) عورتوں کو غیر مردوں کے ساتھ نرم لہجہ اختیار نہ کرنے کا حکم تاکہ ان کے دل کا چور انہیں غلط فہمی میں مبتلاء نہ کر دے۔ (۳۳:۳۲)

(۲۵۵) عزم اور صبر و تحمل کی ہدایت۔ (۳:۱۵۸) (۴۷:۲۱) (۳۱:۱۷)
(۴۲:۴۳) (۴۶:۳۵) (۲۰:۱۱۵) (۳:۱۸۵)

(۲۵۶) ثابت قدمی کی دعا اور ثابت قدمی کے وسائل۔ (۴:۶۶) (۱۶:۱۰۲)
(۱۶:۹۴) (۸:۴۵) (۱۴:۲۷) (۱۱:۱۲۰) (۸:۱۱ - ۱۲) (۱۶:۷۴)

(۳۲:۲۵) (۷:۴۷)

(۲۵۷) رازداری رکھنے کا حکم۔ (۳:۲۲)

(۲۵۸) سائل کے ساتھ غصہ نہ کرو درگزر کرو۔ (۳:۱۳۳ - ۱۳۴)

(۲۵۹) قسم کھا بیٹھو تو پھر اس کی حفاظت کرو۔ (۵:۸۹)

(۲۶۰) کسی کام کے ارادے پر انشاء اللہ کہو اگر بھول جاؤ تو یاد آنے پر کہو۔

(۱۸:۲۳) (۱۰:۲۵) (۱۲:۹۹) (۱۱:۳۳) (۹:۲۸) (۶:۴۱)

(۱۸:۲۳ - ۶۸) (۷:۸۹) (۲۸:۲۷) (۳۳:۲۴) (۳۷:۱۰۲)

(۴۸:۲۷) (۶۸:۱۷ - ۱۸ - ۲۶ - ۲۸)

(۲۶۱) عطائے نعمت اور کسی کام ہو جانے پر "الحمد للہ" کہو اور اللہ کی حمد بیان کرو۔

(۱۱:۶۹) (۲۳:۲۸) (۲۷:۵۹) (۱۰:۱۰) (۱:۱) (۲۷:۹۳)

(۱۷:۱۱۱) (۲۹:۶۳) (۳۱:۲۵)

(۲۶۲) کسی بھی بڑے کام سے پہلے اس کی کامیابی کی دعا کرو۔ (۱۷:۸۰)

(۲۶۳) ہر کام کو "بسم اللہ" یعنی اللہ کا نام لے کر شروع کرو (۱۱:۴۱) (۱۱:۶۹)

(۹۶:۱) (۲۷:۴ - ۳) ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے (آغاز سورۂ فاتحہ) ۔ ابتدائے وحی بھی اللہ کے نام سے ہوئی "اقرا باسم ربک الذی خلق"، حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے تو انہوں نے اللہ کا نام لیا۔ (ھود ۱۱:۴۱) پھر کشتی سے اترے تو اللہ کا نام لیا۔ (ھود ۱۱:۴۸)، حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو خط لکھا تو اس کا سرنامہ بسم اللہ سے شروع ہوا۔ (نمل ۲۷:۳۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کام بھی اللہ کے نام کے بغیر شروع ہو گا ناکامی سے ہم کنار ہو گا۔

(۲۶۴) ہر کام میں اللہ کی مشیت و تائید چاہنے کا طریقہ۔ (۷:۸۹)

(۲۶۵) قول معروف (خوش اخلاقی) اور قول سدید (سیدھی بات) کا حکم۔

(۴:۸ - ۹)

(۲۶۶) جس بات کا علم نہ ہو، جس کی تحقیق نہ کی ہو یا جس بات سے کوئی مطلب نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ (۳۶:۱۷)

(۲۶۷) بری بات (سیئات) کے جواب میں احسن و بہتر بات کہو۔ غیض و غضب اور غصہ کی حالت میں شیطان انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہنے دیتا۔ اس سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگو۔ (۹۶:۲۳ - ۱۰۰)

(۲۶۸) مقام ادب پر جوتے اتارنا ادب کا تقاضا ہے۔ (۱۲:۲۰)

(۲۶۹) اخلاقی حقیقت ہے کہ، خود غرضی، بخل اور تنگ دلی میں اللہ بے برکتی دیتا ہے اور فراخ دلی اور فیاضی میں برکت دیتا ہے۔ (۲۷۶:۲ - ۲۷۹ - ۲۸۰) (۱۳۰:۳ تا ۱۳۸)

(۲۷۰) لباس ستر پوشی، زیب و زینت کا ذریعہ اور پسندیدہ ہے۔ (۲۶:۷ - ۳۲)

(۲۷۱) حدود اللہ کی حفاظت کا حکم۔ (۱۱۲:۹) (۸۷:۵) (۵۵:۷) (۱۷۸:۲ - ۱۹۰ - ۱۹۴)

(۲۷۲) حسنات (نیکیاں) کرنے کا حکم۔ (۴۰:۴) (۲۶:۱۰) (۵۴:۲۸) (۲۳:۴۲) (۱۲۸:۱۶) (۵۶:۷)

(III) معاشی فضائلِ اخلاق

(۲۷۳) ہر حال میں شکر کرو اور دنیا میں تنگیٔ رزق سے پریشان نہ ہو، اللہ کی عبادت کرو وہ ضرور فراخی دے گا۔ (۹۴:۷ - ۸) (۱۷۷:۲) (۲۸:۹) (۹:۱۰ تا ۱۱)

(۲۷۴) حب (مال) دنیا پر قابو پانے کے لئے نماز اور صبر سے مدد لینے کا حکم۔ (۴۳:۲ تا ۴۶ - ۱۷۷)

(۲۷۵) اللہ کی راہ میں اپنے مال کا بہترین حصہ دو یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ سوچ لو اگر تم لینے والے ہوتے تو اسے لینا پسند کرتے یا نہ کرتے۔ یعنی ردی مال اللہ کی راہ میں

ہرگز نہ دو۔ (۲:۱۷۷ - ۲۶۷ - ۲۷۱) (۳:۹۲ - ۱۱۷) (۵:۸۹)
(۸:۷۶) (۹:۵۹)

(۲۷۶) یتیم پر مال خرچ کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کی عزت اور تکریم بھی کرو۔
(۸۹:۱۷)

(۲۷۷) سود خوروں کی انسانیت کش حرکات کے مقابلے میں اہل ایمان کو مقروض سے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ مقروض اگر تنگ دست ہو تو اسے فراخی اور آسودگی تک مہلت دو اور اگر قرض معاف کر دو تو بہتر ہے۔ (۲:۲۸۰)

(۲۷۸) انفاق نہ صرف خود ہی کرو بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے رہو۔
(۸۹:۱۸)

(۲۷۹) دنیوی دولت پانے والوں کے لئے قرآن کی ہدایات۔ (۲۸:۷۶ تا ۷۸)

(i) دولتِ دنیا پر اتراؤ نہیں کہ اللہ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(ii) دولت دنیا کو دارِ آخرت کی کمائی کے لئے استعمال کرو اور دنیا کا حصہ بھی نہ بھولو۔

(iii) بندگانِ خدا سے اسی طرح بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔

(iv) اللہ کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(v) مالِ دنیا کو اپنے کسب و مہارت کا کمال نہ سمجھو۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ اعمال و دل کو دیکھتا ہے۔"

(۲۸۰) دولت و عزت کی دنیا کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنے کا قدیم شیطانی فریب۔
(۳۴:۳۴ تا ۳۸) (۹:۵۵ - ۸۵) (۲۳:۵۵)

(۲۸۱) تنگی کی حالت میں بھی بقدرِ حیثیت و حالات اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو. خرچ

کرنے کی مبارک عادت فنا بھی نہ ہو گی اور اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ فراخی بھی عطا فرما دے گا۔ (۱۳۴:۳) (۲:۶۵ - ۳ - ۷)

(۲۸۲) صدقہ و خیرات کے معاملات میں خفیہ مشوروں اور تدابیر کی اجازت۔ (۱۱۴:۴)

(۲۸۳) شرافت و ذلالت کا معیار دنیوی امارت و غریب کو سمجھنا انسانیت اور اخلاقیات کی توہین ہے، کسی کے پھٹے اور خستہ حال کپڑے دیکھ کر اسے ذلیل و حقیر سمجھنا غلط ہے کیونکہ بسا اوقات ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مقبول و مقرب ہوتے ہیں۔ (۲۸:۱۲) (۱۱۱:۲۶ تا ۱۱۵) (۵۲:۶ - ۵۳)

(۲۸۴) وزن پورا لینا اور دینا میدان حشر میں میزان خداوندی کی صفت ہے، تم بھی ایسا ہی کیا کرو کسی کو نقصان نہ دو یہی ہر ایک کے لئے بہتر ہے۔ (۵۹:۱۲) (۱:۸۳ تا ۳) (۱۸۱:۲۶) (۸۵:۷) (۳۵:۱۷) (۱۵۲:۶) (۸:۷) (۸۴:۱۱ تا ۹۴)

(۲۸۵) انفاق ایسے کرو کہ صرف پاکیزگی حاصل کرنے کی نیت ہو، اللہ کی خوشنودی اور خوفِ آخرت ہی پیش نظر ہو، ریا و نمائش کا شائبہ تک نہ ہو۔ (۲۱:۹۲) (۴۲:۳۸)

(۲۸۶) دنیا کی آسودگی تمہیں گناہ پر ہرگز مائل نہ کرے۔ (۴۵:۵۶ - ۴۶)

(۲۸۷) تقسیم وراثت کے وقت وسعتِ قلب کا مظاہرہ کرو۔ (اس حکم کو محدود معنوں میں نہ لیں بلکہ اس کے وسیع دائرے میں ہر قسم کے کاروباری اور معاشی معاملات میں وسعتِ قلب کا مظاہرہ شامل ہے) (۸:۴)

(۲۸۸) معاشی معاملات اور وصیت میں کسی کی حق تلفی نہ کرو۔ (۱۲:۴)

(۲۸۹) دنیوی نعمتیں نہ فخر کرنے کی چیز ہیں اور نہ ہی ان کا چھن جانا کوئی رنج کا مقام ہے۔ (۲۳:۵۷)

(۲۹۰) اللہ کا فضل تلاش کرو اور تلاشِ رزق اور فکرِ روزگار کے دوران اللہ تعالیٰ کو

کثرت سے یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب و سرفراز فرمائے گا۔ (۱۰:۶۲)

(۲۹۱) مال و اولاد ایک فتنہ و آزمائش ہیں جن سے بچنے کا طریقہ عفوو در گزر، تقویٰ نفس کے بخل سے بچنا اور بہترین مال انفاق کرنا ہے۔ (۱۴:۶۴ تا ۱۸) (۷۵:۹ تا ۷۷) (۱۰:۶۳) (۷۶:۲۸ تا ۷۸) (۴۹:۳۹ - ۵۰)

(۲۹۲) اگر انسان صراط مستقیم پر چلے تو اللہ اسے دنیا میں وسعتِ رزق اور مالِ کثیر عطا فرمائے گا۔ (۱۷:۷۲)

(۲۹۳) کسی کی خوشحالی اور مالی آسودگی دیکھ کر کینہ و حسد نہیں کرنا چاہئے بلکہ مہر و محبت سے دل کو معمور کر کے اپنے لئے اور اس کے لئے اللہ سے اور زیادہ بخشش کی دعا کرنی چاہئے۔ (۱۰:۵۹) (۳۲:۴)

(۲۹۴) کائنات کے خزانے اللہ کے پاس ہیں کوئی انسان دوسرے کا رازق نہیں ہے۔ (۷:۶۳)

(۲۹۵) امانتیں ادا کرنے کا حکم۔ (۲۸۳:۲) (۵۸:۴) (۸:۲۳) (۳۲:۷۰) (۲۶:۲۸) (۳۹:۲۷) (۵۱:۴۴) (۲۷:۸) (۷۲:۳۳)

(۲۹۶) اخراجات میں اعتدال رکھو نہ اسراف ہو نہ تبذیر نہ بخل، کیونکہ مسرف و فضول خرچ نہ دوسروں کے حقوق اور نہ ہی اپنی خواہشات پوری کر سکتا ہے۔ (۲۶:۱۷ تا ۳۰) (۱۴۱:۶) (۶۷:۲۵) (۲۱۹:۲) (۲۹:۷ - ۳۱ - ۳۶)

(۲۹۷) فیاضی، تواضع اور سخاوت اللہ کو پسند ہے۔ (۲۷۴:۲) (۲۶:۱۷)

(۲۹۸) مال و دولت اللہ کا احسان ہے نہ کہ انسان کا کمال۔ (۷۸:۲۸)

(۲۹۸) قارون کی دولت دیکھ کر طالبینِ دنیا اسے نصیب ور کہتے تھے اور اپنے لئے بھی وہی طلب کرتے تھے۔ لیکن صاحب علم و حکمت حضرات ایسا ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ (۷۹:۲۸ - ۸۰)

(۳۰۰) مال و دولت انسان کے لئے آزمائش ہے۔ (۱۸۶:۳)

(۳۰۱) انفاق فی سبیل اللہ کو احادیث میں راس الصفات کہا گیا ہے اس لئے رضائے الٰہی ہی کے لئے خرچ کرو، من اذیٰ (یعنی احسان جتلانے اور دکھ دینے) اور ریاء سے ہرگز کام نہ لو۔ (۲:۲۶۳ - ۲۶۶)

(۳۰۲) اظہارِ جمال و زینت کا جواز اپنے دل کی خوشی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے جبکہ تفاخر و تکبر ممنوع ہے کیونکہ اس کی بنیاد اپنے آپ کو حق دار اور دوسروں کو حقیر جاننا ہے۔ (۱۶:۸ - ۱۴) (۱۶:۲۲ - ۲۳)

(۳۰۳) اپنے نفس کو خیرات و صدقات کی برکات سے ترقی دو۔ (۲۳:۴)

(۳۰۴) جنہیں اللہ تعالیٰ نے وسعتِ رزق دیا ہے انہیں چاہئے کہ کمزوروں کی دست گیری کریں۔ اگر انہیں کسی سے ذاتی تکلیف پہنچی ہو تب بھی معاف کر دیں اور اس کی دست گیری جاری رکھیں۔ (۲۴:۲۲)

(۳۰۵) اہل ایمان راہبوں کا گروہ نہیں ہے وہ دنیوی معاملات یعنی بیع و تجارت بھی کرتے ہیں، لیکن مشاغلِ دنیا انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ (۲۴:۳۶ تا ۳۸)

(۳۰۶) کسی سے کام کرواؤ تو اس کی اجرت فوراً ادا کرو۔ (۲۸:۲۵)

(۳۰۷) کسی نقصان اور مصیبت و آزمائش پر غم نہ کرو۔ (۹:۴۰) (۲۹:۳۳) (۲۰:۴۰) (۲۸:۷) (۲۷:۷۰) (۱۶:۱۲۷) (۱۵:۸۸) (۱۲:۸۶) (۱۲:۶۹) (۳:۱۵۲ - ۱۵۳) (۲۱:۸۷ - ۸۸)

(۳۰۸) کسی مالی مجبوری کے تحت کسی حاجت مند کو دے نہ سکو تو روکھا جواب نہ دو بلکہ ہمدردی کے ساتھ آئندہ سہولت تک کے لئے نہایت عجز اور انکساری کے ساتھ اپنی مجبوری کا ذکر کرو۔ (۲:۲۶۳) (۱۷:۲۸)

(۳۰۹) صدقات سے اخلاقی آلودگیاں دور ہوتی ہیں۔ (۲:۲۷۱)

(۳۱۰) اہل ایمان اور دولت پرستوں کے اخلاق میں فرق۔ (۱۱:۹ - ۱۰) (۷:۴۳ - ۴۴)

(۳۱۱) اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرو کسی پر احسان دھرنے کے لئے نہیں۔ (۷۴:۶ - ۷) (۷۶:۹ - ۱۰) (۹۲:۱۸ تا ۲۱)

(۳۱۲) حاجت مند، سائل اور مسکین سے حسن سلوک کرو۔ (۲:۸۳) (۹۳:۱۰) (۲:۲۶۳ - ۲۶۴)

(۳۱۳) مومن بخیل نہیں ہو سکتا۔ (۹:۵۹) (۴۷:۳۷ - ۳۸)

(۳۱۴) مال و دولت دنیا کی زینت ہیں انہیں وجہ تفاخر و استکبار نہ بناؤ۔ (۲۶:۸۸) (۷۴:۱۳) (۷۱:۱۲) (۶۸:۱۴) (۲۶:۱۳۳) (۱۸:۴۶) (۱۷:۶) (۱۶:۷۲) (۳:۱۴) (۸۰:۳۶) (۷۰:۱۱)

(۳۱۵) دنیوی مال و دولت کو قرآن نے "خیر" کہا ہے یعنی دنیوی دولت فی نفسہٖ ایک ناپاک اور ناپسندیدہ چیز نہیں ہے۔ (۲:۱۸۰) (۱۱:۸۴)

(۳۱۶) اخلاص للہ صدقہ و انفاق کے قبول ہونے کی شرط اول ہے۔ (۲:۲۶۶)

(۳۱۷) رہن رکھی چیز کو شرائط پوری ہونے پر فوراً واپس کر دو۔ (۲:۲۸۳)

(IV) ذاتی فضائل اخلاق

(۳۱۸) عزم اور قوت ارادی کی پختگی (Will Power) پیدا کرو کہ انسان کا اولین گناہ اسی کمزوری کی وجہ سے سرزد ہوا تھا۔ (۲۰:۱۱۵)

(۳۱۹) صحبت کا اثر انسان کے اخلاق پر ہوتا ہے اس لئے اچھی صحبت اختیار کرو۔ (۴:۱۴۰)

(۳۲۰) پست اور دھیمی آواز سے گفتگو انسان کے اندر اتقاء پیدا کرتی ہے بلاضرورت اونچی آواز سے گفتگو کرنے والے اخلاق فاضلہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ رفیع الصوت حضرات تکبر اور فساد علم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (۴۹:۳) (۳۱:۱۸ - ۱۹)

(۳۲۱) شیریں زبان بنو اور بد مزاجی نہ کرو۔ (۳۱:۱۸) (۵۷:۱۶) (۲۵:۶۳)

(۳۴:۲۲ - ۳۵)

(۳۲۲) بات کو حکمت، مضبوط دلیل اور فہم کے ساتھ بطریقِ احسن کرو۔
(۱۲۵:۱۶)

(۳۲۳) ذاتی معاملات پر دینی اور قومی معاملات کو ترجیح دو۔ (۶۲:۲۴ - ۶۳)

(۳۲۴) مشفقانہ سلوک اور تواضع کرو۔ (۸۸:۱۵) (۲۱۵:۲۶) (۳۶:۴ تا ۴۰)

(۳۲۵) عفو و درگزر سے کام لو۔ قصور واروں کو ان کے قصوروں پر معاف کرنے کی عادت اپناؤ کہ یہی صفت باری تعالیٰ ہے۔ (۱۰۹:۲) (۱۵۸:۳) (۱۳:۵)
(۱۹۹:۷) (۹۱:۱۲ - ۹۲) (۲۳:۱۳) (۹۸:۲۳) (۵۳:۱۷)
(۸۵:۱۵) (۱۳۰:۳ تا ۱۳۴) (۴۰:۴۲ - ۴۳) (۱۴۹:۴)
(۳۴:۴۱ - ۳۵) (۲۲:۲۴) (۲۲:۱۳) (۴۱:۲ - ۲۳۸)
(۱۴:۶۴) (۱۴:۴۵)

(۳۲۶) ہر نقصان یا مصیبت و آزمائش کو صبر و ہمت کے ساتھ برداشت کرو۔
(۷۰:۲۷) (۷:۲۸) (۴۰:۲۰) (۶۹:۱۲) (۱۵۲:۳ - ۱۵۳)
(۴۰:۹) (۱۲۷:۱۶) (۸۸:۱۵) (۸۶:۱۲) (۳۳:۲۹) (۸۷:۲۱ -
۸۸) (۱۴۰:۳)

(۳۲۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (۸۶:۱۲ - ۸۷) (۵۵:۱۵ - ۵۶)
(۸۳:۱۷) (۹:۱۱) (۴۹:۴۱) (۵۳:۳۹) (۳۶:۳۰)

(۳۲۸) استعانت کے لئے اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا بہترین اخلاقی صفت ہے۔
(۱۲:۲۲) (۱۸:۱۰) (۵۵:۲۵) (۶۶:۲۱) (۷۱:۶) (۱۰۶:۱۰ -
۱۰۷)

(۳۲۹) ضرورت کے مطابق ہی کھاؤ۔ (۳۱:۷)

(۳۳۰) جسمانی صفائی رکھو کہ اللہ صفائی کو پسند رکھتا ہے۔ (۲۵:۲ - ۱۲۵)
(۲۶:۲۲ - ۲۹) (۴۳:۴) (۶:۵) (۴:۷۴ - ۵) (۱۱:۸)

(۳۳:۳۳) (۲۲۲:۲) (۱۴:۳)

(۳۳۱) آدابِ گفتگو (۱۴۸:۴) (۷۰:۳۳) (۵:۴) (۲:٦۱) (۳۰:۲۲) (۱۹:۳۱)

(۳۳۲) لغویات چیت اور بے حیائی سے باز رہو۔ (۳:۲۳) (۱۹:۲۴) (۱۵۱:٦) (۳۳:۷)

(۳۳۳)چال ڈھال سے متعلق اخلاقی تعلیمات۔ (۹:۳۱) (۳۰:۲۴ - ۳۱) (۳۲:۵۳) (۳۷:۴۲) (۳۷:۱۷) (٦۳:۲۵) (۱۸:۳۱ - ۱۹)

(۳۳۴)شکر کا رویہ ہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور یہی انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے۔ (۱۹:۲۷) (۴۰:۲۷)

(۳۳۵) سچ بولنے کا حکم۔ (۱۱۹:۹) (۱۵:۴۹) (٦۹:۴)

(۳۳٦) جذبات و خواہشات پر قابو رکھو۔ (۲۸:۱۸)

(۳۳۷)صبر کرنے کا حکم۔ (۳۵:۴٦) (۱۲:۱۳) (۷۵:۲۵) (۱۱:۱۱) (۲۴:۱۳)

(۳۳۸)حق پر جمے رہو اور مشکلات کا مقابلہ عزیمت سے کرو۔ (۱۲۸:۷) (۱۰۴:۴) (۱۳۹:۳ تا ۱۴۲ - ۱۴۸ - ۲۰۰) (۲۵۰:۲) (۱۰۹:۱۰) (۱۰:۷۳) (۳۱:۱۷)

(۳۳۹) ہر کام میں اعتدال برقرار رکھو خواہ نماز و خیرات ہو یا روز مرہ زندگی کے معاملات۔ (۲۹:۱۷ - ۱۱۰) (٦۷:۲۵) (۱۹:۳۱)

(۳۴۰) ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرو۔ (۹:۵۹)

(۳۴۱) "حفاظتِ فروج" اور "غضِ بصر" یعنی حیا و شرم پیدا کرو۔ (۵۳:۳۳) (۲۲:۷) (۵:۲۳) (۲۵:۲۸) (۳۰:۲۴)

(۳۴۲) حق کے اظہار سے کبھی پیچھے نہ ہٹو۔ (۹۴:۱۵) (۵۴:۵)

(۳۴۳)شجاعت۔ (۱۳۷:۳) (۲۲:۳۳)

(۳۴۴) استغناء۔ (۱۳۱:۲۰)

(۳۴۵) بربادی۔ (۱۱ - ۷۵)

(۳۴۶) عاجزی و انکساری۔ (۶۳:۲۵) (۱۸:۳۱) (۹:۱۰ تا ۱۱) (۳۴:۲۲)

(۳۴۷) خودداری و وقار۔ (۷۲:۲۵) (۲۷۳:۲)

(۳۴۸) جان کا احترام کرو۔ (۹۳:۴)

(۳۴۹) آبرو شکنی سے بچو۔ (۲۴:۲۴)

(۳۵۰) کسی کو حقیر نہ جانو۔ (۱۸:۳۱)

(۳۵۱) دل آزاری سے بچو۔ (۱۱:۴۹) (۲۳۳:۲)

(۳۵۲) عیب جوئی سے بچو۔ (۱۱:۴۹) (۱:۱۰۴)

(۳۵۳) نام نہ بگاڑو (۱۱:۴۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ اپنے صحابہ کرامؓ کو پیاری کنیتوں سے یاد کیا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو عتیق، حضرت عمرؓ بن خطاب کو فاروق، حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ، حضرت علی مرتضیٰؓ کو ابو تراب اور حضرت خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔

(۳۵۴) حسنِ ظن اور نیک گمان کرو اور بدگمانی سے بچو۔ (۱۲:۴۹) (۳۶:۱۷) (۱۲:۲۴)

(۳۵۵) ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ (۱۲:۴۹)

(۳۵۶) غیبت سے بچو۔ (۱۲:۴۹)

(۳۵۷) لغو باتوں سے پرہیز کرو۔ (۳:۲۳) (۲۲۵:۲) (۸۹:۵) (۷۲:۲۵) (۵۵:۲۸)

(۳۵۸) ہر ایک سے بھلی بات کرو۔ (۸۳:۲)

(۳۵۹) ریاء و نمائش سے بچو اور خلوص پر کاربند ہو۔ (۲۶۴:۲ تا ۲۷۴) (۳۶:۴ تا ۴۰)

(۳۶۰) بے جا حمایت نہ کرو۔ (۱۵۶:۶)

(۳۶۱) تنگ نظری سے بچو۔ (۲۶۸:۲ - ۲۶۹) (۱۲۸:۴)

(۳۶۲) نیکی کے کام میں سبقت لے جاؤ۔ (۹۰:۲۱)

(۳۶۳) امید و بیم ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرو۔ (۹۰:۲۱)

(۳۶۴) اللہ کے ان بندوں کے اوصاف جن کی عقل اور دل کی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اللہ کی دیگر نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (۶۳:۲۵ تا ۷۵)

(۳۶۵) ذکر اللہ کرنا اہل ایمان کی صفت ہے۔ (۲۲۶:۲۶)

(۳۶۶) سعادت کی راہ یہی ہے کہ انسان غلبۂ جذبات میں کوئی گناہ بھی کر بیٹھے تو اللہ کی یاد اسے فوراً چوکنا کر دے اور وہ فوراً توبہ کر لے۔ (۲۶۸:۲) (۲۶:۱۷ - ۲۷) (۱۳۵:۳ - ۱۳۶)

(۳۶۷) اللہ ہی پر ہر کام کے لئے بھروسہ اور توکل کرو اور اللہ ہی کی مدد کے طلب گار رہو۔ (۱۳:۶۴) (۹:۷۳) (۱۰:۵۸) (۵۸:۲۵) (۱۲۳:۱۱) (۹:۱۰ تا ۱۱) (۸۸:۱۱) (۸۹:۷) (۱۵۹:۳) (۴۲:۱۶) (۵۹:۲۹) (۷۸:۲۲) (۷۱:۱۰ - ۸۴) (۲۳:۵) (۳۶:۴۲) (۲۹:۶۷) (۳:۶۵)

(۳۶۸) آزمائش میں توجہ الی اللہ کرو اور صبر و نماز سے مدد لو۔ (۴۵:۲)

(۳۶۹) زمین پر اترا کر نہ چلو، نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی اکڑ کر پہاڑ جیسے بلند ہو سکتے ہو۔ (۳۷:۱۷)

(۳۷۰) بدگوئی اور سخت کلامی کی ممانعت. بات ہمیشہ احسن اور مناسب طریقے سے کہو. شیطان انسان کا دشمن ہے وہ انسانوں میں جھڑپ کروا دیتا ہے۔ (۵۳:۱۷) (۱۴۸:۴)

(۳۷۱) ہر عظیم الشان کام کو اللہ کی رحمت و توفیق پر محمول کرو۔ (۹۸:۱۸)

(۳۷۲) کسی کے عناد و حسد سے مشتعل نہ ہو اور بحث و مباحثہ میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، بلکہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ (۱۳:۵) (۱۰:۷۳) (۱۰۹:۲) (۱۸۶:۳) (۲۶:۴۸)

(۳۷۳) تنگ حالات اور بدحالی میں بھی باوقار رہو۔ (۲۷۳:۲)

(۳۷۴) فواحش سے بچو۔ (۱۵۱:۶) (۳۳:۷) (۳۷:۴۲) (۵۳:۳۲) (۱۳۴:۳) (۱۹:۲۴)

(۳۷۵) تحقیق کے بعد ہی کسی بات پر یقین کرو۔ (۳۶:۱۷) (۱۲:۲۴) (۱۱۶:۶) (۱۵۷:۴) (۸۳:۴) (۶:۴۹ - ۱۲) (۱۵:۲۴ - ۱۶) (۳۶:۱۰ - ۶۶) (۳۳:۵۳) (۶۸:۱۰) (۱۵۳:۳) (۶:۴۸) (۲۴:۴۵)

(۳۷۶) کسی پر تہمت نہ لگاؤ۔ (۲۳:۲۴) (۴:۲۴) (۵۸:۳۳) (۱۱۲:۴)

(۳۷۷) علم اور جسمانی توانائی کی اہمیت۔ (۲۴۷:۲) (۱۰۸:۹)

(۳۷۸) ہر اچھے کام میں تعاون کرو۔ (۲:۵) (۱۱۹:۹) (۴۳:۲) (۱۹۹:۳) (۱۷:۹۰) (۳:۱۰۳) (۸۵:۴)

(۳۷۹) استہزاء (مذاق اڑانا) کسی کے ساتھ بھی نہ کرو۔ (۱۴:۲ - ۱۵ - ۲۱۲ - ۲۳۱) (۲:۲۱ - ۳) (۶۴:۹ تا ۶۶) (۳۴:۱۶) (۸:۱۱) (۵:۶) (۴۱:۲۵) (۷:۳۴) (۵۷:۵ - ۵۸) (۱۴۰:۴) (۱۱:۴۹) (۷:۴۳ - ۸) (۲۶:۴۶ - ۲۷) (۱۱:۱۵) (۵۶:۱۸) (۴۱:۲۱) (۳۰:۳۶) (۹:۴۵) (۱۴:۳۷ تا ۱۶)

(۳۸۰) تکبر سے بچنے کی تلقین۔ (۵۶:۴۰) (۶۷:۳۳) (۴:۱۷) (۴۳:۳۵) (۷۶:۴۰) (۷۲:۳۹) (۶۰:۳۹) (۲۹:۱۶) (۱۴۶:۷) (۳۵:۴۰ تا ۳۷)

(۳۸۱) طیب و پاک رزق سے کھاؤ (۱۷۲:۲) (۸۸:۵) (۱۱۴:۱۶) (۷۰:۱۷) (۵۱:۲۳) (۴:۵ - ۵) (۸۱:۲۰) (۱۵۹:۷) (۵۷:۲) (۶۹:۸)

(۳۸۲) اللہ تعالیٰ نے صفتِ رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے تم بھی یہی صفت اپناؤ۔
(۶:۱۲ - ۵۴)

(۳۸۳) خواہشاتِ نفسانی کا اتباع نہ کرو۔ (۲۸:۵۰) (۲۰:۸۱) (۷:۱۷۶)
(۴۵:۱۸) (۵:۷۷) (۴۵:۲۳) (۲۵:۴۳ - ۴۴) (۲۰:۱۶)
(۱۸:۲۸) (۶:۵۶) (۲:۱۲۰) (۵:۴۸) (۱۳:۳۷) (۵۴:۳)
(۶:۱۲۰ - ۱۵۱) (۲۳:۷۱) (۲۸:۵۰) (۳۰:۲۹) (۴۷:۱۴تا۱۶)
(۵۳:۲۳) (۴:۲۷)

(۳۸۴) غیر اللہ سے خوف نہ کھاؤ۔ (۳۹:۳۶) (۲۰:۴۵ - ۴۶) (۶:۸۱ -
۸۲) (۳۰:۲۸) (۹:۴۰) (۴:۷۷)

(۳۸۵) اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرو۔ (۲:۱۴۹) (۵:۴۸)

(۳۸۶) خدا کے لئے اطاعت خالص کرتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو اور اسی سے
مانگو۔ (۱۸:۷۲) (۲۸:۸۸) (۴۰:۱۴ـ ۶۵) (۲۹:۶۵) (۶:۴۱ -
۶۳) (۲۷:۶۲) (۷:۲۹) (۱۰:۲۲)

(۳۸۷) جس نے تزکیہ (یعنی اپنی اچھی صلاحیتوں کا نشوونما) کیا وہ فلاح پا گیا۔
(۹:۱۰۳) (۲۴:۲۱) (۸۷:۱۴) (۹۱:۹) (۳۵:۱۸) (۹۲:۱۸)
(۸۰:۳) (۲:۱۲۹ - ۱۵۱) (۶۲:۲)

(۳۸۸) قلب و نگاہ کی پاکیزگی پیدا کرو۔ (۲۴:۴) (۹:۳) (۲:۲۳۲)
(۵:۴۱)

(۳۸۹) ظن (یعنی حق کی ضد) سے بچو۔ (۱۰:۳۶) (۵۳:۲۸) (۳۸:۲۷)
(۴۹:۱۲) (۴۵:۲۴) (۲:۷۲) (۵۳:۲۸) (۶:۱۱۷) (۲۴:۱۲)
(۶:۱۵۷) (۶:۱۴۹) (۱۰:۶۶) (۵۳:۲۳تا۲۸)

(۳۹۰) عفو و درگزر سے کام لو۔ (۴۲:۲۰) (۲:۱۳۴ - ۱۷۸ - ۲۳۷ -
۲۸۶) (۲۴:۲۲) (۶۴:۱۴) (۳:۱۵۹)

(۳۹۱) تفقہ، تدبر، تفکر اور عقل سے کام لینے کا حکم۔ (۲۸:۲۰) (۳۸:۲۹)
(۷:۱۷۹) (۹:۱۲۲) (۵:۱۰۰) (۱۴:۵۲) (۲:۱۷۹) (۴۷:۲۴)
(۸:۶۵) (۳۴:۴۶) (۶۵:۱۰) (۵۷:۱۷) (۶:۱۰۵) (۳۹:۱۸)
(۵۶:۶۳ تا ۷۳) (۸۸:۱۷ تا ۲۰) (۸۰:۲۴ تا ۳۳) (۱۶:۴۴)
(۵۹:۲۱) (۴۵:۱۳) (۳:۱۹۱) (۱۰:۱۰۱) اور سورۂ رحمٰن (۵۵)
مکمل

(۳۹۲) مصیبت سے مت گھبراؤ۔ (۲:۱۵۶- ۱۷۷ - ۲۱۴) (۱۱:۱۱)
(۱۵:۹۷- ۹۸) (۴:۷۲ - ۷۳) (۹:۵۰) (۳:۱۵۲- ۱۷۱-
۱۹۴) (۲۲:۳۵) (۲۹:۱۰ - ۱۱)

(۳۹۳) شک نہ کرو بلکہ یقین و ایمان پیدا کرو۔ (۲:۴) (۲۷:۳) (۳۱:۴)
(۵۱:۲۰) (۵۲:۳۶) (۴۵:۴ - ۲۰) (۶:۷۵) (۴:۱۵۷)
(۴۵:۳۲) (۱۳:۲)

(۳۹۴) پابندیٔ وقت۔ (۴:۱۰۳) (۷:۱۴۳ - ۱۵۵) (۸:۴۲) (۹:۴)
(۲۰:۵۸ - ۵۹) (۲۶:۳۸)

(۳۹۵) صبر بہترین اخلاقی صفت ہے۔ (۲:۴۵ - ۱۵۳ - ۱۵۷ - ۲۵۰)
(۸:۴۶) (۱۶:۱۱۰) (۱۱:۱۰ - ۱۱) (۳:۱۴۵ - ۱۸۵) (۴۲:۴۳)
(۸:۶۵ - ۶۶) (۲۲:۳۴ - ۳۵) (۱۶:۹۶) (۲۸:۵۴) (۳۹:۱۰)
(۱۳:۲۲) (۲۵:۷۵) (۲۹:۵۸) (۷۶:۱۲) (۷:۱۳۷)
(۳۲:۲۴)

(۳۹۶) شکر گزاری بہترین اخلاقی صفت ہے (اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اس کے ان گنت احسانات کے بدلے اور اللہ کے بندوں کی ان کے احسانات پر شکر گزاری)
(۴:۱۴۷) (۳۹:۷) (۲:۱۵۲) (۷:۱۴۴) (۱۶:۱۱۴) (۱۴:۷)
(۹۳:۱۱) (۳۹:۶۶) (۳۴:۱۳ - ۱۵) (۳۱:۱۴) (۵۴:۳۵)

(۳:۱۴۳ - ۱۴۴) (۳۱:۱۲) (۲۹:۱۷) (۲۷:۴۰)

(۳۹۷) توکل علی اللہ بہترین اخلاقی صفت ہے۔ (۳:۱۱۸ - ۱۵۴) (۵:۵۱)
(۱۴:۱۴) (۱۳:۳۰) (۱۲:۶۷) (۱۱:۱۲۳) (۱۰:۸۴) (۹:۱۲۹)
(۳:۱۵۳) (۵۸:۱۱) (۶۴:۱۳) (۴:۸۱) (۵:۲۳) (۸:۶۱)
(۶۵:۳) (۱۴:۱۲) (۱۷:۲) (۲۵:۵۸) (۲۶:۲۱۷) (۲۷:۸۱)
(۱۶:۹۹) (۷۳:۹) (۶۷:۲۹) (۳۹:۳۸) (۳۳:۳ - ۴۸)

(۳۹۸) طبیعت میں اخلاص پسندیدہ اخلاقی صفت ہے۔ (۲:۱۳۹ - ۲۰۷ - ۲۷۲)
(۴:۱۱۴ - ۱۴۲ - ۱۴۶)

(۳۹۹) اگر انسان اپنے اندر کوئی خوبی پاتا ہو یا اپنے کام میں کوئی خوبی پاتا ہو تو اسے ضرور بیان کرنا چاہئے اور بے جا انکساری سے کام نہیں لینا چاہئے۔ یہی حضرت یوسفؑ کا طرز عمل تھا۔ (۱۲:۵۴ - ۵۵)

باب ششم

رذائل اخلاق

وہ ناپسندیدہ اخلاق جو اسلام انسانی سیرت سے خارج کرنا چاہتا ہے۔

(I) اصولی، اعتقادی اور عباداتی رذائل اخلاق

(۱) اہل و عیال کی بے جا خواہشات کی تعمیل انسان کو احکام خداوندی سے غافل اور بخل و خیانت جیسے قبیح جرائم میں ملوث کر دیتی ہے۔ (۱۴:۶۴) (۱۱۱:۴ - ۵)

(۲) انسان کے اس رویئے کی مذمت کہ راحت و فراوانی میں مانگنے سے اکتاتا نہیں لیکن ذرا سی تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ رحمتِ رب پالے تو ناشکرا بن کر اسے اپنا فائق حق قرار دیتا ہے۔ (۴۱:۴۹ - ۵۰ - ۵۱) (۱۷:۸۳ - ۸۴)

(۳) دنیا پرست چوپاؤں کی مانند ہیں۔ (۴۷:۱۲)

(۴) دنیا پرست ذہنیت کی مذمت بذریعہ تمثیل۔ (۴۲:۳۲ تا ۳۵)

(۵) اس رویئے کی مذمت کہ کچھ لوگ دعائیں کرتے نہیں تھکتے کہ اللہ ہمیں بھی غنی کر دے تو ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والے بنیں گے۔ لیکن جب اللہ کا فضل و عنایت حاصل ہوئی تو بخل کرنے لگ گئے۔ (۹:۷۵ - ۷۶ - ۷۹)

(۶) دنیا کا نفعِ عاجل مانگنے والوں کی مذمت کہ ان کی ہوسِ دنیا کبھی پوری نہ ہو گی (۱۷:۱۸) (۴۲:۲۰)

(۷) تمام بداخلاقیوں کی جڑ بدگوئی. عیب جوئی اور بلاتحقیق کسی بات کا بیان کرنا ہے۔ (۳۶:۱۷)

(۸) اس طرز فکر کی مذمت کہ دنیوی فوائد ملتے رہیں تو ایمان پر قائم و دائم اور ذرا آزمائش آ پڑی تو پلٹ گئے۔ (۱۱:۲۲)

(۹) حقوق اللہ اور حقوق العباد کو توڑنا فسق اور بموجب فساد ہے۔ (۲۷:۲)

(۱۰) انسان کا اولین گناہ عزم اور قوت ارادی کی غیر پختگی کی وجہ سے ہوا۔ (۱۱۵:۲۰)

(۱۱) خوف و طمع سے حق اور سچی بات کو چھپانا حرام ہے۔ (۲۷:۲ - ۴۰)

(۱۲) قرآن جھوٹ اور شرک کو جوڑ کر برائی قرار دیتا ہے۔ (۳۰:۲۲)

(۱۳) تعمیل احکام خداوندی میں حیلہ سازیاں کرنا بنی اسرائیل کی بری خصلت ہے جس کی قرآن حکیم مذمت کرتا ہے۔ (۶۶:۲ تا ۷۱)

(۱۴) علم دین کو چھپانا حرام ہے اور یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۱۸۸:۳)

(۱۵) آخرت سے بےخوفی ام الامراض ہے۔ (۹۲:۶) (۸۳:۲ - ۳) (۷۵:۲۰ - ۲۱)

(۱۶) ممنوع اخلاقی صفات کی جامع فہرست۔ (۱۵۱:۶ تا ۱۵۳) (۱۳۵:۴) (۶۸:۸ تا ۱۶) (۴۹:۱۱ تا ۱۳) (۸۹:۱۷ تا ۲۰) (۳۰:۲۲)

(۱۷) انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے وہ برائی کی چاہت کرتا ہے اور انجام بینی اور عاقبت اندیشی میں کوتاہی کرتا ہے۔ (۱۱:۱۷) (۳۷:۲۱) (۸۳:۲۰) (۷۵:۲۰) (۷۶:۲۷)

(۱۸) نماز سے بےخبری اور کوتاہی، ریاکاری اور نجالت و خست کو جنم دیتی ہے۔ (۱۰۷:۴ تا ۷)

(۱۹) ان لوگوں کی مذمت جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ ایک پل میں کچھ کہتے ہیں اور دوسرے پل میں کچھ کہتے ہیں (یعنی قول و فعل میں

تضاد) (۴:۸۱) (۴۸:۱۱) (۶۱:۲ - ۳)

(۲۰) ایسا طرز عمل ناپسندیدہ ہے کہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا جو کام انسان خود نہیں کرتا اس کی دوسروں کو نصیحت کرے۔ (۲:۴۴)

(۲۱) عالم بے عمل کی تمثیل قرآنی۔ (۶۲:۵)

(۲۲) اللہ کا احسان ہے کہ اس نے راہ ہدایت دکھائی اس رویئے کی مذمت کہ لوگ قبول اسلام کو اللہ اور اس کے رسول پر احسان سمجھتے ہیں۔ (۴۹:۱۷)

(۲۳) کبریائی اللہ ہی کو زیب دیتی ہے، انسان کا اس سے کیا واسطہ۔ (۴۰:۷۵ - ۷۶)

(۲۴) آیات اللہ کی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے والے کی مذمت۔ (۶۸:۱۵)

(۲۵) انسان چاہتا ہے کہ گناہ و معاصی میں بڑھتا چڑھتا جائے اور سرور لذت گناہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔ (۷۵:۳۶) (۷۴:۵)

(۲۶) اس طرز عمل کی مذمت کہ انسان کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور مرنے کے بعد اسے کسی پوچھ کچھ اور جزا و سزا سے دوچار نہیں ہونا۔ (۷۵:۳۶)

(۲۷) اس طرز عمل کی مذمت کہ حقائق واضح ہونے کے باوجود انہیں اپنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ (۳۰:۵۸ - ۵۹)

(۲۸) زندگی کے عملی پہلو اختیار کرنے کے بجائے محض جذبات انگیختگی کی مذمت۔ (۳۹:۶۹ - ۷۰)

(۲۹) برائی اور گناہ و معصیت کے تین عنوان ہیں، "اثم" (یعنی حق تلفی، ظلم اور ناانصافی) "فحشاء" (یعنی خواہشات نفس سے پیدا ہونے والی برائیاں) اور "غضب" (انانیت، خود سری اور تکبر وغیرہ) (۴۲:۳۷)

(۳۰) یہودی علماء کا تھوڑی سی رشوت لے کر تحریف احکام خداوندی کی مذمت۔ (۵:۴۲ - ۶۲ - ۶۳) (۹:۹) (۵:۴۴) (۲:۴۱ - ۱۷۴ - ۱۸۸)

(۳۱) تقلید اہم سبب گمراہی و ضلالت ہے لہٰذا بے سند کسی کی تقلید نہ کرو۔ (۱۰:۷۵)

(۱۰۹:۱۱) (۲۴:۲۳) (۳۶:۲۸) (۵۳:۲۱) (۲۸:۷ - ۷۰ -
۷۱ - ۱۷۳) (۱۰۴:۵) (۱۷۰:۲) (۲۲:۴۳ تا ۲۵) (۲۱:۳۱)
(۷۴:۲۶) (۴۳:۳۴) (۶۹:۳۷ - ۷۰)

(۳۲) فرقہ بندی کی مذمت۔ (۱۰۲:۳ - ۱۰۴) (۱۶۰:۶) (۴۶:۸)
(۹۴:۲۰) (۵۲:۲۳ - ۵۳) (۱۳:۴۲ - ۱۴) (۱۴:۵۹)
(۹۲:۲۱ - ۹۳) (۳۰:۳۰ - ۳۱)

(۳۳) جھوٹی قسموں کی مذمت و ممانعت۔ (۶۲:۴ - ۶۳) (۷۶:۳) (۲:۶۳)
(۹۱:۱۶ - ۹۴) (۱:۶۶) (۲۲:۲۴) (۲۲۵:۲) (۸۸:۵ - ۸۹)
(۴۲:۹ - ۵۶) (۱۰:۶۸) (۱۰۷:۵) (۱۴:۵۸ - ۱۶ - ۱۸)
(۶۲:۹ - ۷۴ - ۹۵ - ۹۶)

(۳۴) ظن و گمان سے بچو۔ (۱۲:۴۹) (۳۶:۱۰) (۱۵۴:۳) (۱۰:۳۳)
(۲۴:۴۵ - ۳۲) (۳۶:۱۰ - ۶۶) (۱۱۷:۶ - ۱۴۹) (۱۵۷:۴)
(۶:۴۸ - ۱۲) (۲۳:۵۳ - ۲۸) (۱۲:۲۴ - ۱۶ - ۱۷)

(۳۵) مختلف اوہام کی تردید و مذمت۔ (۶۷:۱۲) (۱۹:۵۴) (۱۳۱:۷)
(۴۷:۲۷) (۹۰:۵) (۷۱:۶ - ۱۴۴ - ۱۴۵) (۱۰۳:۵)
(۱۸:۳۶ - ۱۹) (۱۸۹:۲) (۳۶:۳۹)

(۳۶) خیانت کرنے والوں کی مذمت۔ (۱۶۱:۳) (۱۰۵:۴ تا ۱۰۹) (۵۸:۵ -
۷۱) (۳۸:۲۲) (۵۸:۸) (۱۰۵:۴ تا ۱۰۷) (۲۷:۸ - ۲۸)
(۵۲:۱۲) (۱۰:۶۶) (۱۹:۴۰) (۱۸۷:۲)

(۳۷) فساد پھیلانے والوں کی مذمت۔ (۶۰:۲) (۷۴:۷) (۸۵:۱۱)
(۱۸۳:۲۶) (۳۶:۲۹) (۸۱:۱۰) (۱۱۶:۱۱) (۶۴:۵) (۲۰۴:۲ تا
۲۰۷) (۸۵:۷ - ۱۴۲) (۵۶:۷۰) (۷۷:۲۸)

(۳۸) عذاب الٰہی کے خوف سے لاپرواہ ہونے والوں کی مذمت۔ (۴۵:۱۶ تا ۴۷)

(۱۶:۶۷ تا ۱۸) (۱۷:۶۸ - ۶۹)

(۳۹) انسان کے اس رویے کی مذمت کہ نائب خدا اور اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اپنے سے فروتر مخلوقات کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے حالانکہ کائنات کی ہر شے اس کے لئے مسخر کی گئی ہے اور کائنات اپنی تکوینی حیثیت میں ابراہیمی یعنی توحید کا مزاج رکھتی ہے۔ (۱۸:۲۲) (۱۵:۱۳) (۱۶:۴۸ - ۴۹)

(۴۰) عقائد کی نجاست شرک ہے تو اخلاقی نجاست زنا ہے۔ (۲۴:۳)

(۴۱) حسد و نفاق دل کی بیماریاں ہیں۔ (۲۴:۵۰)

(۴۲) لاغی، دروغ باف، لپاٹیئے اور اخلاقی اعتبار سے ہر معلوم گناہ میں آلودہ، جھوٹے کاہن اور عملیات سلفیہ کے ساتھ جعلی مراقبے کرنے والوں پر شیطان اترتے ہیں اور وہ فوراً شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ (۲۶:۲۲۱ تا ۲۲۳)

(۴۳) چند استثنائی شعراء کے علاوہ شعراء کی اخلاقی برائیاں (۲۶:۲۲۴ تا ۲۲۷)

(۴۴) انسان کے اس طرز عمل کی مذمت کہ اپنے ہی اعمال کی پاداش میں جب کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو قسمیں کھاتا ہے کہ میں نے تو بہتری اور بھلائی کے لئے ایسا اقدام کیا تھا۔ (۴:۶۲)

(۴۵) انسان کی تنگ دلی کی مذمت کہ اگر کہیں رب کے خزانوں کا مالک ہوتا تو خرچ ہو جانے کے اندیشے سے ہاتھ روک لیتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ مخالفین دین کو بھی رزق سے سرفراز کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے حق دار نہیں ہیں۔ (۱۷:۱۰۰) (۷:۶۹ - ۷۴)

(۴۶) اس خام خیالی کی تردید کہ نیکی و حق پرستی انسان کی دنیا کو برباد کر دیتی ہے۔ (۷:۹۰) (۲۸:۵۸)

(۴۷) کمزور ایمان افراد کی مذمت۔ (۹:۱۰۲ - ۱۰۳)

(۴۸) بزدلی دکھانے پر بنی اسرائیل کا انجام بد۔ (۵:۲۲ تا ۲۶) (۲:۲۴۳ تا

(۲۴۶

(۴۹) ان واعظوں کی مذمت جو خود ضرورت عمل پر توجہ نہیں دیتے آخر ان کا وعظ و نصیحت دوسروں پر کیونکر اثر کرے گا۔ (۲:۴۴)

(۵۰) علم کے بغیر کسی بات میں بولنے اور ٹانگ اڑانے والے جاہل اور بے وقوف ہیں۔ (۲:۱۷۰ تا ۱۷۲) (۲:۱۴۲)

(۵۱) یہودیوں پر ذلت، مسکنت اور غضب الٰہی کی وجہ ان کی اخلاقی گراوٹ تھی اور ان کے مقابلے میں اہل ایمان کی اخلاقی عظمت۔ (۳:۱۱۲ تا ۱۱۴)

(۵۲) اخلاقی امور کا برا پہلو اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ (۱۷:۳۸)

(۵۳) جو علم رکھتے ہوئے ظن و گمان اور خود ساختہ اصولوں کی پیروی کرتے ہیں وہ گمراہی میں جا گرتے ہیں۔ (۴۵:۱۷) (۴۵:۲۳ تا ۲۵)

(۵۴) انسان جب خود کو بداخلاقی میں ملوث کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اخلاقی گراوٹ کی ان اتھاہ گہرائیوں میں گراتا ہے جہاں کوئی مخلوق اس سے پہلے گری ہوئی نہیں ہوتی۔ (۹۵:۴ تا ۶)

(۵۵) وسوسہ عملِ شر کا نقطۂ آغاز ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (۱۱۴:۱ تا ۵)

(۵۶) اس رویئے کی مذمت کہ مصیبت میں اللہ کو پکارو اور مصیبت دور ہو جانے پر سرکشی کرنے لگ جاؤ۔ (۲۲:۱۱) (۴۱:۴۹ - ۵۰) (۳۹:۸) (۳۱:۳۲) (۶:۴۲ - ۴۳ - ۶۳ - ۶۴) (۱۱:۹ - ۱۰) (۱۶:۵۳ - ۵۴) (۲۹:۶۵) (۱۰:۱۲ - ۲۲ - ۲۳)

(۵۷) کسی مومن کے لئے ایسا دعویٰ کرنا درست نہیں کہ وہ حق پرستی میں ہر کام کرے گا اور ہر قربانی دے گا۔ اسے کیا معلوم کہ وہ اپنے نیک ارادے کو پورا بھی کر سکے گا، کیونکہ اسباب کا جمع ہونا اور موانع کا زائل ہونا اس کے اپنے بس میں تو نہیں ہے۔ (۶۱:۱ تا ۴)

(۵۸) جہالت کی مذمت اور جاہلوں سے اعراض برتنے کا حکم۔ (۲۹:۱۱) (۱۹۹:۷)
(۶۴:۳۹) (۱۱۲:۶) (۱۳۸:۷) (۵۵:۲۷) (۲۳:۴۶) (۵۵:۲۸)
(۶۷:۲) (۳۳:۱۲) (۱۵۳:۳) (۵۰:۵) (۳۳:۳۳) (۲۶:۴۸)
(۷۲:۳۳)

(۵۹) ریب (شک و اضطراب) ایک بیماری ہے۔ (۱۵:۴۹) (۳۱:۷۴)
(۴۵:۹) (۲۵:۵۰) (۵۰:۲۴)

(۶۰) چند اہم اسباب اور وجوہِ ضلالت۔ (۱۶:۲ - ۲۶ - ۱۰۸ - ۱۷۵) (۵۶:۶)
(۴۸:۱۷) (۷۷:۵) (۱۸:۱۴) (۵۶:۶) (۱:۶۰) (۱۱۴:۴ -
۱۳۶) (۵۴:۲۱) (۶۹:۳۷) (۳:۱۴) (۲۳:۴۵) (۵۰:۲۸)
(۳۶:۱۴) (۱۲۵:۶) (۱۴۲:۴ - ۱۴۳) (۳۱:۷۴) (۱۱:۳۱)
(۳۸:۱۹) (۳۲:۴۶) (۴۷:۵۴) (۴۷:۳۶) (۲۴:۳۴)

(۶۱) فسق اور فاسقین کی مذمت۔ (۵۰:۱۸) (۹۹:۲) (۲۰:۴۶) (۳۵:۴۶)
(۴:۲۴) (۵۹:۵ - ۸۱) (۴۷:۵) (۷۴:۲۱) (۱۶۵:۷) (۴۹:۶)
(۷:۴۹) (۵:۶۱) (۲۸۲:۲) (۱۱:۴۹) (۲۶:۵۷) (۱۸:۳۲)
(۶۳:۶) (۶۱:۵) (۲۴:۹ - ۶۷ - ۸۰) (۱۶۵:۷)

(۶۲) بخل تھڑدلے لوگوں کی ناپسندیدہ اخلاقی صفت ہے۔ (۱۹:۷۰ - ۲۰)
(۷۵:۹ - ۷۶) (۹:۹۲ - ۱۰) (۱۷:۱۳) (۳۸:۴۷) (۲۴:۵۷)
(۳۷:۴ - ۳۸) (۱۷۹:۳ - ۱۸۰)

(۶۳) مکر و کید کا انجام بد۔ (۲۶:۱۶) (۲۱:۱۰) (۱۲۴:۶ - ۱۲۵) (۱۸:۸)
(۱۵:۲۲) (۲:۱۰۵) (۴۶:۵۲) (۱۱۹:۳) (۴۳:۳۵) (۵۲:۱۲)
(۳۳:۱۳) (۴۲:۵۲)

(۶۴) یاس و ناامیدی کی مذمت۔ (۲۳:۲۹) (۸۷:۱۲ - ۱۱۰) (۱۱:۹)
(۸۳:۱۷) (۴۹:۴۱) (۲۸:۴۲) (۵۳:۳۹) (۳۶:۳۰)

(۱۳:۶۰)

(۶۵) حد سے نہ گزرو اللہ تعالیٰ حدود اللہ توڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔
(۴۳:۴۰) (۱۵۱:۲۶) (۹:۲۱) (۱۲:۱۰ - ۸۳) (۳۱:۷)
(۱۴۱:۶) (۵:۴۳) (۲۱:۴۴) (۳۴:۵۱)

(۶۶) مخالفت و موافقت اگر ذاتی اغراض کے لئے ہو تو یہ ابو لہبی صفت ہے۔ جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔ (۱:۱۱۱ تا ۵)

(۶۷) بغیر علم کے الکل پچو باتیں بنانے والوں کی مذمت۔ (۳۵:۴) (۱۵:۲۴)
(۳۳:۷) (۵۳:۳۴ - ۵۴)

(۶۸) اپنے خالق و رب کے بارے میں ظنِ فاسد، گمراہی کا سبب ہے۔ (۲۰:۴۱ تا ۲۳)

(۶۹) متضاد افکار کے حامل ہر وادی میں بھٹکنے والوں کی مذمت۔ (۶۹:۳۶ - ۷۰)

(۷۰) جھوٹ بولنا تو ہے ہی لیکن جھوٹ سننا بھی گناہ عظیم ہے، اور یہودیوں کی خصلت ہے۔ (۴۲:۵)

(۷۱) جھوٹ کی مذمت اور جھوٹوں پر لعنت ہے۔ (۳۰:۲۲) (۳:۳۹)
(۳۲:۳۹ - ۶۰) (۶۳:۱۶) (۱۰:۲) (۲۷:۴۵) (۶۰:۳)
(۲۸:۴۰) (۹۳:۳) (۲۱:۶ - ۹۴ - ۱۴۵) (۱۷:۱۰) (۳۵:۷)
(۱۸:۱۱) (۱۵:۱۸) (۱۱۶:۱۶ - ۱۱۷) (۶۹:۱۰ - ۷۱) (۵۰:۴)
(۷۹:۲) (۷۰:۶۱) (۶۸:۲۹) (۶۱:۲۰) (۵۶:۱۹ - ۱۰۵)
(۱۵۲:۷) (۵۸:۳۳) (۱:۶۳) (۷:۲۴ - ۲۳ تا ۲۵)

(۷۲) تکبر و غرور کی ممانعت اور مذمت۔ (۳۴:۲ - ۸۷) (۱۷۲:۴ - ۱۷۳)
(۴۵:۲۳ - ۴۶) (۳۵:۳۷) (۷:۷ - ۱۱ تا ۱۳ - ۳۶ - ۴۰ -
۴۸ - ۱۳۳) (۹۴:۶) (۹۱:۲۱) (۱۱۶:۲۰) (۵۰:۱۸) (۲۲:۱۶ -

۲۳ - ۲۹) (۱۵:۳۱ تا ۳۳) (۴۶:۱۰ - ۲۰) (۳۸:۷۴ تا ۷۶)
(۳۹:۵۹ - ۷۰ - ۷۲) (۳:۳۶) (۱۰:۷۵) (۲۵:۲۱ - ۲۲)
(۲۸:۳۹ - ۴۰) (۲۹:۳۹ - ۴۰) (۳۵:۴۲ - ۴۳) (۴۰:۲۷ -
۶۰) (۷۴:۲۳ - ۴۶) (۷۱:۷ - ۲۵) (۴۵:۸ - ۳۱) (۴۱:۱۵ -
۱۶)

(۷۳) بری بات کہنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ (۴:۱۴۸ - ۱۴۹)

(۷۴) اللہ تعالیٰ تمسخر، مکر اور استہزا کرنے والوں سے قیامت کو یہی سلوک کرے گا۔
(۸۶:۱۵ - ۱۶) (۲۷:۵۰) (۱۶:۲۶) (۱۴:۴۶) (۱۳:۴۲)
(۱۰:۲۱) (۳:۵۴) (۲:۱۵) (۹:۷۹)

(۷۵) انسان کو کمزور و ضعیف پیدا کیا گیا ہے اس کی اکڑ بے جا ہے۔ (۴:۲۸)
(۳۰:۵۴)

(۷۶) انسان جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (۱۶:۴) (۳۶:۷۷) (۱۸:۵۴) (۸۴:۶)

(۷۷) انسان مصیبت میں ناامید ہو جاتا ہے۔ (۱۱:۹) (۱۷:۸۳) (۳۰:۳۶)
(۴۱:۴۹) (۹۰:۴)

(۷۸) انسان نہایت مغرور اور گستاخ واقع ہوا ہے۔ (۸۲:۶ تا ۸) (۷۵:۵)

(۷۹) انسان نہایت ناشکرا واقع ہوا ہے۔ (۱۰:۱۲ - ۲۱) (۱۱:۹ تا ۱۱) (۳۹:۸ -
۴۹) (۱۷:۱۷ - ۶۷ - ۸۳) (۳۰:۳۳) (۴۳:۱۵) (۲۲:۶۶)
(۱۴:۳۴) (۸۹:۱۵ تا ۲۰) (۴۱:۵۰ - ۵۱) (۱۰۰:۶ - ۷) (۹۱:۸ تا
۱۶) (۴۲:۴۸) (۸۰:۱۸)

(۸۰) جو کسی کا برا چاہے گا روزِ قیامت اپنی بدخواہی سمیت حاضر کیا جائے گا۔
(۳:۱۶۱ - ۱۶۲)

(۸۱) جھوٹ کے رسیا اور دوسروں کی بات بلا سند و جواز تسلیم کرنے والوں کی مذمت۔
(۵:۴۱)

(۸۲) نیکی کے کام سے غافل ہونا شیطان کی پیروی ہے۔ (۴۲:۱۲)

(۸۳) گھمنڈ، تکبر اور استکبار شرک ہے۔ (۴۲:۱۸) (۴۸:۱۶ تا ۵۰)

(۸۴) فحش میں مبتلاء ہونے والے خیانت کے مرتکب ہیں۔ (۵۲:۱۲)

(۸۵) غرور و تکبر کی وجہ سے تسلیم حق میں عار پر مذمت۔ (۶:۷۱ - ۷) (۳۴:۲)
(۲۵:۷۴ تا ۲۸) (۲۰۴:۲ تا ۲۰۶) (۱۴۶:۷) (۳۵:۴۰)

(۸۶) خواہشاتِ نفس اور قیاس و گمان کی پیروی کی مذمت۔ (۱۷۳:۷ تا ۱۷۹)
(۲۳:۴۵) (۴۳:۲۵ - ۴۴) (۴۶:۲۲) (۳۶:۱۰) (۲۲:۸)

(۸۷) حرام کھانے والے اور جھوٹ بولنے والے یہودیوں کی طرح ہیں۔
(۴۲:۵)

(۸۸) اپنے اعمال بد پر خوش ہونے والوں کو تنبیہ کہ تم ہنسو کم اور رو زیادہ
(۸۲:۹)

(۸۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سوئے ظن کی ممانعت۔ (۱۶۱:۳)

(۹۰) دوسرے مذاہب کے معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت۔ (۱۰۱:۵ - ۱۰۲)

(۹۱) اللہ تعالیٰ کو دو رنگی اور منافقت سخت ناپسند ہے۔ (۲:۶۱ - ۳)

(۹۲) جھوٹی عزت (عزت بالاثم) انسان کو حق کی طرف نہیں آنے دیتی۔
(۲۰۶:۲)

(۹۳) جبر و استبداد کی مذمت و ممانعت۔ (۵۹:۱۱) (۱۵:۱۴) (۲۸:۲۶)
(۱۹:۲۸) (۳۵:۴۰) (۱۴:۱۹ - ۳۲) (۶:۹) (۸۳:۱۰)
(۳:۷۶) (۱۰:۹۰) (۸۳:۷) (۷۱:۲۰) (۴۹:۲۶) (۸۵:۱۱)
(۵۴:۱۷) (۱۹۳:۲ - ۲۵۶) (۳۹:۸) (۲۹:۱۸) (۴۸:۴۲)
(۱۰۵:۶) (۹۹:۱۰)

(۹۴) کتمان شہادت یعنی شہادت چھپانے کی مذمت۔ (۱۴۰:۲) (۲۸۲:۲ -
۲۸۳) (۴:۲۴) (۳۳:۷۰) (۷۲:۲۵)

(II) معاشرتی رذائل اخلاق

(۱) معاہدات اور قسموں کو معاشرے میں فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔ (۱۶:۹۲ تا ۹۴)

(۲) جماعت اور معاشرے میں تفرقہ ڈالنے والوں کی مذمت میں ایک تمثیل (۱۶:۹۲)

(۳) ہر ایک کا ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا قرآن کی نظر میں قابلِ مذمت ہے۔ (۱۷:۸۴)

(۵) اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ (۱۷:۳۱) (۶:۱۴۰)

(۶) اس طرز عمل کی مذمت کہ لوگ بیٹوں کو بیٹیوں سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ (۱۷:۴۰) (۵۳:۲۱) (۵۲:۳۹) (۱۶:۵۷ تا ۵۹) (۴۳:۱۶ - ۱۷) (۸۱:۸)

(۷) عہد شکنی حرام ہے۔ (۲:۲۷ - ۴۰) (۲:۱۰۰)

(۸) کافر سے بھی سخت کلامی درست نہیں ہے۔ (۲:۸۳)

(۹) حقوق العباد کی ادائیگی میں بخل، کبر اور ریاء سے بچو۔ (۴:۳۶ تا ۳۹)

(۱۰) کسی فرد یا گروہ کے خلاف پھیلائی گئی بےبنیاد باتوں میں ملوث ہونا اسے ایذا پہنچانے کے مترادف ہے یہ کھلم کھلا بہتان اور گناہ میں ملوث ہونا ہے اور ایسوں پر قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ (۳۳:۵۳ - ۵۸ - ۵۹)

(۱۱) بہتان تراشی کرنے والوں کی مذمت اور ان کے لئے عذابِ الٰہی کی وعید ہے۔ (۲۴:۲) (۶۰:۱۲) (۴:۱۱۱ - ۱۱۲) (۳۲:۵۸)

(۱۲) غرور اور جھوٹی شیخی مارنے والوں کی مذمت۔ (۳۸:۲) (۳۹:۴۹) (۴۰:۷۵ - ۷۶) (۱۷:۳۷) (۴:۳۶ تا ۴۰) (۳۱:۱۸)

(۱۳) بڑائی کی خواہش گمراہی کو جنم دیتی ہے۔ (۴۰:۵۶) (۶:۹۴)

(۱۴) مختلف گروہوں کا باہمی حسد انہیں معاملاتِ دینی میں گمراہ کر دیتا ہے۔ (۱۴:۴۲)

(۱۵) تحقیرِ نفس کی حرمت کا حکم۔ (۱۱:۴۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اہل ایمان کے پردے کی باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کر دیتا ہے۔" حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے "اپنے بھائی کے منہ سے نکلی بات کو نیکی پر معمول کر سکتے ہو تو بدی پر نہ کرو۔" یہی بات قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

"اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں ...... آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، تجسّس نہ کرو، اور تم میں کوئی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔" (الحجرات ۴۹:۱۰ - ۱۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارا رب تمہاری صورتیں اور مال و دولت نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال دیکھتا ہے" ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی کو اس کے ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو یا سزا بھگت چکا ہو تو اللہ تعالیٰ یہ بات اپنے ذمے لیتا ہے کہ ایسے شخص کو اسی گناہ میں مبتلاء کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا اور یاد رکھو کہ اللہ سے بہتر اپنا عہد پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ (قرطبی)

انسان کے لئے سعادت اور بہتری اسی میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے اور ان کی

اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ جو خود اپنی اصلاح میں لگا رہے گا اسے دوسروں کی عیب جوئی کی مہلت ہی نہ ملے گی۔ بہادر شاہ ظفر نے اس بات کو شعر کی زبان میں یوں کہا ہے۔

ے نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر، رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

(۱۲) غیبت (پیٹھ پیچھے برائی کرنا خواہ وہ بات سچی ہو یا جھوٹی) کی مذمت۔ (۱۱۲:۴۹)

(۱۳) سازش کرنے والے خود اپنے کو تباہ کرتے ہیں۔ (۳۵:۴۳)

(۱۴) اللہ کی زمین پر بغیر حق ظلم روا رکھنے والے قابلِ مذمت ہیں۔ (۴۲:۴۲)

(۱۵) میدان جہاد میں اترانے اور بے جا شان و شوکت دکھلانے والوں کی مذمت (۸:۴۷)

(۱۶) لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا فساد فی الارض ہے۔ (۲۸:۴)

(۱۷) اپنے مقاصد کے لئے کسی کے قانونی و اخلاقی حق میں مداخلت کی مذمت۔ (۴:۱۹)

(۱۸) معاشرے میں جھوٹی افواہیں پھیلانے کی ممانعت۔ (۴:۸۳) (۳۳:۶۰-۶۱) (۴۹:۶-۱۲) (۸۵:۱۰) (۱۷:۳۶) (۲۴:۱۲-۱۵-۱۹)

(۱۹) بے گناہ عورتوں پر افتراء و تہمت فسق ہے۔ (۲۴:۴) اور لعنت ہے۔ (۲۴:۲۳)

(۲۰) کسی پر الزام تراشی کی راہ نہ ڈھونڈو (۴:۳۴)۔ کسی بھائی کو ذہنی و قلبی ایذا رسانی سے باز رہو۔ (۳۳:۵۸) (۸۵:۱۰)

(۲۱) کسی کو معاشرے میں علم، مرتبہ اور بزرگی حاصل ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں سے اپنی ناجائز عزت و تکریم مانگتا پھرے۔ (۳:۷۹) (۳:۱۸۸)

(۲۲) کج بحثوں اور مناظرہ بازوں سے مت الجھو۔ (۲۲:۶۷) (۲:۱۴۸) (۵:۴۸)

(۲۳) اللہ کے عہد کو توڑنے اور رشتۂ رحم کاٹنے کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے۔ (۲۷:۲) (۲۲:۴۷)

(۲۴) معاشرے میں عدم مساوات کی مذمت۔ (۱۹۹:۲)

(۲۵) کسی مسلم کی بداخلاقی دیکھ کر یا کسی مسلم معاشرے کی اخلاقی حالت دیکھ کر اگر کوئی قبولِ اسلام سے رک گیا تو اہل ایمان موجبِ عذاب ہوں گے۔ (۹۴:۱۶)

(۲۶) محض گمان پر کسی فردِ معاشرہ کے خلاف کارروائی نہ کرو۔ (۱۰۶:۹) (۳۶:۱۷)

(۲۷) فرقہ بندی اور گروہ بندی کی مذمت و ممانعت۔ (۳:۱۰۴تا۱۰۶) (۱۶۰:۶) (۴۲:۱۳ تا ۱۵) (۹:۱۰۷ تا ۱۱۰) (۳۰:۳۰ - ۳۱) (۵۳:۲۳) (۴۳:۶۳تا۶۵) (۶:۶۵) (۷:۱۶۷) (۳۴:۱۹) (۲۸:۴) یہ اختلافِ باہمی محض ضد بازی کی پیداوار ہیں۔ (۲:۲۱۳) (۳:۱۸) (۴۵:۱۷)

(۲۸) اپنے جرم کی تہمت دوسروں پر لگانا کھلا ہوا جرم ہے۔ (۴:۲۰ - ۱۱۲)

(۲۹) عورتوں میں پائی جانے والی چند ناپسندیدہ اخلاقی برائیاں اور ان کی ممانعت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر عورتوں سے لی جانے والی بیعت میں ان اخلاقی رذائل سے بچنے کا عہد لیا کرتے تھے۔ (۱۲:۶۰)

(۳۰) وہ معاشرہ جس میں یتیم اور مسکین کو دھکے دیئے جاتے ہوں اور کوئی اصلاح کرنے والا بھی نہ ہو. ایسے معاشرے کی قرآن مذمت کرتا ہے۔ (۱۰۷:۲ - ۳)

(۳۱) اہل معاشرہ کی ضرورت کی معمولی چیزیں بھی دینے سے گریز کرنے والوں کی مذمت۔ (۱۰۷:۶ - ۷)

(III) معاشی رذائل اخلاق

(۱) یہ نہایت برا اخلاق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تنگی و عسرت سے آزمائے تو انسان یہ کہتا

پھرے کہ میرے اللہ نے مجھے ذلیل و خوار کر دیا۔ (۸۹:۱۶)

(۲) انسان کے اس رویئے کی مذمت کہ وہ دنیوی مال و دولت کے معاملے میں بڑا سخت اور اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اس حقیقت پر انسان خود بھی گواہ ہے۔ (۹۹:۶تا۸)

(۳) رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ مال جمع کرنے والے اور اسے گن گن کر رکھنے والے تباہی میں پڑ گئے وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ مال ہمیشہ ان کے پاس ہی رہے گا۔ (۱۰۴:۱تا۳)

(۴) دنیا کے مال و دولت اور عزت و جاہ پر مغرور ہونے اور غریب لوگوں کا استہزا کرنے والے روزِ قیامت خود ذلیل ہوں گے۔ (۲:۲۱۲)

(۵) دنیا اور اس کے مال و دولت کی محبت اہم ترین سبب گمراہی و ضلالت ہے۔ (۸۳:۲ - ۳) (۷۵:۲۰ - ۲۱)

(۶) اللہ کے نام پر پھوٹی کوڑی نہ دینے والوں اور محض زبانی جمع خرچ کرنے والوں کی مذمت۔ (۹۰:۶ - ۷)

(۷) مال دار بخیلیوں کے اس ذہنی خناس کی مذمت کہ انہیں جو کچھ حاصل ہے ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے ہے اس لئے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ (۲۸:۷۸) (۹۲:۱۵تا۱۸) (۳۰:۵۴)

(۸) فتنۂ تکاثر یعنی مال و اسباب کی فراخی سے سرکشی و طغیان میں مبتلا ہونے والوں کی مذمت۔ (۲۸:۷۶) (۹۰:۶) (۱۰۲:۳ - ۴) (۵۵:۴۱) (۹۶:۶تا ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۵)

(۹) بخیل سرمایہ داروں کی مذمت۔ (۱۰۴:۲ تا ۴) (۲۶:۱۲۸ - ۱۲۹) (۶۸:۱۴)

(۱۰) ان لوگوں کی مذمت جو اپنے معاشی و تجارتی معاملات چھپ کر طے کرتے ہیں کہ کہیں کوئی سائل نہ آجائے اور اسے کچھ دینا نہ پڑ جائے۔ (۶۸:۱۸ - ۲۳ تا

(۲۵

(۱۱) مال و دولت کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا منافقانہ فعل ہے۔ (۹:۶۳ تا ۱۱)

(۱۲) ان لوگوں کو جنہیں اللہ نے غنی نہیں کیا کی عدم استطاعت کا مذاق اڑانے والوں کی مذمت۔ (۷۹:۹)

(۱۳) اپنے دنیوی مقام اور اپنی مجالس کی خوبصورتیوں پر ناز کرنے والوں کی مذمت (۷۳:۱۹ - ۷۴ - ۸۰)

(۱۴) دنیا کی دولت اور دھن رکھنے والوں کو خوش قسمت سمجھنا غلط رویہ ہے اس رویہ کی مذمت اور تنبیہ کہ معذوب قومیں بھی بڑی دولت و شوکت رکھتی تھیں۔ (۷۹:۲۸) (۷۳:۱۹ تا ۷۵)

(۱۵) دنیوی دولت سے آخرت کے گھر کی بہتری تلاش نہ کرنے والوں اور اللہ کی راہ میں اس دولت سے انفاق و احسان نہ کرنے والوں اور اپنی دنیوی جاہ و دولت پر تکبر کرنے والوں کا انجام قارون جیسا ہو گا۔ (۷۶:۲۸ تا ۸۲)

(۱۶) باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی مذمت اور باطل طریقہ ہائے آمدنی کے تمام ذرائع کی ممانعت۔ (۱۸۸:۲ - ۲۱۸) (۶:۴ - ۲۹ - ۱۶۰) (۱:۸۳ تا ۳) (۳:۵ - ۳۸ - ۳۹ - ۶۲ - ۹۰ - ۹۱) (۱۵۱:۶ - ۱۵۲) (۸۵:۷) (۳۴:۹) (۳۴:۱۷ - ۳۵)

(۱۷) اللہ کی دی ہوئی دولت سے زمین میں فساد کرنے والوں کی مذمت۔ (۷۷:۲۸)

(۱۸) دولت پرستوں کی دو عبرت ناک مثالیں، قارون اور ابولہب۔ (سورہ لہب۔ ۱۱۱) (۷۶:۲۸ تا ۸۲)

(۱۹) دنیوی مفادات ہی میں سعی کرنا منافقین کی خصلت ہے۔ (۱۴۵:۳)

(۲۰) ان دولت پرستوں کی مذمت جو کم استطاعت رکھنے والے اہل ایمان کے

صدقات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۹:۷۵ - ۷۶ - ۷۹)

(۲۱) دنیوی مال و دولت میں مست ہو کر کتمان حق سرگرمیاں کرنے والوں کی مذمت اور انہیں تنبیہ کہ کیا تم اپنے لئے اللہ تعالیٰ کو صرف بھلائی دینے کا پابند سمجھتے ہو حالانکہ یہ تو تمہیں محض ڈھیل دی جارہی ہے۔ (۲۳:۵۴ تا ۵۶ - ۶۳ تا ۶۶)

(۲۲) خوشحال لوگوں کی کنجوسی ان کے لئے نہایت مکروہ اور نجس ہے۔ (۳:۱۸۰) (۴:۳۷)

(۲۳) ان مال داروں کی مذمت جو مال کو گن گن کر یوں رکھتے ہیں گویا ہمیشہ ان کے پاس ہی رہے گا۔ (۱۰۴:۳ - ۴ - ۶ تا ۹) (۷۰:۱۸) (۹۲:۸ - ۱۱)

(۲۴) بخل کم ظرف اور تھڑدلے لوگوں کی پسندیدہ صفت ہے۔ (۷۰:۱۹ - ۲۰) (۹:۷۵ - ۷۶) (۹۲:۵ - ۱۰)

(۲۵) ناپ تول میں بددیانتی کی مذمت۔ (۶:۱۵۲) (۱۷:۳۵) (۷:۸۵) (۲۶:۱۸۱) (۱۱:۸۴ تا ۹۴) (۸۳:۱ تا ۳)

(۲۶) اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل کرنے والوں کی مذمت۔ (۱۷:۳۱) (۶:۱۴۰)

(۲۷) یتیم کا مال کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے۔ (۴:۱۰) (۹۳:۹)

(۲۸) بندۂ سیم و زر کی مذمت۔ (۶۸:۱۴) (۳:۱۴) (۱۷:۱۰۰) (۸۹:۲۰) (۷۰:۲۱)

(۲۹) بخیل انسان تنگ دل ہیں اللہ تعالیٰ کے خزانے بے بہا ہیں وہ اہل ایمان اور کافروں دونوں کو دیتا ہے۔ (۱۷:۱۰۰) (۷:۶۹ - ۷۴)

(۳۰) فضول خرچی کی مذمت۔ (۴:۶) (۶:۱۴۲) (۷:۳۱) (۲۵:۶۷) (۱۷:۲۶ - ۲۷ - ۲۹)

(۳۱) حرص و لالچ کی مذمت۔ (۴:۳۲) (۹:۵۵) (۲۰:۱۳۱) (۸۹:۱۹ -

(۲۰ (۱۹:۴۳) (۳۵ - ۳۴:۹) (۲۰:۵۷) (۱۲۸:۴) (۸:۱۰۰)
(۲ - ۱:۱۰۲) (۳ تا ۱:۱۰۳) (۹:۵۹) (۱۶:۶۴) (۱۵۲:۳ -
۱۵۵)

(۳۲) بخل و کنجوسی کی مذمت۔ (۱۰۰:۱۷) (۱۲:۶۸) (۲۱ - ۱۸ تا ۱۵:۷۰)
(۱۱ تا ۸:۹۲) (۳۷:۴۷) (۳ تا ۱:۱۰۳) (۸:۱۰۰) (۲۰ - ۱۹:۸۹)
(۱۷۹:۳) (۹:۵۹) (۱۶:۶۴) (۳۷ - ۳۶:۴) (۲۴ - ۲۳:۵۷)
(۳۵ - ۳۴:۹) (۱۸ - ۱۷:۷۰) (سورۃ نمبر ۱۰۴)

(۳۳) دھاندلی سے مال بنانے والوں کی مذمت۔ (۱۸۸:۲) (۲۹:۴)

(۳۴) رشوت لینا حرام اور عہد شکنی ہے۔ (۹۵:۱۶)

(۳۵) حرام کھانے والے یہودیوں کی طرح ہیں۔ (۴۲:۵)

(IV) انفرادی رذائل اخلاق

(۱) نیک کام کی دوسروں کو نصیحت کرنا اور خود عمل نہ کرنا یعنی "دیگراں را نصیحت خود را فضیحت" قرآن اس رویئے کی سخت مذمت کرتا ہے۔ (۴۴:۲)
(۳ - ۲:۶۱) (۸۸:۱۱)

(۲) اپنی ذاتی پاکیزگی اور اپنے علم کی مدح سرائی اور خود عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرو یہ تو یہودیوں کی عادت ہے۔ (۴۹:۴) (۴۹:۳۹)
(۱۸۷:۳) (۳۳ - ۳۲:۵۳)

(۳) ایسے لوگوں کی مذمت جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ ایک پل کچھ کہتے ہیں اور دوسرے پل کچھ اور کہتے ہیں۔ (۸۱:۴)
(۱۱:۴۸) (۳ - ۲:۶۱)

(۴) کسی کی بات کی بےلاگ تحقیق کے بغیر فیصلہ کرنا شیطانی فیصلہ ہے۔ (۹۴:۴)
(۴۸:۶۸)

(۵) اشارہ بازی اور عیب جوئی بد اخلاق لوگوں کی مخصوص صفات ہیں۔ (۱۱۴:۴) (۱:۱۰۴) (۱۱:۴۹) (۱۰:۶۸ تا ۱۴)

(۶) کسی ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اور کبر مقتاً عنداللہ کا مصداق ہے اور جب یہ صورت نہ ہو اور کام کا ارادہ ہو تب بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مشیت و توفیق پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (۶۱:۲ - ۳)

(۷) گفتار کے غازیوں اور نکمے کرداروں کی مذمت۔ (۳۶:۶۹ - ۷۰)

(۸) اپنی قسموں کو ڈھال بنانا منافقین کی صفت ہے (۶۳:۲ تا ۴)۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی مذمت۔ (۴:۶۲ - ۶۳) (۳:۷۶) (۵:۸۸ - ۸۹) (۲:۲۲۵) (۲۴:۲۲) (۱:۶۶) (۱۶:۹۱ - ۹۴) (۹:۴۲ - ۱۵۶) (۲:۶۳) (۹:۶۲ - ۷۴ - ۹۵ - ۹۶) (۵۸:۱۴ - ۱۶ - ۱۸) (۵:۱۰۷) (۶۸:۱۰)

(۹) زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل و بد اخلاق، بےوزن اور بےوقعت ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے برے کردار کی حجت ان جھوٹی قسموں کو بناتا ہے۔ (۶۸:۱۰) (۹:۵۶)

(۱۰) بھلائی و نیکی سے روکنے والے اور حد سے گزرنے والے گناہ گاروں کی مذمت۔ (۶۸:۱۰ - ۱۱)

(۱۱) عیب اور چغلیاں لگانے والے۔ (۶۸:۱۱)

(۱۲) سخت جھگڑالو اور شرارت و سازش کرنے والا۔ (۶۸:۱۳)

(۱۳) اپنے کردار و عمل پر بےاعتمادی انسان کو قسم کھانے پر مجبور کرتی ہے اور زیادہ قسم کھانے والے کو قرآن "مہین" قرار دیتا ہے۔ (۶۸:۱۰) (۶۳:۱ - ۲) (۵۸:۱۶)

(۱۴) مداہنت یعنی منافقت کے لئے تیار طبیعتیں اور ان کی مذمت۔ (۶۸:۹ - ۱۰)

(۱۵) غیر مطلوبہ اخلاقی صفات کی ایک جامع فہرست (۶۸:۹ تا ۱۵) ۔ اس فہرست میں اشارہ بازی (۱:۱۰۴) چغل خوری، لگائی بجھائی کرنا، حد سے تجاوز کرنا، کمزور کا حق مارنا، سنگ دلی، بے رحمی، دنیوی دولت پر بے جا اترانا، اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑانا قابل مذمت صفات قرار دی گئی ہیں۔

(۱۶) متکبر اپنے تکبر کی وجہ سے حق و صداقت سے دور جاگرتا ہے۔ (۱۴۶:۷)

(۱۷) جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ بھلائی سے عاری ہو جاتے ہیں۔ (۲۲:۸)

(۱۸) جن کے پاس اپنے طرز عمل کی دلیل نہیں ہوتی وہ بے جا غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (۷۲:۲۲)

(۱۹) ریاکاری کی مذمت کہ یہ اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ (۲۶۴:۲) (۱۴۲:۴ - ۱۴۹) (۱۰۷:۴ تا ۶) (۲۷۱:۲ - ۲۷۴) (۲۲:۱۳) (۲۹:۳۵) (۳۲:۵۳) (۱۶:۴۹) (۴۸:۸)

(۲۰) خوشامد پسندی کی مذمت۔ (۱۸۸:۳)

(۲۱) بناوٹی لوگوں کی مذمت۔ (۸۶:۳۸)

(۲۲) سفارش کی مذمت۔ (۸۵:۴)

(۲۳) عہد اور قسموں کو تھوڑی رقم لے کر بیچ ڈالنے والوں کی مذمت۔ (۷۶:۳ - ۸۶) (۹۵:۱۶)

(۲۴) فخر و فخور اور بے جا اترانے والوں کی مذمت۔ (۱۱۹:۳) (۱۰:۱۱) (۳۶:۴) (۲۵:۵۴) (۸۳:۴۰) (۷۲:۴ - ۷۵) (۱۸:۳۱) (۷۶:۲۸) (۲۰:۵۷ - ۲۳)

(۲۵) حسد کی ممانعت و مذمت۔ (۹۰:۲ - ۱۰۵ - ۱۰۹ - ۲۱۷) (۵۱:۴ - ۵۴) (۶۲:۱۷) (۱۵:۴۸) (۵:۱۱۳) (۸:۱۲) (۲۷:۵)

(۲۶) ضد بازی (بغیاً) کی مذمت (۹۰:۲ - ۲۱۳) (۱۸:۳) (۹۰:۱۰) (۱۴:۴۲) (۱۷:۴۵)

(۲۷) بغض و کینہ کی مذمت۔ (۱۷:۳ - ۱۰۹ - ۱۸۵) (۱۰۱:۴) (۱۲۶:۷)
(۸۵:۸) (۷۴:۹) (۵۹:۵ - ۶۴) (۴:۶۰)

(۲۸) طعنہ بازی اور عیب بینی کی مذمت و ممانعت۔ (۱:۱۰۴)

(۲۹) بے علمی سے کسی بات کے پیچھے نہ پڑو۔ (۳۶:۱۷)

(۳۰) بے ضرورت سوال و جواب کی ممانعت و مذمت۔ (۱۰۱:۵ - ۱۰۲)

(۳۱) تضیع اوقات کی مذمت۔ (۶:۳۱) (۲:۲۱) (۱۰:۶۳)

(۳۲) جلد بازی اور بے صبری کی مذمت۔ (۱۱:۱۷) (۳۷:۲۱) (۱۶۱:۳)
(۱۹:۷۰ - ۲۰)

(۳۳) وعدہ خلافی کی مذمت۔ (۷۷:۹) (۵۵:۸)

(۳۴) دورخاپن اور منافقت کی مذمت۔ (۱۴:۲)

(۳۵) اس رویئے کی مذمت کہ بلا دلیل غلط موقف پر ڈٹے رہنا۔ (۹:۲۲)

(۳۶) محض سنی سنائی بات نقل و روایت کر دینا اللہ کے نزدیک نہایت سنگین جرم ہے۔
(۱۵:۲۴) (۲۱:۲۴)

(۳۷) حیلہ اور بہانہ سازی منافقین کی صفت ہے۔ (۹۰:۹)

(۳۸) برائی کو خوبی سمجھنا اور غیر حق پر مگن رہنا. اس رویئے کی مذمت۔ (۷۵:۴۰)
(۸:۳۵)

(۳۹) اپنے ہی ضمیر سے خیانت کرنے والوں کی مذمت۔ (۱۰۷:۴ تا ۱۱۰)

(۴۰) غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہونا اپنے آپ کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔
(۲۹:۴)

(۴۱) ناپسندیدہ اخلاقی صفات میں خفیہ مشورے اور سرگوشیاں کرنے کی ممانعت۔
(۱۰۸:۴ - ۱۱۴) (۳:۲۱) (۴۷:۱۷) (۷۸:۹) (۸۰:۴۳)
(۷:۵۸ - ۸)

(۴۲) فضول اور لایعنی سوال و جواب کرنے کی ممانعت۔ (۱۰۱:۵ - ۱۰۲)

(۴۳) اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھنا اور فخر جتلانے کی ممانعت۔ (۲۴:۵۷)

(۴۴) منہ در منہ طعن اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے والوں کی مذمت۔ (۱:۱۰۴ - ۲)

(۴۵) بہتان تراشی سنگین ترین جرم ہے۔ (۱۲۱:۴) (۴:۲۴ - ۵) (۲۰:۴)
(۱۲:۶۰) (۶:۲۴ تا ۸) (۵۸:۳۳)

(۴۶) جھوٹ بولنا یہودیوں کی صفت ہے۔ (۴۱:۵ - ۴۲)

(۴۷) جھوٹوں پر شیطان نازل ہوتے ہیں۔ (۲۲۳:۲۶)

(۴۸) جھوٹ منافقین کی صفت ہے۔ (۱۸:۵۸) (۱۰۵:۱۶) (۱۳:۲۴)

(۴۹) جھوٹا اللہ کی نوازشوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ (۷:۲۴ - ۸)

(۵۰) جھوٹوں کی اطاعت نہ کرو۔ (۸:۶۸)

اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر تحقیق کی عاجزانہ اس کوشش کا اختتام ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر کرتے ہیں کہ "اے اہل ایمان! اپنے اخلاق کو باری تعالیٰ کے اخلاق کے سانچے میں ڈھال لو۔"

یعنی ہمارا خالق و رب اگر رحمان و رحیم اور ارحم الراحمین ہے تو مومن کی صفتِ عزیز بھی رحم ہی ہونی چاہئے، ہمارا رب اگر معاف اور درگزر کر دینے والا ہے تو مومن کو بھی درگزر کر دینے والی صفت حمید اپنانی چاہئے۔ ہمارا آقا اگر حلیم و ودود ہے تو یہی صفت ہر مومن کو اپنانی چاہئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارا آقا و مربی، صمد اور غنی ہے تو ہر مومن کو بھی بے نیازی کی صفت اپنانی چاہئے وہ دنیا کے کمزور اور وقتی سہاروں سے نجات پالے اور ان سے بے نیاز ہو جائے اور صرف رب واحدہ لاشریک ہی کا نیاز مند ہو۔ یہی قرآنی اخلاق کی معراج ہے۔

فکر افروز کتابیں
علامہ اقبالؒ پر ایک نئی تحریر
ارمغانِ اقبال
ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کی محنت و تحقیق کا ایک نیا شاہکار
مختلف اہم شخصیات کے بارے میں علامہ کے تاثرات جن میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ
اکبر الٰہ آبادی، مولانا محمد علی جوہرؒ اور ایم اسلم کے علاوہ ان کے والد شیخ نور محمد بھی
شامل ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ اقبالؒ کے چند نادر خطوط اور ان کے ذخیرۂ کتب کی تفصیل
ایک نادر مجموعہ صفحات ۲۰۴ سائز ۲۲×۳۶/۱۶
عمدہ کاغذ و طباعت، قیمت ۵۴ روپے
اوراقِ گم گشتہ
علامہ اقبال نہ صرف برصغیر ہی نہیں پورے عالم اسلام کے مسلمہ شاعرِ انقلاب ہیں ان کے انقلاب انگیز اشعار نے
ملت اسلامیہ کو خواب گراں سے جگایا اور نئی پود کے لہو کو گرمایا، اسلامی انقلاب کی تڑپ پیدا کی
اور چند سال کے اندر اندر تمام مسلم ممالک غیروں کی غلامی کے بندھن توڑ کر آزادی و خود مختاری حاصل
کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ علامہ اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا اور چھپا لیکن اب بھی ان کا کلام اور
تحریریں منظرِ عام پر نہیں آئیں۔ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین نے علامہ کی زندگی کے ایسے ہی
کچھ گوشوں کو بے نقاب کیا اور کچھ غیر مطبوعہ اشعار اور تحریروں کو جمع کر کے
اوراقِ گم گشتہ کے عنوان سے پیش کر دیا ہے۔
صفحات ۲۷۴ قیمت ۴۰/- روپے
تحریک اسلامی کے ممتاز پنجابی شاعر
عبداللہ شاکر
کی پنجابی زبان میں فکر انگیز
انقلابی نظموں کا
یادگار مجموعہ
اسلامی انقلاب
ایسی نظمیں اور نغمے جنہوں نے پنجاب کے
شہروں اور دیہات میں جل تھل مچادی۔ دیہات میں تحریک اسلامی
کے تعارف کا نہایت موثر ذریعہ۔ فوری طلب فرمائیں۔
صفحات ۲۸۸ سائز ۲۲×۳۶/۱۶ عمدہ سفید کاغذ بہترین طباعت
قیمت ۳۳/- روپے
ادبیات مودودیؒ
پروفیسر خورشید احمد
کا نام کسی تعارف کا محتاج
نہیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے
انشار پردازی اور ادب پر نہ صرف ممتاز و منفرد
کی مختلف تحریریں اکٹھی کر دیں بلکہ مولانا مرحوم کے بعض اہم تنقیدی
مضامین کا مختلف عنوانات کے تحت ایک رنگا رنگ گلدستہ
تیار کر دیا جس میں فلسفہ و تمدن، تاریخ و سیاست مختلف اہم
شخصیات کے افکار کا ناقدانہ جائزہ، تاریخ و تمدن سیاست و
عمرانیات، علم و ادب اور قرآن و حدیث کے نہایت
بیش قیمت مباحث شامل ہیں۔ معلومات کا ایک نادر خزانہ۔ صفحات ۴۴۸ سائز ۲۲×۳۶/۱۶
عمدہ سفید کاغذ، خوبصورت طباعت قیمت ۳۷/۵۰ روپے
اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
فون
فیکس

ترکی قدیم وجدید
مولانا خلیل احمد حامدی کی تحریریں اسلامی دنیا کے بارے میں نہایت مفید معلومات تفصیلی پس منظر کے ساتھ نہایت شگفتہ انداز میں پیش کردی ہیں۔ ترکی کا ایک سفر اس کتاب کا محرک ہے اور اس میں مولانا حامدی نے ترکی کی تاریخ، جغرافیہ، معاشرتی زندگی، سیاسی رجحانات، دینی تحریکیں غرض وہ سب کچھ بیان کردیا ہے جو ایک قاری اپنے ترک بھائیوں کے بارے میں جاننے کی خواہش کرسکتا ہے۔ نہایت دلچسپ روداد، اہم حقائق اور ترکی اور ترکوں کا ایک ایسا خاکہ جسے پڑھ کر آپ خود کو ترکی میں محسوس کرنے لگتے ہیں۔
از: مولانا خلیل احمد حامدی
صفحات ۴۱۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ معلوماتی نقشے اور تصاویر قیمت ۲۵/۵۰ روپے
ترکی اور ترک قوم پر تین عظیم الشان کتابیں
ترکی اور ترک
جناب ثروت صولت کا ایک تحقیقی شاہکار
پاکستان اور ترکی اسلام کے مضبوط رشتے میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوستہ اور جڑے ہوئے ہیں کہ صدیوں کے حالات و واقعات اور مختلف انقلابات اس رشتے میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہیں کرسکے۔ ترکی اور اس کی تاریخ اور اس کے علمی و تہذیبی ورثہ پر جناب ثروت صولت نے دو حصوں میں نہایت بیش قیمت معلومات مہیا کردی ہیں۔ پہلا حصہ چھپ چکا ہے۔ دوسرا حصہ زیر طبع ہے۔ ایک ایسی کتاب جو ہر گھر اور ہر لائبریری کے لیے بیش قیمت خزانہ معلومات ہے۔
صفحات ۴۴۸ سائز ۲۳×۳۶/۱۶
عمدہ کاغذ و طباعت
قیمت ۶۰/- روپے
روسی ترکستان
جو آج ساری دنیا کی توجہ کا مرکز ہے
جبل روس نے کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو جبر و تشدد کے مختلف ہتھکنڈوں سے دبانے اور کچلنے اور اسلامی تہذیب و تمدن اور عقائد و نظریات کو مٹانے کی کوشش کی اور مسلمانوں نے کس پامردی، قربانی اور جاں فروشی سے ظلم و ستم کے بے پناہ طوفان کا مقابلہ کیا اس المناک داستان کو جناب آباد شاہ پوری نے بڑی محنت سے رقم کیا ہے۔ ترکستان میں مسلم مزاحمت ایک تاریخی ریکارڈ جو ایمان و یقین اور عزیمت و مقاومت کی ایک لازوال داستان ہے۔ صفحات: ۲۱۶
سائز ۲۳×۳۶/۱۶ قیمت ۲۱/- روپے
اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور پاکستان
فون ۳۲۵۲۴۳ — ۷۶۶۴۵۰۴، فیکس ۷۶۵۸۶۷۴—۴۲—۹۲

ارشاداتِ رسول ﷺ

☆ روزِ قیامت میزانِ عمل میں حسنِ اخلاق کے برابر کسی چیز کا وزن نہ ہوگا۔۔۔ (ترمذی)

☆ مسلمان اپنے حسنِ اخلاق سے اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو راتوں کو عبادت میں جاگتا اور دن کو روزے رکھتا ہے۔۔۔ (ابوداؤد)

☆ لوگوں سے حسنِ سلوک اور حسنِ خلق کا برتاؤ کرو۔۔۔ (موطا امام مالک)

☆ بندے کو اپنے رب کی طرف سے دی جانے والی سب سے بہتر چیز خوش خلقی ہے۔ (ابنِ ماجہ)

☆ سب سے افضل مومن وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔ (ابنِ ماجہ)

☆ مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔۔۔ (ابو حیان)

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور پاکستان